86-

فتاویٰ فرنگی محل

موسوم بہ

فتاویٰ قادریہ

الحاج مفتی محمد عبدالقادر مفتی فرنگی محل کے

فتووں کا انتخاب

مرتب

مفتی محمد رضا انصاری

5/50

Marfat.com

طبع اوّل ... ... جون ۱۹۶۵ء

تعداد ۱۰۵۰

قیمت ... ... چار روپے پچیس پیسے

ملنے کا پتہ :- ... ... "فرنگی محل کتاب گھر" فرنگی محل لکھنؤ ۳

باہتمام :- محمد عطاء اللہ القاسمی غفرلہٗ

مطبع نامی (نخاس، لکھنؤ) میں چھپا

Marfat.com

انتساب

اپنے عزیز، ہمدم، ہم عُمر

سیّد حامد حسین اسلم رضوی کے نام

نگاہِ اہلِ نظر میں وہ نور بن کے رہے
قلوبِ اہلِ وِلا میں سُرور بن کے رہے

Marfat.com

گزارشِ احوال

عم محترم الحاج مولانا مفتی محمد عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا انتخاب پیش کرتے ہوئے اس غیر معمولی تاخیر پر معذرت خواہ ہونا ضروری تھا جو اس کی اشاعت میں اپنی کوتاہیوں سے ہوئی۔

لیکن جن سطور کو معذرت و اظہار ندامت سے شروع ہونا چاہیے تھا، بے پایاں مسرت ہے کہ ان کی ابتدا فخر و مباہات کے جذبات کے ساتھ ہو رہی ہے، فخر اس پر کہ فتاویٰ کی اشاعت سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر پر جبیں سائی کا شرف اس کے نصیب میں آیا جو ظاہری حالات کے پیش نظر رسائی کا خواب بھی بمشکل دیکھ سکتا تھا۔ اور مباہات اس پر کہ پیش لفظ کی یہ سطریں روضۂ مبارک کے مواجہ میں بیٹھ کر لکھنے کی سعادت حصے میں آئی۔

اب واپسی پر فتاویٰ اور اس مبارک سرزمین پر قلمبند کی ہوئی یہ سطریں تحفۂ سفر کی حیثیت سے پیش کی جاسکیں گی اور لاج رکھنے والے کے صدقے میں "خالی ہاتھ" واپس آنے کی شرمندگی نہ ہوگی۔

دریغ آدم زاں ہمہ بوستاں
تہی دست رفتن سوئے دوستاں

"فتاویٰ فرنگی محل" موسوم بہ "فتاویٰ قادریہ" کی اشاعت کا ارادہ چھ سال قبل الحاج مفتی محمد عبدالقادرؒ (متوفی اگست ۱۹۵۹ء مطابق صفر ۱۳۷۹ھ) کے انتقال کے بعد ہی ان کے ایک شاگرد مولانا حافظ حاجی ظفر الحسن صاحب ظفر جون پوری کی تحریک پر اس توقع کے ساتھ کیا تھا کہ مفتی صاحبؒ کے تلامذہ مخلصین اور معتقدین کی اعانت سے یہ فرض انجام پا جائے گا۔

دسمبر ۱۹۵۹ء میں مولانا ظفر الحسن نے "فتاویٰ فنڈ" کا آغاز بھی اپنے چندے سے کر دیا۔ دوسرا چندہ عزیز و رفیق الحاج شیخ حامد حسین (ممبر لکھنؤ کارپوریشن) نے دیا۔ یہ دو ابتدائی اور بنیادی چندے تھے جن کی بدولت ارادے میں استحکام کی کیفیت پیدا ہوتی نظر آئی لیکن حسب ضرورت وسائل کی

Marfat.com

فراہمی کا سوال پھر بھی ایک سخت مرحلہ معلوم ہوتا تھا۔

اچانک جناب مقبول احمد صاحب لاری نے جن پر ہنوز قدیم تعلقات اور دیرینہ شناسائی کا حق بھی پوری طرح قائم نہیں ہو پایا تھا بغیر کسی تحریک وسفارش کے اتنی رقم پیش کر دی جس نے نہ صرف کاغذ کی خریداری اور کتابت کے مصارف کی فکر سے جو اصل مصارف تھے آزاد کر دیا بلکہ چندہ کی مزید تحصیل وصول سے ایسے شخص کو مستغنی کر دیا جس کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کا کام بالکل نیا اس لیے بہت کٹھن تھا۔

اب فتاوی کی اشاعت کا مرحلہ بالکل سہل تھا زیادہ سے زیادہ سال بھر کے اندر اسے منصۂ شہود پر آ جانا چاہیے تھا لیکن چھ سال پورے ہونے کو آئے اور وہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکا جسے ایک سال میں مکمل ہونا تھا۔

کارکنان قضا و قدر کے علم میں اس تاخیر کی جو بھی وجہ ہو، اپنے حساب تو اس میں بھی خیر اور خوش نصیبی کی ہی مصلحت پوشیدہ معلوم ہوتی ہو کہ اس دوران اس درخواست کی منظوری کی اطلاع آگئی جو حج اور زیارتِ روضۂ نبوی کی اجازت حاصل کرنے کیلئے ایک مخدوم ومحترم کی ہمت پر (جنکے نام کے اظہار سے معذوری ہو) چار سال سے برابر دی جا رہی تھی اور ہر سال عدم گنجائش کا عذر کر کے مسترد کر دی جاتی تھی۔ اس دفعہ بھی یہی صورت پیش آئی تھی مگر مرکزی حج کمیٹی کے صدر الحاج مفتی محمد عتیق الرحمن صاحب عثمانی (دہلی) کی خصوصی توجہ سے آخری لمحے اجازت نصیب ہوئی اور سفر کی تعجلت تیاری کے دوران فتاوی کی آخری کاپی پریس کے سپرد کر دی گئی۔

۱۹ مارچ کو جب لکھنؤ سے روانگی ہوئی تو اصل فتاوی کی طباعت مکمل ہو چکی تھی صرف ابتدائی صفحات انتساب، پیش لفظ اور فہرست وغیرہ کی ترتیب باقی رہ گئی تھی۔ بروقت خیال آگیا کہ یہ صفحات اگر مدینۂ منورہ میں روضۂ نبوی کے سامنے قلمبند ہو جائیں تو خوش طالعی کی ایک مستقل یادگار رہے گی اور اس طرح اُن بہت سے محترم اور قدیم مصنفین کی فی الجملہ اتباع کا شرف بھی حاصل ہو جائے گا جنھوں نے روضۂ انور کے روبرو بیٹھ کر تصنیف وتالیف کی سعادت حاصل کی۔

فی الجملہ نسبتے بہ تو کافی بود مرا — بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

آج ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۳۰ اپریل ۱۹۶۵ء کی وہ مبارک ومسعود تاریخ ہو جب مواجہ شریف کے روبرو فتاوی کی اشاعت کے معاونوں، سعادتِ زیارت کے حصول کے مددگاروں اور اس طویل سفر کی دشواریوں کو سہل بنانے میں خصوصی توجہ صرف کرنے والوں کے لیے محسنِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلے اور شہادت کے ساتھ جان ولسان وبیان سے دعائے خیر اور اظہار تشکر کا فریضہ ادا کیا جا رہا ہے۔

عجیب خوش بختی ہو کہ جس وقت یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں حرم نبوی کا خوش الحان مؤذن جمعہ کی اذان کہتے ہوئے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی صدا بلند کر رہا ہے:۔

جان رگ رگ سے کھنچی آتی ہے کانوں کی طرف
کس قیامت کی کشش! اُف تری آواز میں ہے (مجذوب)

Marfat.com

تذکار اللجح

اس سراپا سعادت سفر کے ذکر کے ساتھ الحاج حافظ محمد افضل رزاقی عرف فجی میاں (لکھنؤ)، پرنس ڈاکٹر یوسف نجم الدین (بمبئی)، مولانا محمد میاں فاروقی (الہ آباد) اور الحاج فقیر محمد صاحب کا ذکر بھی ضروری ہے جن کی خاص توجہ کے بغیر گھر سے روانگی، جہاز کا آرام اور مکہ معظمہ کا قیام آسان نہ ہوتا ـــــ اسی طرح بعض اُن رفقائے سفر کا تذکرہ بھی ایک خوشگوار فرض ہے جنکی حسنِ رفاقت کبھی فراموش نہ ہو سکے گی، ان میں سب سے مقدم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں جنھوں نے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں مسافر نوازی کا ہر گھڑی خیال رکھا انکے علاوہ مولانا فاروقی (الہ آباد) اور حاجی فقیر محمد (لکھنؤ) مولانا شاہد فاخری (الہ آباد) مولانا عبدالرحیم جے پوری نقشبندی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید محمد سعید مجتہد (لکھنؤ)، مولانا محمد اویس ندوی نگرامی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی (اعظم گڑھ)، چودھری عظیم الدین اشرف (بیبار بارہ بنکی) برادرم شیخ ظہیر حسین (لکھنؤ) سید اکرام الحق (لکھنؤ)، جناب اشتیاق حسین (کانپور) جناب مناظر احسن (پٹنہ) جناب ایم اے رحمان (مدراس) مولانا ابواللیث ندوی (دہلی)، قاری محمد تائق (لکھنؤ) شیخ ظہور الحسن (لکھنؤ) شیخ ذوالفقار اللہ (الہ آباد) جناب فرحت علی (الہ آباد) مولانا مفتی محمد عتیق فرنگی محلی اور برادر عزیز مولانا حافظ محمد جلال الدین عبدالمتین فرنگی محلی وہ حضرات ہیں جو آتے جاتے جہاز پر یا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حق رفاقت ادا کرنے میں بڑے عالی ظرف ثابت ہوئے۔

جدّے میں مقیم ہندوستانی سفیر برادر محترم مسٹر مدحت کامل قدوائی، سفارت خانے کے اول سکریٹری مسٹر شہاب الدین اور کمرشیل سکریٹری مسٹر وہاج الحق مرکزی نائب وزیر خارجہ مسٹر دنیش سنگھ اور عم محترم جناب حیات اللہ انصاری ایڈیٹر قومی آواز (لکھنؤ) کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ طویل رخصت دینے میں جس فراخ دلی سے حیات اللہ صاحب نے کام لیا، اور حج و زیارت نیز حجاز سے واپسی کے سلسلے میں جس خندہ پیشانی سے مذکورۂ بالا ذمہ داروں نے تعاون کیا اس کا اعتراف نہ کرنا سخت ناسپاسی ہوگا ـــــ اس مبارک سفر میں والدہ اور پھوپھو (اہلیہ قطب میاں صاحب مرحوم) اور متین میاں سلمہ ہمراہ تھے۔

کتاب کے بارے میں

مفتی محمد عبدالقادرؒ نے کم و بیش چالیس سال تک دارالافتاء (فرنگی محل) کی ذمہ داریاں باحسن وجوہ انجام دیں ان کے جوابات کی نقل مرحوم مولوی محمد روح اللہ (فرنگی محلی) نائب مہتمم مدرسۂ نظامیہ آخر تک رکھتے رہے۔ جب فتاویٰ کی اشاعت کا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا تو انھوں نے پورا ذخیرہ حوالے کر دیا، اس میں سے ان فتووں کا اس کتاب کے لیے انتخاب کیا گیا جو یا تو عام طور پر پوچھے جاتے ہیں یا جن کے بارے میں خاص طور پر علمائے فرنگی محل کا مسلک جاننے کی خواہش پائی جاتی ہے۔

فتاویٰ کے مجموعوں کے برخلاف اس مجموعے میں ابواب کی ترتیب بدلی ہوئی جو نظر آئے گی تو وہ اس لیے کہ جن امور سے متعلق استفسارات زیادہ ہوتے ہیں ان کو مقدم کرنا مناسب نظر آیا، جوابات کی بعض عربی عبارتیں بھی حذف کر دی گئی ہیں۔

(مفتی) محمد رضا انصاری

فرنگی محل، لکھنؤ ۳

۲۹۷،۳۵
DATA ENTERED ۴۸ الف
۱۳۳۶۸

فہرست

نمبر شمار		صفحہ
	کتاب العلم	
۱ (الف)	محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور اسکے لیے دن تاریخ مہینہ مقرر کرنا کیسا ہے؟	۱
(ب)	مجالس سیرت اور مجالس وعظ میں کوئی فرق ہے؟	
۲	بھوت پریت کی کوئی اصل ہے؟	۲
۳	کیا ولی و شہید کی ارواح کسی انسان میں تصرف کر سکتی ہے؟	۴
۴ (الف)	حضرت نقشبند قدس سرہ کا سلسلہ صرف بواسطۂ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے یا دوسرے صحابہ سے بھی؟	۴
(ب)	حضرات صوفیہ کے موجودہ طریقۂ بیعت کی اصل شرعی ہے؟	۴
(ج)	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلافصل کہنا درست ہے؟	۴
۵ (الف)	غنیمت اور فئے کسے کہتے ہیں؟	۷
(ب)	سلف خلف اور متاخرین کا اطلاق کن پر ہوتا ہے؟	۷
۶	مدارات و مداہنت میں کیا فرق ہے؟	۷
۷	عالم مثال کا ثبوت کتب حدیث میں ہے؟	۸
۸ (الف)	حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج براق پر سوار ہوتے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا تھا؟	۱۲
(ب)	خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بارے میں روز محشر کی روایت کیسی ہے؟	۱۲
(ج)	والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) عذاب ہے؟	۱۲
۹	وعدہ خلافی کرنا کیسا ہے؟	۱۲
۱۰	"سجادہ نشین" کا مفہوم کیا ہے، اور اس کے شرائط سے متعلق استفسارات	۱۳
۱۱	اولی الامر سے کون لوگ مراد ہیں؟	۱۶
۱۲	"رشک پیغمبراں" معین الدین کا پڑھنا درست ہے؟	۱۷
۱۳	اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کون اسم اعظم ہے؟	۲۰
۱۴	چاند سورج میں گرہن کے اسباب اور اس وقت کے شرعی احکام کیا ہیں؟	۲۲
۱۵	آیۃ محمد رسول اللہ الخ میں مدح رسول و مدح صحابہ رض و خلفائے اربعہ رض ہے؟	۲۴
۱۶	آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں اور کن پر صدقہ حرام ہے؟	۲۴
۱۷	"اہل بیت" سے کون مراد ہیں؟	۲۵
۱۸	حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی	۲۵

Marfat.com

نمبر شمار		صفحہ
۱۸	خدیجہ (رضی اللہ عنہا) میں اور حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میں کون افضل ہے؟	۲۵
۱۹	گناہ کبیرہ کون کون ہیں؟ گناہ کبیرہ کا مرتکب توبہ کرکے مرے تو وہ مومن ہے یا کافر؟	۲۶
۲۰	اسم اعظم کے بارے میں چند استفسارات	۲۶
۲۱	شب برأت میں نزاعی نافرمان و کینہ پرور کی توبہ کے بغیر بخشش ہوگی؟	۲۷
۲۲	"اسلام" "اور عمل" کے بارے میں استفسار	۲۸
۲۳	حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عالم الغیب ہونے کا عقیدہ کیسا ہے؟	۳۰
۲۴ (الف)	میلاد شریف میں قیام کرنا	۳۲
(ب)	مسجد میں اشعار نعتیہ پڑھنا	
(ج)	فاتحہ کا مروجہ طریقہ ـــ کیسا ہے؟	
۲۵	قرآن پاک کا ثواب بخشنا کیسا ہے؟	۳۸
۲۶	میلاد النبیؐ کی تقریب کب سے جاری ہوئی؟ اور "میلاد" کی اضافت دوسرے بزرگ کے ساتھ کیسی ہے؟	۴۰
۲۷	ذکر ولادت شریف پر کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کیسا ہے؟	۴۲
۲۸	قیام میلاد شریف کیا بدعت ہے؟	۴۴

کتاب الحظر والاباحۃ

نمبر شمار		صفحہ
۱ (الف)	کسی بزرگ کا عرس کرنا قرآن خوانی وفاتحہ کرنا شیرینی تقسیم کرنا اور مزار پر چراغاں کرنا کیسا ہے؟	۴۵
(ب)	شریعت وطریقت میں کوئی فرق ہے؟	
(ج)	قوالی کرنا، قبر پر چادر یا پھول چڑھانا اور لوبان سلگانا اور قوالی میں نذر کا روپیہ قبول کرنا کیسا ہے؟	
۲	مجرب آیات قرآنی کسی غیر مسلم کو یاد کرائی جا سکتی ہیں؟ یا آیات کی تکبیر کے نقوش (تعویذ) ان کو دیئے جا سکتے ہیں؟	۵۷
۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کس طرح کیا تھا؟	۵۸
۴	حکومت نجد یا ابن سعود کی تعریف کرنا کیسا ہے؟	۵۸
۵	سڑے ہوئے کھانے کا حکم	۶۰
۶	انگریزی سینٹ کا حکم	۶۰
۷	جماعت خاکساران اور بانیِ جماعت کی کتاب "تذکرہ" کے بارے میں۔	۶۱
۸	مشاعرہ میں جانا کیسا ہے؟	۶۲
۹	فال سے کیا مراد ہے؟	۶۲
۱۰	بیمہ کرانے کا حکم	۶۳
۱۱	تصویر کھنچوانا کیسا ہے؟	۶۳
۱۲	سینما دیکھنا کیسا ہے؟	۶۳
۱۳	بجزر کھانے کا حکم	۶۴
۱۴	ان پڑھ کا صف علماء میں بیٹھنا کیسا ہے؟	۶۵
۱۵	طوائف کی نذر قبول کرنا یا اس کے اور ایسے ہی دوسرے حرام روزی کمانے والوں کے یہاں کھانا کیسا ہے؟	۶۵
۱۶	رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا سنت ہے؟	۶۶
۱۷	قبلے کی طرف پاؤں پھیلانا کیسا ہے؟	۶۶
۱۸	کسی پیشوا کی آمد پر زور سے درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟	۶۷
۱۹	بزرگوں کے مزارات کی زیارت کرکے الٹے پاؤں واپس آنے کا حکم	۶۷
۲۰	خرید شدہ اشیاء کا کثیر نفع پر بیچنا اور حکومت کی مقررہ قیمتوں سے زیادہ بیچنا کیسا ہے؟	۶۸
۲۱	قرآن شریف کتب حدیث اور قبور صالحین	۶۸

نمبر شمار		صفحہ
۲۱	کو بوسہ دینا کیسا ہے؟	۶۸
۲۲	داڑھی کا شرعی حکم	۶۹
۲۳	رسم تعزیہ داری کا حکم	۷۱
۲۴	وعظ وغیرہ کی مجلسوں میں زور سے "السلام علیکم" کہنے کا حکم	۷۲ ۷۳
۲۵	جمعہ کے دن ناخن ترشوانے یا اس کے لیے کوئی دن مقرر کرنے نیز ہاتھ اور پیر کے ناخن تراشنے کے طریقے کے بارے میں استفسار	
۲۶	تمثیلی مشاعرے کا حکم	۷۳
۲۷	حرام آمدنی کی خرید کردہ جائداد اگر کسی کو ہبہ کر دی جائے؟	
۲۸	"السلام علیکم"، "سلام علیکم" اور "رحمۃ اللہ برکاتہ" کے بارے میں استفسار۔	۷۵
۲۹	کافی ہاؤس کے موسیقیوں کا سلسلہ شرعاً کیسا ہے؟	۷۶
۳۰	یہ کہنا "اللہ نے چاہا پھر اس کے رسول نے چاہا" کیسا ہے؟	۷۷
۳۱	"قبینہ" پڑھنا کیسا ہے؟	۷۹
۳۲	سودی قرض مکان بنانے کے لئے لینا کیسا ہے؟	۷۹
۳۳	حجاج کو روانگی یا واپسی پر ہار پہنانا کیسا ہے؟	۸۰
۳۴	ہندستان سے "ہجرت" کرنے کا حکم۔	۸۰
۳۵	"نذر" اور "صدقہ" میں کیا فرق ہے؟	۸۱
	کتاب النکاح	
۱	مطلقہ ثلثہ کا بغیر حلالہ کے شوہر سے پھر نکاح کر لینا کیسا ہے؟	۸۳
۲	شوہر نے اسلام قبول کر لیا تو اس کی غیر مسلم منکوحہ نکاح میں رہی؟	۸۳
۳	وصی کو صغیر و صغیرہ کے نکاح کا حق ہے؟	۸۴
۴	باپ نے اگر نابالغہ کا نکاح کر دیا اور شوہر نے رخصتی نہیں کرائی پھر اپنا دوسرا نکاح کر لیا تو پہلی منکوحہ کیا کرے؟	۸۴
۵	اس خبر پر کہ شوہر ہلاک ہو گیا اس کی منکوحہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟	۸۴
۶	اہل کتاب مرد یا عورت کے ساتھ مسلمان مرد یا عورت کا نکاح درست ہے؟	۸۵
۷	منکوحہ مرتدہ ہو گئی تو اس کا مسلم شوہر کیا کرے؟	۸۶
۸	زوجہ کے لڑکے کی مطلقہ عورت کے ساتھ خسر کے نکاح کا حکم	۸۸
۹	مفقود الخبر شوہر کی منکوحہ نے نکاح ثانی کر لیا پھر دوسرا شوہر مر گیا بعد میں اگر شوہر اول زندہ ہے تو یہ عورت پہلے شوہر کی منکوحہ رہے گی یا تیسرا عقد کر سکتی ہے؟	۸۸
۱۰	شوہر کے تبدیل مذہب کر لینے پر اس کی مسلم منکوحہ کے مہر، اس کے بچوں کی پرورش اور اس کے ترکے کے بارے میں حکم	۸۹
۱۱	خطبۂ نکاح کھڑے ہو کر پڑھا جائے یا بیٹھ کر؟	۸۹
۱۲	خطبۂ نکاح کس وقت پڑھا جائے؟ اور بغیر خطبے کے نکاح درست ہے؟	۹۰
۱۳	ایک عورت جس نے عدالت مجازہ سے فسخ نکاح کرانے کے بعد دوسرا نکاح کیا جس کے نتیجے میں برادری نے اس عورت سے ترک تعلقات کر لیا۔ آیا یہ نکاح درست نہیں ہے؟	۹۱
۱۴	برادری کا چودھری برادری کے کسی معاملے میں اپنی طرف سے طلاق دے سکتا ہے؟	۹۲

Marfat.com

نمبر شمار		صفحہ
۱۵	عورت کے کلمات کفریہ کہنے سے فسخ نکاح ہو جاتا ہے؟ اگر ہاں تو عورت کے لئے عدت اور عدت کا خرچ اور مہر لازم ہوگا؟	۹۳
۱۶	ایسی منکوحہ کے مہر کا حکم کیا ہے جس سے ہم بستری کرنا ممکن ہی نہ ہو	۹۳
۱۷	کیا محض تحریری ایجاب و قبول ثبوت نکاح کے لیے کافی ہے؟	۹۴
۱۸	بھاری مہر پر جسے شوہر ادا نہیں کر سکتا ہے اگر نکاح ہو جائے تو دونوں میاں بیوی ہو جائیں گے؟	۹۵
۱۹	نکاح سے قبل شوہر سے شرائط لکھوانے کا حکم	۹۵
۲۰	شافعی المذہب منکوحہ جس کا شوہر نان و نفقہ نہیں دیتا کیا کرے؟	۹۶
۲۱	شیخ مغل اور پٹھان کو ایک سیدزادی سے عقد جائز ہے؟	۹۶
۲۲	باکرہ عورت کے نکاح کے وقت سکوت سے نکاح ہو جاتا ہے؟	۹۷
۲۳	تار کے ذریعہ شوہر کی وفات کی اطلاع ملنے اور آنے والوں سے اس کی تصدیق ہو جانے کے بعد عورت کا نکاح ثانی جائز ہے؟	۹۸
۲۴	گواہوں کے سامنے مرد نے عورت سے پوچھا "پھر وہ بات تم قبول کرتی ہو" عورت نے جواب دیا "ہاں میں نے قبول کیا" تو کیا اس طرح نکاح ہو گیا؟	۹۸
۲۵	نابالغہ کا نکاح باپ نے ایک بداطوار شخص سے کر دیا بالغ ہو کر لڑکی نکاح فسخ کر سکتی ہے؟	۹۹
۲۶	خفیہ نکاح جو بغیر گواہوں کے ہوا نکاح فاسد ہے اور اگر ولادت ہوئی تو وہ صحیح النسب ہے	۱۰۰
۲۷	بیوہ کو عدت میں ناجائز حمل ہو گیا تو قبل وضع حمل اس نے جو نکاح کیا وہ درست ہے؟	۱۰۰
۲۸	بالغہ کا نکاح بغیر اس سے پوچھے والد کی وکالت میں کر دیا گیا تھا بالغہ بغیر کسی انکار کے شادی کے کپڑے پہن کر سسرال رخصت ہو گئی تو یہ رضامندی ہوگی؟	۱۰۰
۲۹	مفقود الخبر کی منکوحہ کے نکاح ثانی کا حکم۔	۱۰۰
۳۰	غیر مقلد کے ساتھ سنی لڑکی کے نکاح کا حکم۔	۱۰۱
۳۱	سیدہ بنی فاطمہ وعلویہ کا عقد غیر سید کے ہمراہ جائز ہے؟	۱۰۱
۳۱	مسئلہ مذکورہ کے بارے میں دوسرا استفسار	۱۰۱
۳۲	کیا ہرادل بدل کی شادی "نکاح شغار" ہے؟	۱۰۲
۳۳	مہر معجل اور مہر مؤجل کے بارے میں	۱۰۳
۳۴	متوفیہ کے زیورات وظروف اس کے ورثا کے ہیں یا اس کے شوہر کے ورثا کے	۱۰۴
۳۵	جہیز کی مقدار، نکاح کے بعد چھوارے کی تقسیم نکاح نامہ کی کتابت مہر معجل اور مہر مؤجل کی ترجیح اور اس کی مقدار نیز محفل نکاح کے شرکا کی دعوت اور دعوت ولیمہ کے بارے میں استفسارات	۱۰۶
۳۶	حضرت بی بی ام حبیبہ کا مہر مروجہ تولے کے حساب سے کتنا ہے؟	۱۰۷
۳۷	مہر کی معافی کے بارے میں	۱۰۸
۳۸	دس درہم سے کم مہر نہ ہونا چاہیے	۱۰۸
۳۹	خالہ کا دودھ پینے والے زید کا نکاح اس خالہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔	۱۰۸

نمبر شمار		صفحہ
۴۰	نکاح کے بعد لڑکی کی ماں نے بتایا کہ لڑکی نے اپنی شوہر کی بہن کا دودھ پیا تھا	۱۰۹
۴۱	رضاعی بھانجی کے ساتھ نکاح درست نہیں۔	۱۰۹
۴۲	زوجۂ زید کا دودھ پینے والی لڑکی کے ساتھ زید کی پہلی بیوی کے بطن سے زید کی لڑکی کے لڑکے کا نکاح ہو سکتا ہے؟	۱۱۰
۴۳	مرضعہ کے لڑکے پر رضیع کی لڑکی حرام ہے؟ وہ کون رشتے ہیں جن سے بسبب رضاعت نکاح حرام ہے؟ اور ولکنا المرأۃ تحل لیالان تتزوج بابن ابنھا کا کیا مطلب ہے؟	۱۱۰
۴۴	دودھ پینے کے زمانے کے بعد کسی بچے نے مرضعہ کا دودھ منہ میں کھینچ کر اگل دیا تو کیا رضاعت ثابت ہوگی؟	۱۱۳
۴۵	صرف مرضعہ کا دودھ پلانے کا دعوی ثبوت رضاعت کے لئے کافی ہے؟	۱۱۳
۴۶	زوجۂ ثانیہ کا دودھ شوہر کی نواسی نے پیا تو شوہر کے پوتے کا نکاح نواسی سے ہو سکتا ہے؟ نواسی اور پوتا دونوں پہلی بیوی کے بطن سے ہیں۔	۱۱۴
۴۷	رضاعی باپ کی اس بیوی کی لڑکی سے جس کا دودھ رضاعی لڑکے نے نہیں پیا ہے نکاح ہو سکتا ہے؟	۱۱۴
۴۸	داماد کا ناجائز تعلق ساس سے ہو گیا، اب ساس سے ترک تعلق کر کے داماد اپنی منکوحہ سے زن و شو کے تعلقات قائم کر سکتا ہے؟	۱۱۵
۴۹	مسئلہ مذکورہ کے جواب پر ایک مراسلت	۱۱۵
۵۰	غیر مسلم عورت سے مسلمان کے نکاح کے بعد جو اولاد ہوئی وہ جائز ہے؟	۱۱۸
۵۱	سگی پھوپی کا دودھ پینے والے کے لڑکے کے ساتھ رضیع کی بھانجی کا عقد درست ہے؟	۱۱۸
۵۲	لڑکی باپ پر اتہام لگاتی ہے کیا عقلاً و شرعاً محض اس کا دعوی ثابت سمجھا جائے گا؟	۱۱۹
۵۳	بیٹے کی منکوحہ کے ساتھ جبکہ خلوت و ہم بستری نہ ہوئی ہو، باپ نکاح کر سکتا ہے؟	۱۲۱
۵۴	لعان کے بارے میں ایک استفتا اور اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کے نام ایک خط	۱۲۱
۵۵	محجوب نابالغ پوتے کی امانت سے جو دادا کے پاس رکھی ہے دادا نابالغ پر خرچ کر سکتا ہے؟	۱۲۳

کتاب الطّلاق

نمبر شمار		صفحہ
۱	بیوی کو لکھا "نہ آنے پر طلاق طلاق طلاق سمجھنا" کیا طلاق ہوگئی؟	۱۲۵
۲	"تجھ کو طلاق ہے اب مجھ سے کوئی واسطہ اور غرض نہیں" اس کہنے سے طلاق رجعی ہوئی یا بائن؟	۱۲۵
۳	"ایک طلاق دو طلاق تین طلاق" بیوی سے مخاطب ہو کر کہا، طلاق ہوئی؟	۱۲۶
۴	اقرار طلاق سے طلاق ہوگی؟	۱۲۶
۵	خلع نامہ پر بیوی کے دستخط اگر زبردستی لے لیے گئے ہوں؟	۱۲۷
۶	نابالغہ اپنا نکاح جسے باپ نے کیا تھا بالغ ہونے پر فسخ نہیں کر سکتی اور فسخ کرنے کے شرائط۔	۱۲۷
۷	آنکھوں والی زوجہ کی طرف اشارہ کر کے کہا "اس اندھی کو طلاق ہے"	۱۲۸
۸	گزرے ہوئے زمانے کا نفقۂ عدت	۱۲۹

Marfat.com

نمبر شمار		صفحہ
۹	پاگل شوہر کی منکوحہ	۱۲۹
۱۰	بیوہ جو دوران عدت میں حاملہ ہو گئی اس کی مدت عدت کیا ہوگی؟	۱۳۰
۱۱	تین طلاقوں کی مطلقہ نے حلالہ کے لئے نکاح کیا اور شوہر نے صرف دخول کیا اور بغیر انزال علیحدہ ہو کر طلاق دیدی تو کیا حلالہ ہو گیا؟	۱۳۰
۱۲	"تم سسر سے سلام کہہ دینا اور کہہ دینا طلاق طلاق طلاق" دوسرے سے مخاطب ہو کر کہا تو منکوحہ کو طلاق ہو گئی؟	۱۳۱
۱۳	حالت حیض کی طلاق کا حکم	۱۳۲
۱۴	طلاق کا ایک اور مسئلہ	۱۳۲
۱۵	"تو میری ماں کے مثل ہے اگر ساتھ نہ چلی" اور منکوحہ ساتھ نہ گئی تو کیا حکم ہے؟	۱۳۲
۱۶	منکوحہ کو طلاق لکھ کر تحریر قلم زد کر دی	۱۳۳
۱۷	طلاق کے بعد عدت کہاں گزاری جائے؟	۱۳۳
۱۸	شوہر نے کہا "اگر تو فلاں سے محبت کرتی ہے تو تجھے طلاق ہے" بیوی نے محبت کرنے سے انکار کیا	
۱۹	اقرار نامۂ طلاق	۱۳۵
۲۰	شوہر نے کہا "اب بغیر اجازت ہماری تم کہیں برادری میں جاؤ گی تو تم کو طلاق ہے" اب بیوی کیا کرے؟	۱۳۵
۲۱	"میں نے تم کو آزاد کیا اب ہمارا کوئی زور تم پر نہیں رہا" اس سے طلاق ہو گئی؟	۱۳۶
۲۲	"اگر میں دوزخی ہوں تو تجھ کو طلاق" سے طلاق ہو جائے گی؟	۱۳۶
۲۳	غیر مدخولہ کو تین طلاقیں دیدیں اب پھر دونوں کا عقد ہو سکتا ہے؟	۱۳۶
۲۴	"ہندہ (منکوحہ) کو حرام کر دیا" سے طلاق ثابت ہوئی ہے؟	۱۳۷
۲۵	"تم مجھ پر حرام ہو" سے طلاق بائن	۱۳۷

نمبر شمار		صفحہ
	ہوگی کہ طلاق رجعی؟	
	کتاب الطہارۃ	
۱	کنوئیں میں اوپلا گر گیا؟ نجس کنوئیں کے پانی سے وضو کیا اور قطرے کپڑوں پر ٹپکے؟ بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں انگلی ڈالی؟ مصافحہ کا شرعی طریقہ؟	۱۳۹
۲	غیر مسلم کا قرآن چھونا قرآن کی کتابت کرنا اور قرآن کی تعلیم حاصل کرنا جائز ہے؟	۱۴۰
۳	بندر اور لنگور اگر چھوٹے حوض یا گھڑے میں منہ ڈال دیں؟	۱۴۲
۴	انگریزی سینٹ کا، زنگ پھیرے میز کا اور اس پر قرآن شریف بغیر جزدان رکھنے کا اور نجس الماری کو رنگوانے کا حکم	۱۴۲
۵	چودہ ہاتھ لمبا سوا سات ہاتھ چوڑا حوض جس میں وضو کا پانی گرتا ہے۔	۱۴۳
۶	جانوروں کی بیٹ	۱۴۶
۷	چھپکلی اگر کنوئیں میں گر کر پھول پھٹ جائے؟	۱۴۶
۸	چھپکلی کے کنوئیں میں گرنے کا اور کبوتر اور طوطے کی بیٹ گرنے کا حکم	۱۴۷
۹	کنوئیں میں جانور کے پھولنے کی شرعی حد کیا ہے؟ اور کل پانی نکالنے کا کیا مطلب ہے؟	۱۴۷
۱۰	تانبے، چینی اور شیشے کے نجس برتن کیسے پاک ہو سکتے ہیں؟	۱۴۸
	کتاب الصلوٰۃ	
۱	مسجد کے بارے میں ۲۷ استفسارات	۱۵۰
۲ (الف)	مسجد سے متصل آراضی جس پر عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے مسجد کہلائے گی؟	۱۵۴
(ب)	نماز فجر کے بعد قبل طلوع آفتاب فجر کی سنتیں پڑھنے کا حکم	
۳	جماعت میں داخل ہونے کے لئے نمازی	۱۵۵

Marfat.com

نمبر شمار		صفحہ
	کے آگے سے گزرنا کیسا ہے؟	
۴	مسجد کی چھت پر جماعت قائم کرنے اور چھت پر جانے کے لیے زینہ بنانے کا کیا حکم ہے؟	۱۵۵
۵	بانی مسجد کا نام در مسجد پر کندہ کرنا	۱۵۶
۶	دو نمازیوں کی جماعت میں ایک نابالغ ہے وہ کہاں کھڑا ہو؟	۱۵۶
۷	امام نے پہلے سلام کا صرف "السلام" کہا تھا کہ ایک شخص جماعت میں شریک ہو گیا؟	۱۵۷
۸	ایک نابالغ جماعت میں کہاں کھڑا ہو؟	۱۵۷
۹	امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا کیسا ہے؟	۱۵۸
۱۰	جھوٹ بولنے اور جھوٹی گواہی دینے والے کی امامت کا حکم	۱۶۰
۱۱	فاسق کو امام بنانے کا حکم	۱۶۱
۱۲	مسجد کی امامت کا دوسرا مسئلہ	۱۶۱
۱۳	لاؤڈ اسپیکر کو اذان نماز خطبہ اور تکبیرات میں استعمال کرنے کا حکم	۱۶۲
۱۴	عیدین میں اذان اور اقامت کا حکم	۱۶۳
۱۵	اقامت کے بعد صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم	۱۶۴
۱۶	تثویب کسے کہتے ہیں	۱۶۶
۱۷	جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونا چاہیے یا باہر (۲) جماعت والے کس وقت صف باندھیں	۱۶۶
۱۸	جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں دوسرا استفسار	۱۶۷
۱۹	خطیب کے سامنے جمعہ کی اذان کا سامعین جواب دیں؟	۱۶۹
۲۰	خطابت کا عہدہ اور امامت جمعہ	۱۷۰
۲۱	غیر عربی میں خطبۂ جمعہ کے بارے میں استفسارات	۱۷۱،۱۷۲ ۱۷۳

نمبر شمار		صفحہ
۲۲	بعد نماز جمعہ کتنی سنتیں پڑھی جائیں؟	۱۷۴
۲۳	خطبۂ جمعہ و عیدین کے واجبات و مستحبات کیا کیا ہیں؟ اگر جمعہ اور عیدین کا خطبہ نہ پڑھا جائے؟ نیز خطبے میں اردو اشعار پڑھنا کیسا ہے؟	۱۷۴
۲۴	کیا ادائے جمعہ کے لیے اذن سلطانی شرط ہے؟	۱۷۵
۲۵	مصر شرعی کسے کہتے ہیں؟	۱۷۵
۲۶	کیا ہندستان دار الحرب ہے اور یہاں جمعہ فرض نہیں ہے؟	۱۷۵
۲۷	قریے میں نماز جمعہ کا حکم	۱۷۶
۲۸	غیر قادر علی القرأۃ کی امامت کے دوران قادر علی القرأۃ آکر جماعت کی نماز پڑھا سکتا ہے؟ (۲) الحمزۃ والعباس خطبے میں پڑھنا کیسا ہے؟	۱۷۶
۲۹	بسم اللہ کسی سورت کا جز ہے یا نہیں؟ اور پورا قرآن شریف پڑھنے والا بسم اللہ کس جگہ زور سے پڑھ سکتا ہے؟	۱۷۷
۳۰	دعا میں ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟ اور کس طرح اٹھائے جائیں؟	۱۷۸
۳۱	رکوع کے بعد اور سجدوں کے درمیان دعا کا پڑھنا	۱۷۹
۳۲	عمامہ باندھنا امام کا، مقتدیوں کا عمامہ باندھنا، عمامے سے کان کا بند ہو جانا اور اگر دوسرے امام نے تعوذ اور تسمیہ کہا	۱۷۹
۳۳	ظہر و عصر، مغرب و عشا کے درمیان کوئی وقت مہمل ہوتا ہے؟ چاروں نماز کے اوقات کیا ہیں؟	۱۸۰
۳۴	اگر کوئی نمازی اپنا دھیان مسجد نبوی کی طرف رکھے؟	۱۸۳
۳۵	مسجد میں دوسری جماعت کے وقت تکبیر کہنا؟	۱۸۳

Marfat.com

نمبر شمار		صفحہ
۳۶	جماعت میں بعد کو شریک ہونے : الا تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد رکوع میں جانے کے لئے پھر تکبیر کہے؟	۱۸۳
۳۷	فجر اور عشا کی قضا نماز میں قرأت زور سے کی جائے؟	۱۸۴
۳۸	بھولے سے ایک شخص نے پہلی رکعت میں واللیل دوسری میں والشمس پڑھی	۱۸۴
۳۹	فرض کے بعد سنتیں پڑھنا اور اس کے بعد امام کا نمازیوں کے ساتھ دعا مانگنا کیسا ہے؟	۱۸۵
۴۰	اگر نمازی کے سامنے قبر ہو؟	۱۸۷
۴۱	نماز میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم امام اور مقتدیوں نے زور سے پڑھا؟	۱۸۸
۴۲	نماز میں کوئی سنت اگر چھوٹ جائے؟	۱۸۸
۴۳	نمازی کے پس پشت اگر قبر ہو؟	۱۸۸
۴۴	اگر نمازی کے پس پشت تصویر آویزاں ہو؟	۱۸۸
۴۵	اس مکان میں جہاں تصویریں آویزاں ہوں نماز پڑھنے کا حکم	۱۸۹
۴۶	نماز میں قرأت منکوسہ کے بارے میں استفسار۔	۱۸۹
۴۷	وتر میں کونسی سورتیں مسنون ہیں؟	۱۹۰
۴۸	نماز جنازہ پہلے پڑھیں یا نماز عید کے بعد یا نماز عید اور خطبہ عید کے درمیان (ب) نماز جمعہ و خطبہ جمعہ و نماز جنازہ میں کیا ترتیب ہو؟	۱۹۱
۴۹	عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے؟	۱۹۱
۵۰	غیر مسلم یا مسلمہ عورت کے بطن سے پیدا ہونے والے ناجائز بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے؟	۱۹۱

نمبر شمار		صفحہ
۵۱	جنازہ دیکھ کر کیا نماز جنازہ واجب ہو جاتی ہے؟	۱۹۲
۵۲	میت کے بعض اجزاء دستیاب ہوں تو غسل اور نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟	۱۹۲
۵۳	اگر میت ڈوب جائے تو برآمدگی کے بعد غسل میت کا حکم	۱۹۲
۵۴	اتباع جنازہ کا کیا حکم ہے؟	۱۹۳
۵۵	جنازے کے ساتھ چلنے کا طریقہ	۱۹۳
۵۶	زیارت قبور کس دن کرنا چاہیے	۱۹۳
۵۷	میت کو تابوت میں دفن کرنا	۱۹۳
۵۸	ایک قبر میں کئی مردے دفن کرنا	۱۹۳
۵۹	قرآن خوانی کا نیز فاتحے کے کھانے کو دعوت کے طور پر کھلانے کا ثواب میت کو بخشا جاسکتا ہے؟	۱۹۳
۶۰	کفنانے کے بعد میت کا چہرہ کھولنا	۱۹۵
۶۱	بعد جماعت امام کس رخ ہو کر دعا مانگے؟	۱۹۶
۶۲	بعد نماز فجر قبل طلوع آفتاب سونا	۱۹۶
۶۳	مقتدی صف کس وقت قائم کریں	۱۹۷
۶۴	(۱) جماعت کے بعد ذکر جہری (۲) اقامت کے وقت امام کا بیٹھ جانا کھڑا ہونا اور (۳) لنگوٹ پر تہبند باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟	۱۹۹
۶۵	تراویح میں سورت سے پہلے زور سے بسم اللہ پڑھنا	۲۰۰

کتاب الصوم

نمبر شمار		صفحہ
۱	ریڈیو کی خبر سے رویت ہلال کا حکم اور اس کے متعلق دوسرے استفسارات۔	۲۰۲
۲	رویت ہلال سے متعلق دوسرا استفسار	۲۰۷
۳	ریڈیو سے رویت ہلال کے ثبوت سے متعلق ایک اور استفسار	۲۱۲

نمبر شمار		صفحہ
۴	ٹیلی فون سے رویت ہلال کے ثبوت کے بارے میں استفسار	۲۱۶
۵	ریڈیو، تار، فون اور وائرلیس سے رویت ہلال کے ثبوت کے بارے میں استفسار	۲۱۷
۶	اختلاف مطالع کے بارے میں	۲۱۸
۷	رویت ہلال کی شہادت جہاں اسلامی حکومت نہ ہو کون لے؟ حساب دانوں کے طریقوں سے ثبوت رویت ہلال ہو سکتا ہے؟ فون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبریں ملنا اور انھیں ریڈیو سے نشر کرانا کیسا ہے؟	۲۲۱
۸	رویت ہلال کے ثبوت کے سلسلے میں مولانا محمد منظور نعمانی سے مراسلت	۲۲۵
۹	"صاع" انگریزی پیمانے کے حساب سے کتنا ہوتا ہے۔ ایک سال کی نمازوں اور ایک مہینے کے روزوں کا فدیہ کیا دیا جائے۔	۲۳۲
۱۰	انجکشن مفسد صوم ہے؟	۲۳۳

کتاب الزکوٰۃ

نمبر شمار		صفحہ
۱	مال تجارت کی زکوٰۃ اصل و نفع دونوں پر دینا ہوگی یا صرف اصل پر	۲۳۶
۲	اناج، پھل اور ترکاریوں کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے (۲) بھوسہ چارہ اور گھاس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟ (۳) لگان دینے والے کو پیداوار پر زکوٰۃ دینا ہوگی؟	۲۳۷
۳ (۱)	زر قرض کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟	
(۲)	قرض خواہ ادا کرے یا قرض دار؟	۲۳۹
(۳)	رائج روپوں کا نصاب زکوٰۃ کیا ہے؟	
۴	زکوٰۃ کی مد کا علاوہ رکھا ہوا روپیہ اگر سال بھر رکھا رہے تو کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی؟	۲۴۲
۵	سود روپے کی زکوٰۃ کیا ہوگی؟ کیا رمضان شریف میں زکوٰۃ دینا چاہیے۔	۲۴۳
۶	مسلمانوں کی امداد سے بیت المال قائم کر کے اس میں زکوٰۃ جمع کرنا اور حکومت کی نگرانی میں اس کو مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرنا کیسا ہے	۲۴۴
۷	سونے اور چاندی کا نصاب زکوٰۃ کیا ہے اور علمائے فرنگی محل و علمائے دیوبند دونوں کے الگ الگ نصاب جو بتاتے ہیں تو اس کی وجہ کیا ہو	۲۴۶

کتاب الحج

نمبر شمار		صفحہ
۱	حج اکبر کسے کہتے ہیں؟	۲۵۲
۲	عورت کا بے محرم سفر کرنا	۲۵۲
۳	عورت کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ وہ بے محرم ہونے کی وجہ سے حج کو نہ جا سکی۔	۲۵۳
(ب)	کسی ملکی باشندے سے حج کرانا حج بدل کا قائم مقام ہے؟	۲۵۴

کتاب الوقف

نمبر شمار		صفحہ
۱	ویران مساجد کا سامان آباد مسجدوں میں یا فروخت کر کے مساجد سے متعلق امور میں مستعمل ہو سکتا ہے؟	۲۵۴
۲	مسجد کی فاضل آمدنی سے مدرسہ اسلامیہ کی اعانت	۲۵۵
۳	متولی قرض لے کر مسجد کی مرمت کراتا ہے تو کیا وہ وقف مسجد سے قرض واپس لے سکتا ہو	۲۵۵

Marfat.com

نمبر شمار		صفحہ
۴	ویران مسجد کا سامان کیا ہو؟	۲۵۵
۵	متولی کا تقرر ڈسٹرکٹ جج کر سکتا ہے؟	۲۵۶
۶	تعمیر مسجد سے بچا ہوا سامان کیا ہو؟	۲۵۷
۷	وقف کے روپے سے مسجد پر کتبہ لگانا	۲۵۷
۸	تعمیر مسجد سے فاضل سامان کیا ہو؟	۲۵۷
۹	مسجد کا ملبہ کیا ہو	۲۵۸
۱۰	قبرستان کی زمین پر مکان بنانا	۲۵۸
۱۱	آراضی وقف کے کاشتکاروں نے لگان نہیں دیا اور عدالت کا فیصلہ بھی زیادہ موافق نہیں ہوا	۲۵۹
۱۲	متولی کا بنایا ہوا متولی؟	۲۵۹
۱۳	متولی وقف کی معزولی اگر حاکم وقت کرے؟	۲۶۰
۱۴	حاکم وقت کا متولی کے ساتھ	۲۶۰

نمبر شمار		صفحہ
	رکھنا یا متولی کو معزول کر دینا	
۱۵	ایک شخص کے کئے ہوئے دو وقفوں میں سے ایک کی آمدنی دوسرے پر صرف کی جائے؟	۲۶۱
۱۶	شرط الواقف کنص الشارع کا مطلب کیا ہے اور خلاف شرع شرط وقف پر عمل کیا جائے۔	۲۶۱
۱۷	قبرستان میں جوتا پہن کر جانا	
۱۸	پرانے قبرستان میں مسجد بنانا، ویران مسجد میں قبرستان بنانا،	۲۶۲
۱۹	عیدگاہ کی توسیع کے لئے قبرستان کی	۲۶۳
۲۰	تفویض عام کے متولی کا قائم مقام نامزد کرنا یا وصیت کرنا کیسا ہے —	
۲۱	قبرستان کی سبز گھاس کاٹنا۔ اور قبرستان میں بکریاں چرانا کیسا ہے	۲۶۴

Marfat.com

کتاب العلم

مسئلہ۔ محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور اس کے لیے دن، تاریخ اور مہینہ مقرر کرنا لیسا ہے، اور مجالس سیرت اور مجالسِ وعظ میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔

اگر کسی اشتہار میں مجلسِ سیرت کا اعلان کیا جائے اور اس میں سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بالکل تھوڑی سی بیان کی جائے اور وعظ ونصائح حالاتِ حاضرہ پر زائد ہوں تو اس محفل کو سیرت کی محفل کہیں گے یا نہیں۔

جواب۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب وفضائل اور آپ کی سیرتِ پاک بیان کرنا جائز اور مستحب ہے۔ اور ان مجالس میں شریک ہونے والے بھی مسعود وماجور ہوتے ہیں۔ اور ایسی مجلسوں کے لیے وقت مقرر کرنا بھی خیر القرون میں ثابت ہے۔ بخاری میں ہے۔ عن[۲] ابی وائل قال کان عبد اللہ رضی اللہ عنہ یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا ابا عبد الرحمٰن لوددت انک ذکرتنا کل یوم قال اما انہ یمنعنی من ذالک انی اکرہ ان امِلّکم الحدیث۔ اور اسی کتاب میں ہے۔ عن[۳] ابن مسعود قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بالموعظۃ فی الایام کراھیۃ السآمۃ علینا۔

پس صورتِ مسئولہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب اور آپ کی سیرت پاک (جو کتبِ حدیث کا ایک حصہ ہے) بیان کرنا اور اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا مستحب اور باعثِ اجر ہے اور ان محفلوں کے لیے وقت معین کرنا بھی جائز ہے، خواہ وہ ربیع الاول ہی کا مہینہ کیوں نہ ہو،

[۱] کتاب العلم میں اعمال اخلاق وعقائد سے متعلق مسائل کا بیان ہے۔

[۲] بخاری میں ابو وائلؓ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے وعظ کہتے تھے ایک شخص نے ابن مسعودؓ سے کہا اے ابو عبد الرحمٰن! میرا جی چاہتا ہے کہ آپ روزانہ وعظ کہیں ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ "دیکھو! روزانہ وعظ سے مجھے جو چیز روکتی ہے وہ یہ ہے کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تم لوگ روزانہ کے وعظ سے دل بردشتہ ہو جاؤ گے۔"

[۳] ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصیحت کرنے میں خیال رکھا کرتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔

Marfat.com

اور یہی حکم مجالسِ وعظ کا ہے۔ مجلسِ سیرت النبی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان کرنا اصل ہوتا ہے، اور وعظ و نصائح ضمنی ہوتے ہیں۔ اور مجلسِ وعظ میں وعظ و نصائح اصل ہوتے ہیں اور سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ضمنی ہوا کرتا ہے۔ پس مجلسِ سیرت کو مجلسِ وعظ سے اور مجلسِ وعظ کو مجلسِ سیرت سے تعبیر کرنا عرف کے خلاف ہے اور مقاصد کا بدل دینا ہے۔

والامور بمقاصدھا۔ (اور امور اپنی مقاصد کے ساتھ ہیں)

مسئلہ۔ بھوت پریت کی کوئی اصل ہے یا نہیں۔

جواب۔ جو انسان اجنّہ کی ایسی حرکتیں اختیار کرلے اس کو بھوت پریت کہتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔ "آں افرادِ انسان راکہ کارِ جنیاں می کنند در عرب خبیث می گویند و ہندی بھوت پریت می نامند بے آنکہ تغیرے در حقیقت آنہا واقع شود۔"

اور کفار اور بدترین گناہ کرنے والے مسلمان کی ارواح خبیثہ کا ان کے مرنے کے بعد اجنّہ کی طرح لوگوں کو تکلیف پہونچانا محققین علماء کے نزدیک ثابت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان ارواحِ خبیثہ میں سے جس کی روح کی تعذیب کے لیے یہ طریقہ اختیار فرماتا ہے کہ اس کی روح سے اجنّہ کے ایسے حرکات سرزد ہوں تو اس کی روح سے وہی حرکات صادر ہونے لگتے ہیں جو اجنّہ کیا کرتے ہیں۔ جیسے شیخ سدّو کی روح کہ وہ بنی نوعِ انسان کو اسی طرح تکلیف پہونچاتی اور گمراہ کرتی ہے جس طرح جنّات انسان کو تکلیف پہونچاتے اور گمراہ کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنے بعض مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"انسان ہم بعد موت ایں کار می کند یا نہ، دریں مسئلہ علمائے اہلسنت را اختلاف است اکثر محققین تجویزِ آں کردہ اند و بعضے بامتناع آں رفتہ، دلیلِ منکراں آنست کہ اگر انسان نیز ایں کار کند باید کہ حقیقت او مقلوب بحقیقت جن گردد و انقلابِ حقائق محال است۔ و نیز اگر انسان صالح است پس ایں نوع ظلم و ایذا چہ قسم از وے بوقوع می آید کہ خلاف اصلاح است و اگر فاسق است یا

لہ ان انسانوں کو جو اجنّہ کے ایسے کام کرتے ہیں عرب لوگ خبیث کہتے ہیں اور ہندی میں انھیں کا نام بھوت پریت ہے۔ بھوت پریت کے نام سے جو لوگ موسوم ہوتے ہیں ان کی ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

ملخصًا اس بارے میں کہ انسان بھی مرنے کے بعد ایسے کام کرسکتا ہے یا نہیں علمائے اہلسنت میں اختلاف ہے۔ اکثر محققین اسے ممکن قرار دیتے ہیں اور بعضے اس بات کے ممنوع ہونے کی طرف گئے ہیں۔ آخر الذکر حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اگر انسان بھی اجنّہ کے کام کرے گا تو اس کی ماہیت کو اجنّہ کی ماہیت سے بدل جانا چاہیے۔ اور ماہیت کا بدلنا محال ہے علاوہ اس کے اگر مرنے والا انسان نیک تھا تو اس قسم کی ایذا اور ایذا رسانی کے کام

Marfat.com

کافر پس او از دست موکلان عذاب چہ گونہ خلاص شدہ فرصت ایں عمل می یابد تا بہ ایں مجوزین
دریں باب دو گروہ شدہ اند۔ جماعت می گوید کہ ایں از باب انقلاب نیست بلکہ نوعی است از
مسخ اخروی کہ اصل آں در آخرت و مابعد الموت از روئے احادیث بسیار ثابت است و در
جامع صغیر سیوطی از کتب متعددہ در تتمۂ حدیث معراج منامی آنحضرت نقل کردہ کہ دائیت عبد
جللہ اخوسۃ الشیاطین عند الموت فجاؤہ لغسلہ من الجنابۃ فنزعتہ من ایدیھم
او کما قال و ازیں حدیث بوئی ازیں عالم بمشام می رسد و چوں ایں معاملہ از باب مسخ اخروی شد
پس خلاص از عذاب فاسق را چرا لازم آید بلکہ ایں ہم نوعی است از عذاب کہ دو آں گرفتار است
مسلک علمائے حنفیہ ماتریدیہ ہمیں است

لامعین در شرح برزخ کہ از معتمداں علماء ماوراء النہر است میگوید۔

الانسان قد یصیر جثا فی عالم برزخ بالمسخ وھذا التعذیب وغضب من اللہ
تعالی علی من شاء کمن کان یمسخ فی الامم السابقۃ والقرون الماضیۃ قردۃ
وخنازیر الا انہ رفع ھذا العذاب عن ھذہ الامۃ المرحومۃ فی عالم الشہادۃ ببرکۃ
النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا ما ھو من علامات الساعۃ الکبری فقد ورد
فی الاحادیث الصحیحۃ ان یکون فی ھذہ الامۃ مسخ وخسف وقذف عند دنیا منہ
ذلک مسخ الانسان فی البرزخ یکون غالباً فی الکفار والمومنین الظالمین المؤذیین
والخائنین والمغلبین سیما اذا ماتوا وقتلوا علی جنایۃ کالمرتدین غیر تائبین
فلیس کل من کان کذلک یکون ممسوخا بل من شاء اللہ مسخہ وعذبہ۔ والمسخ
لا یکون فی الصلحاء والاولیاء اصلا وان ماتوا علی جنایۃ ویکون المسخ فی
القیامۃ کثیرا کما ورد ان کلب اصحاب الکہف یجعل بلعما والبلعم یجعل کلبا ویدخل
ذلک فی الجنۃ ویلقی ھذا فی النار ومن ھذا القبیل جعل راس من رفع او
وضع راسہ فی الصلوٰۃ قبل الامام راس حمار فھو مسخ اخذ الرشوۃ وواضع

کیسے اس بیہودہ
ہو سکیں گے اس لیے کہ
یہ اس کی اچھائی کی ضد
ہے۔ اور اگر فاسق یا
کافر تھا یہ مرنے والا
آدمی تو وہ عذاب دینے
والے فرشتوں سے
کیسے چھٹکارا پا کر اس
قسم کے کام کرنے کا
اسی بنا پر وہ علماء
جو اس کے حکم مٹنے
کے قائل ہیں اس سلسلے
میں دو خیال کے ہو گئے
ہیں۔ ایک گروہ کا یہ
کہنا ہو کہ یہ تبدیل ذات
کا معاملہ نہیں [illegible]
مسخ اخروی کی [illegible]
[illegible]
معراج کی حدیث کے
تتمہ میں متعدد کتابوں
سے [illegible] نقل
[illegible]
من جللہ اخوسۃ
الشیاطین عند
الموت [illegible]
[illegible]

الاحادیث وامثال ذلک کثیرا انتہی

وجماعت دیگر می گوید کہ ایں نہ از باب مسخ است بلکہ نوعی است از مشابہت در افعال و حرکات کہ اصناف مختلفہ را باہم بہم می رسد بمنزلہ آنکہ در دورۂ دہلی جماعت از ہندیاں دستارچہ بستہ و زلفین را آویختہ چند لفظ پشتو آموختہ خود را دہیلہ وضع کردند و مانند آنہا خشونت در معاملات و ضرب و شلاق بے موجب بعمل می آوردند کن اھذا و بحکم من تشبہ بقوم فھو منھم آں افراد انسان را کہ کار جنیاں می کنند در عرب خبیث می گویند و ہندی بھوت می نامند بے آنکہ تغیرے در حقیقت آنہا واقع شود ہمیں دست کہ اکثر علمائے عراق و عرب ایں را مسلک مختار گفتہ اند وھو الاقوی والاصح نظرا الی الدلیل

مسئلہ ۔ بعض مجنون دیاگل یہ چلاتے پھرتے ہیں کہ ہمارے سر پہ فلاں ولی یا فلاں شہید آئے۔ تو کیا ولی و شہید بھی اس طرح کا تصرف کر سکتے ہیں۔

جواب ۔ کسی ولی یا شہید کی روح کا کسی انسان میں داخل ہو کہ تصرف کرنا ثابت و متحقق نہیں۔

مسئلہ ۔ سید الطائفہ حضرت شاہ بہاؤ الدین نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز کا سلسلہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے پہونچتا ہے یا دوسرے صحابہ سے بھی۔

کیا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت و خلافت کا طریقہ بھی یہی تھا جو اس زمانہ میں حضرات صوفیہ میں رائج ہے۔ چونکہ صوفیائے کرام کے سلاسل اکثر و بیشتر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتے ہیں اس لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفۂ بلا فصل کہنا درست ہوگا یا نہیں۔

جواب ۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ عظام کے

فنزعتہ من ایدیھم ادکما قال اس حدیث سے کچھ کیفیت اس صورت حال کی معلوم ہوتی ہو تو جب یہ عالم مسخ اخروی ہوا تو فاسق کے عذاب سے نجات پانے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ بھی از قسم عذاب ہو کہ جس میں وہ گرفتار ہو۔ علمائے حنفیہ ماتریدیہ کا یہی مسلک ہو اور الاصمعین جو دار المہر کے ان علماء میں ہیں کہ جن پر اعتماد کیا جاتا ہو شرح برزخ میں لکھتے ہیں کہ انسان عالم برزخ میں مسخ کے ذریعہ جن ہو جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا غضب و عذاب ہو جس پر چاہتا ہو کرتا ہو۔ جیسے پرانے زمانے میں دوسری قوموں کے افراد کو بندر اور سور کی صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسخ کیا ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے امت مرحومہ

اخذ بیعت وخرقہ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔ صحب[له] معروف الکرخی شیوخا کثیرة اجلهم اثنان احدهما الامام علی بن موسی الرضا وثانیهما داؤد الطائی صحب حبیب العجمی صحب الحسن البصری صحب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منهم انس خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحافظ سننه۔

اور دوسری جگہ اس سلسلہ کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ الشیخ[له] ابو علی الفارمدی اخذ ایضاً عن خواجه ابی الحسن الخرقانی عن الشیخ ابی یزید البسطامی والشیخ ابو یزید البسطامی عن سیدنا الامام جعفر صادق والامام اخذ من جهتین الاولی جهة ابائه والثانیة انه اخذ الطریقة عن ابی امه القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه والقاسم اخذها عن سلمان الفارسی عن سیدنا ابی بکر الصدیق عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی سلسلہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ وسلمان[له] مع تشرفه لصحبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ الطریقة عن الصدیق رضی اللہ عنه وهو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سلسلۂ نقشبندیہ حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ وقدس اللہ اسرارہ کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطہ سے پہونچتا ہے۔ ان میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی اور حضرت انس رضی اللہ عنہما اور مولا علی کرم اللہ وجہہ معروف ومشہور ہیں۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارتباط سلسلہ کا طریقہ اس طریقہ پر نہ تھا جو فی زمانا حضرات صوفیائے کرام میں رائج ہے کہ شیخ اپنے مرید کو خاص طریقے سے بیعت میں داخل کرتا ہے اور جب اس کو اپنی طرف سے اخذ بیعت کا اہل سمجھتا ہے تو مرید کو بیعت لینے کی اجازت دیتا ہے اور اپنا خرقہ اس کو

له (صفحہ (۷) پہ)

ے عالم شہادت میں یہ عذاب اٹھا لیا گیا ہے سوائے اُن مخصوص صورتوں کے جو قیامت کی علامتوں میں سے ہیں۔ احادیث میں آیا ہو کہ قیامت کے قریب مسلمانوں میں بھی مسخ خسف اور قذف ہوگا اور عالم برزخ میں جو مسخ ہوگا وہ عام طور پر کفار کا ہوگا اور ظلم کرنے والے ایذا رساں، بدکار اور اغلام کے مرض میں مبتلا مسلمانوں کا بھی ہوگا خصوصاً جبکہ وہ [illegible] حالت میں مرے یا قتل ہوئے ہوں۔ اس طرح وہ مرتد جن کو [illegible] کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ یہ نہیں کہ وہ سب کے سب مسخ کر دیے جائیں گے بلکہ وہ ہی ہوں گے جو مسخ کا [illegible] اعضاب دنیا [illegible] جائیں گے [illegible] اور اولیاء اللہ میں کسی کا مسخ قطعی نہیں ہوگا خواہ وہ حالت جنابت میں فوت ہوئے ہوں۔ اور قیامت میں بہت زیادہ مسخ ہوگا

پہنتا ہے یا اپنا مصلیٰ یا تسبیح وغیرہ عنایت فرماتا ہے، بلکہ ان کے ارتباط کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے اور آپ کی تعلیم ظاہری و باطنی سے بہرہ اندوز ہوتے تھے اور تخلّق باخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شعار سمجھتے تھے جس کی وجہ سے ان کے قلوب میں اللہ کا ڈر غالب رہتا تھا، اوامر کے بجالانے میں دل سے کوشش کرتے تھے، نواہی سے پرہیز کرتے رہتے تھے اور یہی اصل ہے اس بیعت کی جو فی زماننا صوفیائے کرام میں رائج ہے۔ پس صحبت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے خشیت الٰہی اور تقویٰ کا نمونہ بن جانے والے صحابہ حضرات صوفیہ کے نزدیک سلسلۂ رشد و ہدایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے اور ان حضرات کی صحبت سے جن لوگوں کے قلوب خشیت الٰہی سے معمور ہو گئے وہ سلسلۂ رشد و ہدایت میں حضرات صحابہ کے خلیفہ بنے اسی طرح رشد و ہدایت و تہذیب نفس کی خلافت سلسلہ بسلسلہ اس زمانے کے صوفیائے کرام تک پہونچی ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے رسالہ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

باید دانست[ف۵] کہ یکے از نعم خدائے تعالیٰ برامت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات آنست کہ تا امروز سلسلہائے ایشاں تا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و ثابت است اگرچہ اوائل امت را با اواخر امت در بعض امور اختلاف بودہ باشد پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بصحبت و تعلیم و تادیب بآداب و تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت و ارتباط سلسلہ بہمہ ایں امور متحقق است و اختلاف صور ارتباط ضرر نمی کند

بنائے علیہ صحبت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے جن اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب منور ہو گئے تھے اور ان میں اللہ کا خوف سما گیا تھا، وہ سب حضرات صوفیائے کرام کے مسلک پر رشد و ہدایت میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ بلا فصل تھے خواہ وہ مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ ووجوہ الاکرام ہوں یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت سلمان فارسی یا حضرت انس رضی اللہ عنہما ہوں یا ان کے علاوہ دوسرے صحابہ

ف۵ صفحہ (۹) پر

جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا بلعم کی شکل میں کر دیا جائے گا اور بلعم کتے کی شکل میں وہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور یہ دوزخ میں اور اسی طرح کی وہ حدیث ہے جس میں کہا گیا ہو کہ امام سے پہلے نماز میں جو سر اٹھائے یا سر رکھے گا اس کا منھ گدھے کا کا ایسا ہو جائے گا اور رشوت لینے والا اور حدیثیں گڑھنے والا اور اسی قسم کے مرتکبین کے مسخ میں بہت سی حدیثیں ہیں۔

حاشیہ
صفحۂ ۴

ف۱ اور دوسرے گروہ کا کہنا ہو کہ یہ مسخ ہو ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے افعال و حرکات و سکنات میں مشابہت کی ایک قسم ہو اسی طرح جیسے روہیلوں کے دور دورے کے زمانے میں بعض ہندوستانیوں نے ڈاڑھی پگڑی باندھ کر اور زلفیں لٹکا کر ان کی وضع کے ڈاٹے بھوٹے الفاظ بکھ

Marfat.com

ام ہوں۔ یہ امر آخر ہے کہ اکثر سلاسل کی انتہا حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ پر ہوتی ہے۔

پس کسی شخص کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سلسلہ رشد وہدایت کے اعتبار سے آنحضرت لی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بلا فصل کہنا اگرچہ صحیح ہو لیکن یہ کوئی امتیازی چیز حضرت مولا علی رم اللہ وجہہ کے لیے نہیں ہو بلکہ دوسرے اصحاب میں بھی پائی جاتی ہے۔

سئلہ :۔ غنیمت اور فئی کسے کہتے ہیں۔ سلف، خلف اور متاخرین کا اطلاق کن پر وتا ہے۔

جواب :۔ غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے قتال کر کے حاصل کیا جائے۔ اور فئی وہ ل ہے جو کفار سے بلا قتال کیے حاصل کیا جائے، جیسے خراج اور جزیہ۔ (فتح القدیر)

سلف کا اطلاق فقہا کے نزدیک امام ابو حنیفہ سے لے کر امام محمد تک علماء پر ہوتا ہے۔ اور خلف کا اطلاق امام محمد سے لے کر شمس الائمہ حلوائی تک ہوتا ہے۔ اور متاخرین کا اطلاق شمس الائمہ حلوائی سے لے کر حافظ الدین بخاری تک علماء پر ہوتا ہے۔ (ہذا ذکرہ صاحب تکملات الحنفیہ فی الحاشیہ)

سئلہ :۔ مدارات و مداہنت میں کیا فرق ہے۔

جواب :۔ مرقات میں ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔ [۵] والفرق بین المداھنۃ المنھیۃ والمداراۃ المامورۃ ان المداھنۃ فی الشریعۃ ان یری منکراً و یقدر علی دفعہ ولم یدفعہ حفظا لجانب مرتکبہ او جانب غیرہ لخوف او طمع او لاستحیاء منہ او قلۃ مبالاۃ فی الدین والمداراۃ موافقۃ مبترک حظ نفسہ وحق یتعلق بمالہ وعرضہ فیسکت عنہ دفعاً للشر ووقوع الضرر۔

پس اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے پاس اور لحاظ اور اُس کی مروت سے اس کو قانون الٰہی نہیں بتاتا ہے تو ایسا شخص مداھن فی المذہب کہلاتا ہے اور ایسا کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ اور اگر قانون الٰہی کو اس وجہ سے چھپاتا ہے کہ اس کے بتانے سے کوئی فائدہ ... نہ ہوگا بلکہ بجائے فائدہ کے فتنہ وفساد بڑھ جانے کا اندیشہ اور ظن غالب ہے تو اس میں

---

[۵] صفحہ (۱۰) پر

کر اپنے کو رد حیلہ بنالیا تھا اور انکیس کی طرح معاملات میں سخت گیری اور بے وجہ مار دھاڑ کرتے تھے یہ بھی اسی طرح ہے اور من تشبہ بقوم فھو منھم کے حکم میں ہے۔ اس انسان کو جو اجنہ کا سا کام کرے عرب لوگ خبیث کہتے ہیں اور ہندی میں ان کا نام بھوت پریت ہے بھوت پریت کے نام سے جو لوگ موسوم ہوتے ہیں ان کی ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے یہی سبب ہے کہ عراق اور عرب کے اکثر علماء نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے اور دلائل کی رو سے یہی مسلک زیادہ صحیح اور قوی ہے۔

حاشیہ صفحہ ۵

[۱] معروف کرخی نے بہت سے شیوخ کی صحبت اٹھائی جن میں قابل القدر شیخ دو ہیں ایک امام علی بن موسیٰ رضا دوسرے داؤد طائی ہیں انھوں نے حبیب عجمی اور انھوں نے حسن بصری کی ادا ...

کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ عالم مثال کے قائل ہیں۔ اس کا ثبوت کتب حدیث سے پایا جاتا ہے یا نہیں۔

جواب: جن احادیث میں اعراض و معانی کا متمثل بصورت ہونا بیان کیا گیا ہے اُن کے متعلق بعض محدثین کی رائے ہے کہ اعراض کی صورت بطریق استعارہ ذکر کی گئی ہے اور بعض محدثین ان کے لیے اسی صورت کو مانتے ہیں جو مخصوص ہے۔ اس لیے کہ محدثین کا مسلک علی العموم یہی ہو کہ تمام نصوص اپنے ظاہر پر محمول کیے جائیں گے، بلا کسی قرینہ کے ظاہر سے عدول نہ کیا جائے گا۔ پس جبکہ ان احادیث میں اعراض و معانی کی صورت بتائی گئی ہو تو ان اعراض کی وہی صورت ہوگی، اگرچہ ہمارے عقول اس کے ادراک سے قاصر ہوں۔ چنانچہ طیبی اس حدیث کی شرح میں جس میں قرآن اور روزہ کی شفاعت کرنے کا ذکر ہو تحریر فرماتے ہیں۔

[1] الشفاعة والقول من الصيام والقرآن اما ان يؤول او يجرى على ما عليه النص وهذا هو المنهج القويم والصراط المستقيم فان العقول البشرية تتلاشى وتضمحل عن ادراك العوالم الالهية ولا سبيل لنا الا الاذعان والقبول ومن اول قال استعيرت الشفاعة والقول للصيام والقرآن لاطفاء غضب الله واعطاء الكرامة ورفع الدرجات والزلفى عند الله۔

اور اسی حدیث میں ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں [2] الصيام اى صيام رمضان والقرآن اى قرأة القرآن يشفعان للعبد وتجسد المعانى والاعمال ويحتمل ببيان الحال۔

اسی طرح جس حدیث میں موت کے متعلق ارشاد عالی ہے کہ وہ بصورت کبش (مینڈھا) لائی جائے گی اور جنت و دوزخ کے درمیان ذبح کی جائے گی۔ اس حدیث کے متعلق محدثین کی مختلف رائیں ہیں۔ ایک گروہ محدثین کا اس حدیث کی صحت سے انکار کرتا ہے

۱؎ (صفحہ ۱۱۱ ، پیرا)

نے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جن میں خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سنتوں کے حافظ انس رض بھی ہیں صحبت اٹھائی ہے۔

۲؎ شیخ ابو علی فارمدیؒ نے خواجہ ابو الحسن خرقانی سے بھی حاصل کیا اور انھوں نے شیخ ابو یزید بسطامی سے اور انھوں نے سیدنا امام جعفر صادق سے امام جعفر صادق نے دو طریقوں سے اخذ بیعت کی، ایک تو اپنے آبائے کرام سے دوسرے انھوں نے طریقت کو لیئے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے اور قاسم بن محمد نے سلمان فارسی رض سے انھوں نے سیدنا ابی بکر صدیق رض سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طریقت کو حاصل کیا۔

۳؎ اور سلمان فارسی رض نے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہونے

Marfat.com

اور کہتا ہے کہ موت من قبیل اعراض ہے اور اعراض کا جسم کو قبول کرنا عقلاً ممتنع ہے۔ اور ایک گروہ اس کی تاویل کرتا ہے کہ اس وقت سے موت نہ آنے کو موت کے ذبح کیے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور موت کو کبش سے اور اس کے یقینی نہ آنے کو ذبح سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور ایک گروہ موت کی حقیقی صورت کبش کی شکل پر مانتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا ذبح بھی حقیقۃً ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی حدیث مذکور کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ قال القاضی[1] ابوبکر بن العربی استشکل هذا الحدیث لکونه یخالف صریح العقل لان الموت عرض والعرض لا ینقلب جسماً فکیف یذبح فانکرت طائفة صحة هذا الحدیث و دفعته وتاولته طائفة فقالوا هذا تمثیل ولا ذبح هناك حقیقة وقالت طائفة بل الذبح علی حقیقته والمذبوح متولی الموت قلت وارتضی هذا بعض المتأخرین وقال المازری الموت عندنا عرض من الاعراض وعند المعتزلة لیس بمعنی وعلی المذهبین لا یصح ان یکون کبشاً ولا جسماً وان المراد بهذا التمثیل والتشبیه وقال القرطبی فی التذکرة الموت معنی والمعانی لا تنقلب جوهراً وانما یخلق الله اشخاصاً من ثواب الاعمال وکذا الموت یخلق الله کبشاً یسمیه الموت ویلقی فی قلوب الفریقین ان هذا الموت یکون ذبحه دلیلاً علی الخلود فی الدارین وقال غیره لا مانع ان ینشئ الله من الاعراض اجساداً یجعلها مادة لها کما ثبت فی صحیح مسلم فی حدیث ان البقرة وآل عمران یجیئان کانهما غمامتان ونحو ذلك۔

پس معلوم ہوا کہ محدثین میں ایک گروہ اس امر کا قائل ہے کہ اعراض و معانی متمثل باجسام متناسبہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے عقول قاصرہ اُن کی صورتوں اور اجسام کا ادراک نہ کر سکیں اسی مسلک پر سیوطی اور امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ عالم مثال کے قائل ہوئے ہیں۔ امام غزالی احیاء العلوم میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث جس میں ثواب و عذاب کا مال ہے[2] لکھ کر تحریر فرماتے ہیں۔ ولا ینبغی ان یتعجب من هذا العدد علی الخصوص فان

---

[1] (صفحہ (۱۲) پر)

کے طریقت کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔

حاشیہ صفحہ ۶

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر خدائے تعالیٰ نے جو نعمتیں فرمائی ہیں ان میں ایک نعمت یہ بھی ہو کہ آج تک مسلمانوں کا سلسلہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح اور ثابت ہو۔ اگرچہ شروع زمانے کے مسلمانوں کے آخر دور کے مسلمانوں کا طریقہ بعض امور میں مختلف ہو گیا ہے۔ پس حضرات صوفیہ کا شروع زمانہ میں بالکل خرقہ بیعت کے بجائے خدمت میں حاضری، علم حاصل کرنے، ادب سیکھنے اور نفس کو شائستہ بنانے کے ذریعہ ہوتا تھا۔ سید الطائفہ جنید بغدادی کے زمانے میں خرقہ کا رواج ہوا (۲) کے اوراق

Marfat.com

اعداد هذه الحيات والعقارب بعدد الاخلاق المذمومة من الكبر والرياء والحسد والغل والحقد وسائر الصفات وتلك الصفات باعيانها هي المهلكات وهي باعيانها تنقلب عقارب وحيات وارباب القلوب والبصائر يشاهدون بنور البصيرة هذه المهلكات فامثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنها عند ارباب البصائر واضحة فمن لم تنكشف له حقائقها فلا ينبغي ان ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان التصديق والتسليم۔

اور علامہ مرتضی شرح احیاء العلوم میں امام غزالی کی کتاب جواہر سے نقل کرتے ہیں۔[۱] فان قلت فهل يتمثل هذا التنين تمثلا يشاهده مشاهدة تضاهي ادراك البصر او هو تألم محض في ذاته كتألم العاشق اذا حيل بينه وبين معشوقه فاقول يتمثل له حتى يشاهده ولكن تمثلا روحانيا لا على وجه يدركه من هو في عالم الشهادة اذا نظر في قلبه فان ذلك من عالم الملكوت نعم العاشق الضائق ينام فيتمثل له حالة في المنام فربما يرى حية تلدغ صميم فؤاده لا يعدّ بالنوم في عالم الشهادة قليلاً فلذلك تمثل له حقائق الاشياء تمثلا للحقيقة منكشفا له من عالم الملكوت والموت ابلغ في الكشف من النوم لانه اقمع لنوازع الحس والخيال وابلغ في تجريد جواهر الروح من غشاوة هذا العالم فلذلك يكون التمثيل تاما محققا دائما لا يزول فانه نوم لا ينتبه منه الى يوم القيمة۔ علامہ سیوطی اپنے رسالہ کتاب المعانی الدقیقہ فی ادراک الحقیقہ میں تحریر فرماتے ہیں[۲] وبعد فهذه مسئلة خفيت عن كثير من الناس حتى اكثروا من استشكالها وابدوا لها تاويلا لما خفي عليهم من حالها ووقع لهم ذلك في موضعين احدهما فيما ورد من الاحاديث ان الاعمال تعرض في صورة الاشخاص من الله والصلوة والصيام والمعروف والمنكر وغير ذلك والثاني فيما ورد ان ال

---

[۱] (صفحہ (۱۵) پر)

کا طریقہ رائج ہوا ان تمام امور سے سلسلہ کا ربط محقق ہو اور ظاہری اختلافات جو نظر آتا ہے وہ اس ربط سلسلہ میں مخل نہیں ہے۔

حاشیہ
صفحہ ۷

[۱] مداہنت جو ممنوع ہے اور مدارات جس کا حکم دیا گیا ہو دونوں میں فرق یہ ہے کہ شرعا مداہنت اسے کہیں گے کہ ایک شخص کسی خلاف شرع امر کو دیکھے اور اس کے دفع کرنے پر قادر ہوتے ہوئے اس امر کے مرتکب کا یا اس کے علاوہ کسی اور کا لحاظ کر کے اسے دفع نہ کرے۔ یہ لحاظ ڈر کی وجہ سے ہو یا لالچ کی وجہ سے ہو یا شرم کی وجہ سے ہو یا دین سے لاپرواہی کی وجہ سے ہو اور مدارات وہ ہے کہ اپنے فائدے یا اپنے مال و آبرو سے متعلق کسی حق کو چھوڑنے

Marfat.com

یجائی بہ فی صورۃ الکبش ویذبح فقالوا الاعمال والموت اعراض والاعراض یستحیل انقلابہا اجساماً واحتاجوا الی تاویل ذلک وکل ھذا ذھول عن دلک الحقیقۃ فاقول التحقیق الشامل لذلک ولغیرہ ان جمیع المعانی المعقولۃ عندنا متصورۃ عند اللہ تعالیٰ لصورۃ الاجسام متشخصۃ لصورۃ الاشخاص وان کنا لانحس ذلک لکونہا محجوبین عنا وقد عد ارباب الحقیقۃ نفعنا اللہ بہم وحشرنا من زمرتہم من وجوہ الکشف الاطلاع علی صور المعانی المعقولۃ فی ہیئۃ الاجسام المشخصۃ وھذا الذی ذکرہ وجدت الاحادیث النبویۃ ناطقۃ بہ وشاھدۃ لہ۔

سیوطی کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ارباب حقیقت یعنی صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس امر کے قائل ہیں کہ اعراض و معانی کے لیے علیحدہ علیحدہ صورتیں اور شکلیں ہوتی ہیں جن کا ادراک عقول قاصرہ کو نہیں ہوتا ہے۔

مولانائے روم کے یہ اشعار اس پر شاہد ہیں ؎

ہر خیالے کاو کند در دل وطن　　روز محشر صورتے خواہد بدن

سیرتے کاندر وجودت غالب است　　ہم برآں تصویر حشرت واجب است

اور حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بھی صورت مثالی اور عالم مثال کے وجود کو بتاتا ہے ؎

در لا احب الآفلین پاکی زصورتہا یقین　　در دیدہائے غیب بیں ہر دم زتو تمثالہا

حضرت پیر مرشد برحق مولانا عبد الباری فرنگی محلی اپنے رسالہ وحدت الوجود میں مراتب وجود بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "مرتبۂ خامسہ کہ مراد از اشیائے موجودہ مرکبہ لطیفہ است کہ قابل تجزی و تبعیض و شگافتگی و پیوستگی نیست و نام ایں عالم مثال است انتہی کلامہ۔

پس صورت مسئولہ میں بعض حدیثوں کے ظواہر سے (محدثین کے اس عام قاعدہ کو دیکھتے ہوئے

ہوئے ہمنوائی کرنا اور فساد کے اور ضرر کے اندیشے سے اپنے حق کے مطالبے پر سکوت اختیار کرنا۔

حاشیہ صفحہ ۸

لہ روزہ اور قرآن کا شفاعت کرنا اور بولنا (حدیثوں میں آیا ہو) تو یا تو اس کی تاویل کی جائے یا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اسی پر محمول کیا جائے۔ دوسرا طریقہ ہی ٹھیک اور ہمارا راستہ ہو اس لیے کہ انسانی عقل الٰہیات کے ادراک سے قاصر اور عاجز ہے اور ہمارے لیے کوئی اور چارہ سوائے یقین کرنے اور مان لینے کے نہیں ہے اور جو لوگ تاویل کرنا پسند کرتے ہیں وہ روزہ اور قرآن کی شفاعت اور بولنے کو غضب خداوندی کو کم کرنے اللہ تعالیٰ کی عطائے کرامت و قربت د

Marfat.com

کہ حدیثیں اپنے ظاہری معنی پر محمول کی جائیں گی، اور محدثین کے ایک گروہ کے اقوال سے عالم مثال کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ :- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج براق پر سوار ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے وعدہ لے لیا ہے کہ روز قیامت جبکہ سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے ہر ایک مسلمان کی قبر پر اسی طرح ایک ایک براق بھیجوں گا جیسا کہ آج آپ کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ یہ مضمون صحیح ہے یا نہیں کیونکہ معارج النبوۃ سے لوگ اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

خاتون جنت بتول زہرا رضی اللہ عنہا کی نسبت یہ بیان کرنا کہ روز محشر وہ برہنہ سر و پا ظاہر ہوں گی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے خون آلود و زہر آلود کپڑے کاندھے پر ڈالے ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک جو جنگ احد میں شہید کر دیا گیا تھا ہاتھ میں لیے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گی اور عرش کا پایہ پکڑ کر خون کے معاوضہ میں امت عاصی کو بخشوائیں گی یا اپنے سر کے بال تراش کر میزان میں رکھ دیں گی، صحیح ہے یا نہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شب معراج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عذاب دکھایا گیا اور ارشاد ہوا کہ اے حبیب ماں باپ کو بخشوا لے یا امت کو، آپ نے ماں باپ کو چھوڑا اور امت اختیار کی، صحیح ہے یا نہیں۔

جواب :- یہ تینوں روایتیں بالکل بلا اصل ہیں اور معاذ اللہ والدین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر کہنا یا یہ کہنا کہ معاذ اللہ وہ دوزخ میں ہیں بہت بڑی بے ادبی ہے اور موجب اذیت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ حموی نے شرح اشباہ میں لکھا ہے۔

مسئلہ :- وعدہ خلافی کرنا کیسا ہے۔

جواب :- وعدہ دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وعدہ بلا کسی شرط کے، جیسے تمہارا قول ہے کہ میں تم کو سو روپیہ دوں گا، دوسرے وعدہ شرط کے ساتھ جیسے تمہارا قول زید سے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے گا تو تم کو سو روپیہ دوں گا، وعدہ کی ان دونوں قسموں میں اگر وعدہ

طبیعی درجات سے استعارہ قرار دیتے ہیں۔

۲ے روزہ یعنی رمضان کے روزے اور قرآن یعنی قرآن کی تلاوت بندے کی شفاعت کریں گے اور معانی اور اعمال مجسم ہو سکتے ہیں اور حال بیان کر سکتے ہیں۔

حاشیہ صفحہ ۹

لے قاضی ابو بکر بن العربی کا کہنا ہے کہ اس حدیث نے ایک مشکل سامنے کر دی ہے اس لیے کہ یہ عقل کے صریحاً خلاف ہے۔ موت ایک عرض ہے اور عرض جسمیت اختیار نہیں کر سکتا تو کیسے موت جو جسم نہیں رکھتی ذبح کی جائے گی اسی بنا پر ایک گروہ نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے اور اسے رد کر دیا ہے دوسرے گروہ نے اس کی تاویل کی ہے اور کہا ہے

Marfat.com

کرتے وقت یہ نیت ہو کہ وعدہ پورا نہ کرے گا تو اس طرح کا وعدہ کرنا نفاق کی علامت ہے اور وعدہ کرنے والا وعدہ نہ پورا کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اور اگر وعدہ کرنے والے کی نیت وعدہ کرتے وقت ایفائے وعدہ کی تھی لیکن کسی مانع کی وجہ سے وعدہ کرنے والا اپنے وعدہ کو پورا نہ کرسکا تو بعض علماء کے نزدیک جن میں سبکی بھی داخل ہیں وعدہ کرنے والا گنہگار ہوگا اور محققین کی یہ رائے ہے کہ وعدہ کرنے والا گنہگار نہ ہوگا، پھر علماء کا اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ ان اقسام وعدہ میں کس وعدہ کا پورا کرنا لازم ہے اور کس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر وعدہ خواہ وہ مشروط ہو یا بلا شرط، اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ محققین کی رائے یہ ہے کہ جو وعدہ بلا شرط ہو اس کا پورا کرنا لازم نہیں اور جو وعدہ مشروط ہو تو استحباباً اس کا پورا کرنا لازم ہے۔

مسئلہ:- (۱) سجادہ نشین کا مفہوم شرعاً یا عرفاً کیا ہے۔ (۲) سجادہ نشین کے شرائط و فرائض کیا ہیں اور اس کی اہلیت کا معیار کیا ہے (۳) کیا کسی بزرگ کی سجادگی کے لیے اس بزرگ کی اولاد میں ہونا ضروری ہے۔ (۴) جس بزرگ کا کوئی سجادہ نشین ہو اس کا سلسلہ بیعت و ارادت بلا انقطاع اس بزرگ تک پہونچنا اور اس بزرگ کے اوصاف مخصوصہ کا حامل ہونا اس کی سجادہ نشینی کے لیے شرط ہے یا نہیں، (۵) عہدہ سجادہ نشینی موروثی ہے یا انتخابی (۶) عموماً سجادہ نشین دو قسم کے ہیں۔ ایک سجادگی کے ساتھ اوقاف کے متعلق انتظام کے بھی فرائض ہیں۔ دوسرے وہ کہ جن کو مذہبی خدمات و مراسم کے سوائے کوئی علاقہ انتظام سے نہیں۔ کیا قسم ثانی سجادہ نشین جبکہ فرائض ذکر و شغل، تلقین و ہدایت بھی انجام نہ دیتا ہو یا ان کا اہل و مجاز نہ ہو اس کی معاش متعلقہ عہدہ واپس ہو سکتی ہے یا نہیں اور آیا وہ واجب العزل ہو یا نہیں اور دوسرے مستحق کا تقرر اس کی جگہ ضروری ہے یا نہیں، (۷) اگر کوئی سجادہ نشین واجب العزل ہو تو اس عزل و تقرر کے لیے کس کا اختیار نافذ ہوگا۔

جواب:- (۱ و ۲) سجادہ نشینی اور خلافت عرف عام میں کسی شخص کا اپنے شیخ سے اجازت

Marfat.com

تلقین اذکار و اقامت جمعہ و جماعات و ترتیب حلقۂ اذکار و اشغال پر مجاز ہونے کو کہتے ہیں اس کے شرائط میں سے مریدین کے شرائط کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ وہ شخص جو جانشین و خلیفہ کسی شیخ کا کہلاتا ہے وہ اپنے شیخ سے اخذ بیعت وغیرہ کا مجاز بھی ہو، جیسا کہ شاہ تقی علی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الروض الازہر میں تحریر فرماتے ہیں۔" در خلافت و نیابت و قائم مقامی مشخلف شرط است" اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الانتباہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں" وایں فقیر صحبت داشتہ است باشیخ ابو طاہر واز ایشاں علم حدیث اخذ کردہ و خرقہ صوفیہ پوشیدہ و جانشین ایشاں شدہ در روایت علم حدیث و الباس خرقہ صوفیہ جزاہ اللہ عنی وعن سائر مستفیدیہ" اور دوسری جگہ فرماتے ہیں" سلسلۂ طریقۂ قادریہ راشعب بسیار است اصح واوفق آں نزدیک اہل حدیث شعبۂ اکبریہ است از جانب شیخ محی الدین ابن العربی و اشہر آں در عوام جیلانیہ است از جہت سادات جیلانیہ و اشہر آں در مین شعبہ مشرعیہ است بالجملہ ایں فقیر را با کثر ایں شعب ارتباط صحیح واقع است لیکن ارتباط ایں فقیر از جہت بیعت و صحبت و خرقہ و تلقین و اجازت با والد بزرگوار خود است" پس جو شخص اپنے شیخ سے اخذ بیعت و تلقین اذکار وغیرہ کا مجاز نہ ہوگا اگرچہ اس میں شرائط مرید پائے جاتے ہوں جانشین اور خلیفہ شیخ کا نہیں کہلائے گا۔

(۳) سجادہ نشینی اور خلافت موروثی نہیں ہے، اخی المعظم مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔" مخفی نہ رہے کہ مسائل خلافت اور سجادہ نشینی کے ارباب تصوف کے نزدیک مسائل خلافت کبریٰ سے مستنبط ہیں۔ اور درباب خلافت کبریٰ کے کتب علم کلام میں مذکور ہے کہ یہ امر موروثی نہیں ہے۔ بلکہ منوط وجود قابلیت و استجماع شرائط خلافت پر ہے" اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔" ایں معنی (سجادگی بمعنی خلافت) ہم البتہ موروث نیست بلکہ موقوف بر لیاقت ایں کار است" اور حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کتاب الفصوص کے فص آدمی میں تحریر فرماتے ہیں۔" ومن شرط الخلیفۃ ان یکون علیٰ

معاملہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مینڈھا پیدا کرے گا اور اس کا نام موت ہوگا اور دونوں فریقوں (جنت والوں اور دوزخ والوں) کے دلوں میں ڈال دیا جائے گا کہ اس موت کے ذبح کیے جانے کا مطلب یہ ہو کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور دوسرول کا کہنا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا اعراض کو اجساد کی شکل میں اور مادی حالت میں پیدا کرنا ممکن ہو اس کے محال ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہو کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران (قیامت کے روز) اس طرح آئیں گی جیسے دو سایہ کرنے والے بادل ہیں۔
لے اس تعداد پر حیرت کرنا مناسب نہیں ہو اس لیے کہ سانپوں بچھوؤں کی یہ تعداد اخلاق مذمومہ

صورۃ المستخلف"۔ (خلیفہ و جانشین کے لیے شرط ہو کہ وہ جس کا خلیفہ ہو اس کے طور طریقے پر ہو)

ہر سلسلہ کے سجادہ نشین کے لیے اس صاحب سلسلہ کے ساتھ ارتباط بھی ضروری ہو خواہ بیعت کے ذریعہ ہو خواہ لبس خرقہ کی صورت میں ہو جیسا کہ فی زماننا سلسلہ میں داخل ہونے کا یہی طریقہ رائج ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کتاب الانتباہ میں فرماتے ہیں "پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بہ صحبت و تعلیم و تأدب بہ آداب و تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد از اں رسم بیعت پیدا گشتہ و ارتباط سلسلہ بہمہ ایں امور متحقق است و اختلاف ہمہ ارتباط ضرر نمی کند" اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قول الجمیل میں تحریر فرماتے ہیں: "وکذلک بیعۃ التمسک بحبل التقوی کانت متروکۃ اما فی زمن الخلفاء الراشدین فلکثرۃ الصحابۃ الذین استفادوا بصحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتادبوا بحضرتہ وکانوا لایحتاجون الی بیعۃ الخلفاء واما فی زمن غیرھم فھو خوفا من افتراق الکلمۃ و ان یظن بھم مبایعۃ الخلافۃ فیتھم الفتن وکانت الصوفیۃ حینئذ یقیمون الخرقۃ مقام البیعۃ ثم لما اندرس ھذا الرسم فی الخلفاء انتھز الصوفیۃ الفرصۃ وتمسکوا بسنۃ البیعۃ۔ اور اسی کتاب میں ہے فاعلم[1] ان اللہ تعالیٰ اجری سنتہ ان یضبط الامور الخفیۃ المضمرۃ فی النفوس باقوال وافعال ظاھرۃ ینصبھا مقامھا کما ان التصدیق باللہ ورسولہ والیوم الآخر خفی مضمر فاقیم الاقرار مقامہ وکما ان رضاء المتعاقدین ببدل الثمن والمبیع امر خفی مضمر فاقیم الایجاب والقبول مقامہ فکذلک التوبۃ والعزیمۃ علی ترک المعاصی والتمسک بحبل التقوی خفی مضمر فاقیمت البیعۃ مقامھا"۔

نیز اس ارتباط کے ساتھ اپنے شیخ سے مجاز ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا۔

(۵) حضرات صوفیہ کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ جب تک شیخ اپنی طرف سے

---

[1] (حاشیہ صفحہ ۱۰ پر)

تکبر، ریاکاری، حسد اور کینہ وغیرہ کے اعداد کے مطابق ہو اور یہ بری عادتیں بذاتہ ہلاک کرنے والی ہیں اور وہ بذاتہ بچھوؤں اور سانپوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں صاحبان قلب و نظر نور بصیرت سے ان ہلاک کرنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس قسم کی حدیثوں کا ظاہر طور پر صحیح [illegible] ہیں۔ اور ان کے خفیہ رموز کی [illegible] یہ خفیہ رموز صاحبان بصیرت پر واضح ہیں تو جس شخص پر حقائق منکشف نہ ہوتے ہوں اس کو ظواہر کا انکار کرنا نامناسب ہے بلکہ کمترین درجہ یہ ہے کہ ان پر یقین کرے اور ایمان لائے۔

حاشیہ
صفحہ ۱۰

[1] تو اگر تم کہو کہ براق دکھایا گیا اس طرح سامنے آتا ہو کہ اس کو دیکھا جا سکے جیسے آنکھوں سے دیکھنے

کسی شخص کو اخذ بیعت وغیرہ میں مجاز نہ قرار دے دے اس وقت تک وہ شخص اس شیخ کا جانشین نہیں ہوگا، خواہ یہ مجاز شیخ کے ورثاء میں سے ہو یا غیر میں سے۔ بہر حال سجادہ نشینی موروثی نہیں ہے۔

(۶) چونکہ سجادہ نشینی کے مسائل علماء کے نزدیک مستنبط ہیں امامت کبریٰ سے اور امامت کبریٰ کے بارے میں علماء تحریر فرماتے ہیں کہ امام فاسق معزول نہیں ہوتا ہے لیکن مستحق عزل ہے۔ لیکن اگر امام میں ایسی بیماریاں پیدا ہو جائیں کہ ان کی وجہ سے وہ امام منصب امامت کو انجام نہ دے سکتا ہو تو وہ معزول ہو جاتا ہے، مثلاً امام مجنون ہو جائے۔ اندھا ہو جائے۔ جیسا کہ شرح مقاصد میں ہے۔ وینعزل بالجنون وبالعمی والصمم والخرس وبالمرض الذی ینسیہ العلوم پس جو سجادہ نشین ایسے قلبی امراض میں مبتلا ہو گئے ہوں گے کہ وہ بجائے رشد و ہدایت کی تعلیم کے تخریب قلوب مسلمین کرتے ہوں وہ معزول ہو جائیں گے۔ اور جو اپنے شیخ کے طریقہ پر نہ چلتے ہوں وہ مستحق عزل ہیں۔ بناءً علی امامۃ الکبریٰ۔

(۷) فاقد الشروط سجادہ نشین کے معزول کرنے کا حق ارباب حل وعقد کو ہے وہ معزول کر سکتے ہیں۔ شرح مقاصد میں ہے۔ ولو خلعوہ فان کان بعجزہ عن القیام بالامر انعزل۔ (اگر لوگوں نے اس کو حکومت کرنے میں نااہلی کی بناء پر معزول کیا ہو تو وہ معزول ہو جائے گا)

مسئلہ:- اولی الامر سے کون لوگ مراد ہیں۔

جواب:- اولی الامر کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کے نزدیک امراء مسلمین مراد ہیں۔ عکرمہؒ کے نزدیک شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہیں۔ مجاہدؒ کے نزدیک تمام صحابہ مراد ہیں۔ ابو بکر وراقؒ کا قول ہے کہ خلفاء اربعہ مراد ہیں۔ عطاؒ ابن یسار کے نزدیک مہاجرین اور انصار مراد ہیں۔ بعضؒ علماء تمام صحابہ اور تابعین کو اولی الامر میں داخل کرتے ہیں۔ ابنؒ کیسان کے نزدیک وہ ارباب حل وعقد جو سیاست میں دخل رکھتے ہیں اولی الامر ہیں، جابرؒ بن عبداللہ کے نزدیک علماء اور فقہاء مراد ہیں۔ میمونؒ ابن مہران اور مقاتل کے نزدیک فوج کے دستہ کا امیر مراد ہے۔ مجاہدؒ کا ایک قول

یہ بھی ہے کہ اہل علم اور قرآن کے جاننے والے اولی الامر ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک اولی الامر سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کو کسی امر کی ولایت سپرد کی گئی ہو۔ اور یہی قول بعض علماء کے نزدیک صحیح ہے۔ (جیسا کہ عمدۃ القاری میں ہے)

مسئلہ :- زید کہتا ہے کہ ۵ نائب مصطفیٰ دریں کشور رشکِ پیغمبراں معین الدینؒ، کا پڑھنا درست نہیں ہے۔ بکر کہتا ہے چونکہ حدیث میں بعض اولیاء اللہ کی شان میں ارشاد کیا گیا ہو یغبطھم الانبیاء والشھداء (ان پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے) لہذا اس شعر کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ براہ کرم تشفی بخش فیصلہ عنایت فرمایا جائے۔

جواب :- کتب لغت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غبطہ کے کئی معنی ہیں۔ (۱) کسی کے حال کا اچھا ہونا۔ (۲) کسی کی اچھائی (خوشحالی) دیکھ کر خوش ہونا (۳) دوسرے کے جاہ و مال وغیرہا کی اس طور پر آرزو کرنا کہ ذی جاہ و مال سے اس کے جاہ و مال کے چلے جانے کی خواہش دل میں نہ ہو جس کو رشک بھی کہتے ہیں۔ پس صورت مسئولہ میں مجیب ممدوح نے جو حدیثیں بطور سند ذکر کی ہیں جن کا ایک ٹکڑا یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیمۃ ہے ان میں غبطہ کے آخری دو معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ پس اگر غبطہ کے دوسرے معنی کے لحاظ سے یَغْبِطُھُمْ الحدیث کے یہ معنی لیے جائیں کہ "اولیاء اللہ کے اس قرب و منزلت کو دیکھ کر قیامت کے دن انبیاء اور شہداء خوش اور مسرور ہوں گے" تو یہ تمام حدیثیں مجیب ممدوح کے جواب کے لیے سند نہ ہو سکیں گی اور مجیب ممدوح کو اپنے جواب کے لیے دوسری سند پیش کرنا ہوگی ورنہ جواب بلا سند رہ جائے گا جو مقبول نہ ہوگا اور اس معنی کو ملا علی قاری اور طیبی نے لکھا ہے اور ملا علی قاری نے یہ معنی لکھ کر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایسے معنی ہیں جن سے وہ تمام اعتراضات دفع ہو جاتے ہیں جن کے دفع کرنے میں علماء متحیر رہ گئے ہیں۔

اور اگر غبطہ کے تیسرے معنی آرزو کرنے اور رشک کرنے کا لحاظ کیا جائے اور یغبطھم الحدیث کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ اولیاء اللہ کے اس قرب و منزلت کو دیکھ کر قیامت کے دن

کرتی ہیں اور موت نیند کے اعتبار سے زیادہ انکشاف کرنے والی ہے۔

۵۲ سیوطی کی عبارت کا حاصل بھی وہی ہو اور وہ بھی غزالی کے ہم خیال ہیں۔

حاشیہ
صفحہ ۱۵

۱؎ اسی طرح تقویٰ کی رسی سے تمسک کی بیعت متروک تھی۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں اس لیے متروک تھی کہ صحابہ کرام بکثرت تھے جنھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے لوگوں کو منور کیا تھا اور آپ کی خدمت میں رہ کر آداب حاصل کیے تھے اور وہ خلفاء کی بیعت کے محتاج نہ تھے۔ خلفائے راشدین کے بعد کے زمانے میں اس اندیشے کی وجہ سے بیعت متروک رہی کہ کبھی میں فرق پیدا نہ

Marfat.com

انبیاء اور شہداء (اپنے مراتب عالیہ کے باوجود) خواہش اور آرزو کریں گے کہ ان کو بھی یہ درجہ عطا ہوتا۔ تو یہ معنی بھی مجیب ممدوح کے جواب کی تائید نہیں کرتے اس لیے کہ احادیث مذکورہ سے چند امور معلوم ہوتے ہیں (۱) قیامت کے دن انبیاء اور شہداء اولیاء اللہ کے اس قرب و منزلت پر رشک کریں گے نہ اس وقت (۲) احادیث سے اولیاء اللہ کی تعیین معلوم نہیں ہوتی، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معین اور مقرر فرمایا۔ اور خیر القرون سے اس وقت تک علماء نے ان اولیاء اللہ کی تعیین نہیں فرمائی ہے اور یہ امر تو ظاہر ہے کہ یہ درجۂ قرب بہرحال انبیاء علیہم السلام کے درجۂ قرب سے کمتر ہوگا ورنہ اولیاء اللہ افضل ہو جائیں گے انبیاء سے۔ اور لفظ رشک قمر و رشک پری اردو اور فارسی محاورہ میں اول تو اس ذات کو کہتے ہیں جس پر قمر اور پری اس دنیا میں رشک کرتی ہو، دوسرے یہ کہ وہ ذات ادعائے متکلم کے لحاظ سے قمر اور پری سے افضل ہو۔

بنا ءً علیہ "رشک پیغمبراں معین الدین" میں عموم کے اعتبار سے اول تو یہ معنی نکلتے ہیں کہ حضرت خواجۂ خواجگان غریب نواز رضی اللہ عنہ پر اس دنیا میں اس وقت پیغمبر رشک کرتے ہیں جس کا ثبوت حدیث سے نہیں ہوتا اور قیامت کے دن بالتعیین آپ کی ذات مخصوص کے قرب پر پیغمبروں کا رشک کرنا بھی کتب احادیث اور ان کے شروح اور اقوال علماء سے ظاہر نہیں ہوتا، اور جبکہ یہ مرتبۂ قرب کوئی ایسا مرتبہ نہیں ہے جس کے اوپر کوئی مرتبہ نہ نکلے بلکہ دوسرے جہات سے اس کے اوپر بھی مراتب نکلتے ہیں۔ جیسا کہ قاضی عیاض مالکی اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ کل ما یتحلی بہ الانسان او یتعاطاہ من علم وعمل فان لہ عند اللہ منزلۃ لا یشارکہ فیہ صاحبہ ممن لم یتصف بذلک وان کان لہ من نوع اٰخر ما ھو ارفع واعز ذخرا فیغبطہ بان یتمنی ویحب ان یکون لہ مثل ذلک مضموما الی مالہ من المراتب الرفیعۃ والمنازل الشریفۃ وذلک معنی قولہ یغبطھم النبیون والشھداء الخ ـــــ (مرقاۃ)

ہو جائے اور کہیں خلافت کی بیعت کا گمان نہ کیا جانے لگے جس سے فتنے اٹھ کھڑے ہوں حضرات صوفیہ اس زمانے میں بیعت کی جگہ خرقہ پہنانے سے کام لیتے تھے لیکن جب خلافت کی بیعت لینے کی رسم ختم ہو گئی تو صوفیہ نے موقعہ کو غنیمت جانا اور بیعت لینے کی سنت کو اختیار کیا۔

۵۲ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہو کر دلوں میں پوشیدہ امور کو ظاہری اقوال و افعال سے منضبط کرتا ہے اور ظاہری افعال کو مخفی امور کی جگہ قرار دیتا ہے مثلاً اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت کا یقین کرنا ایک مخفی امر تھا تو زبان سے اقرار کو اس کا قائمقام کیا یا مثلاً تعین دین کرنے والوں میں مال کے بدلے مقررہ قیمت پر طرفین کی رضامندی امر مخفی

(یعنی ایک انسان کو اُس کے علم اور عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایسا مرتبہ عنایت فرماتا ہو کہ اس کے علاوہ دوسرے انسان کو وہ مرتبہ عنایت نہیں فرماتا اگرچہ اس دوسرے انسان کو دوسرے وجوہ کی بنا پر اس پہلے انسان کے مرتبہ سے زائد مرتبہ عنایت فرمایا ہو تو یہ دوسرا انسان باوجودیکہ پہلے انسان سے زائد مرتبہ رکھتا ہے اس کی تمنا اور آرزو کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو میرے مراتب عالیہ کے ساتھ وہ مرتبہ بھی عنایت فرماتا جو اس نے پہلے انسان کو دیا ہے اور یہی معنی یغبطھم الانبیاء کے ہیں کہ باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے مراتب ان اولیاء اللہ سے اعلیٰ ہوں گے اُن کے باوجود وہ متمنی ہوں گے کہ ان کو ان اولیاء اللہ کا ایسا قرب بھی عنایت ہوتا۔ انتہی کلامہ) تو حضرت خواجہ خواجگان کا اُس زمرۂ اولیاء اللہ میں داخل کرنا اُن کے مراتب قرب کا کم کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت خواجہ خواجگان رضی اللہ عنہ کا مرتبۂ قرب اُن اولیاء اللہ کے مرتبۂ قرب سے زائد ہو اور یہ بھی ممکن ہو کہ حضرت رضی اللہ عنہ بھی اس زمرہ سے ہوں جو متمنی اس کے قرب کے ہوں۔

علاوہ بریں جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ "رشک حور" کے ایسے الفاظ میں جس پر رشک کیا جاتا ہے وہ ادعائے متکلم کے لحاظ سے افضل ہوتا ہے اور رشک کرنے والا مفضول ہوتا ہے رشک پیغمبراں الخ سے حضرت خواجۂ خواجگان کا افضل اور پیغمبران کا مفضول ہونا قائل کے قول سے مفہوم ہوتا ہے جو کسی طرح شریعت سے ثابت نہیں۔ جن محدثین نے احادیث مذکورہ میں یغبطھم کے معنے آرزو کرنے یا رشک کرنے کے لکھے ہیں وہ سب اس طور پر معنی اس حدیث کے لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اولیاء اللہ کے ان مراتب کی انبیاء اور شہداء اپنے مراتب عالیہ کے باوجود تمنا اور آرزو کریں گے تاکہ انبیاء اور شہداء مفضول نہ سمجھے جائیں۔

پس صورت مسئولہ میں حضرت خواجۂ خواجگان کی شان مبارک میں رشک پیغمبراں معین الدین کہنا مجیب ممدوح کی پیش کردہ حدیثوں سے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ بلحاظ محاورۂ اردو اس جملہ سے انبیاء علیہم السلام کی مفضولیت معلوم ہوتی ہے جو شرعاً کسی طرح جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس

تھی تو ایجاب و قبول کو اس کا قائم مقام کیا۔ اسی طرح توبہ اور ترک گناہ کا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کا عزم مخفی امور میں سے ہے تو بیعت اس کے قائم مقام کی گئی۔

Marfat.com

مصرع کو نہ پڑھنا چاہیے۔

یعنی ماحصل جواب کا یہ ہے کہ اگر غبطہ کے معنی مسرور ہونے کے لیے جائیں تو احادیث مذکورہ کو "رشک پیغمبراں معین الدین" کے جواز پر اس طرح پیش کرنا کہ احادیث میں یغبطھم الانبیاء والشھداء" میں انبیاء اور شہداء کے لیے رشک کرنے کا ثبوت احادیث مذکورہ سے ہوتا ہے صحیح نہیں اس لیے کہ ان احادیث میں یغبطھم کے معنی خوش اور مسرور ہونے کے ہیں نہ رشک کرنے کے لہٰذا ان احادیث سے انبیاء اور شہداء کے لیے رشک کرنا ثابت ہی نہیں ہوتا اور اگر غبطہ کے معنی رشک کرنے کے لیے جائیں تو بھی

"نائب مصطفےٰ دریں کشور رشک پیغمبراں معین الدین"

کے جائز ہونے کا ثبوت احادیث سے نہیں ہوتا اس لیے کہ احادیث سے انبیاء اور شہداء کا رشک کرنا قیامت کے دن ہوگا، اور اس شعر میں انبیاء اور شہداء کا رشک کرنا اس دنیا میں شاعر نے بیان کیا ہے، نیز احادیث میں ان اولیاء اللہ کی تخصیص اسمی مذکور نہیں اور صاحب شریعت نے ان اولیاء کی تعیین شخصی اُن کے اسماء کے ساتھ بیان نہیں فرمائی اور نہ علماء نے اُن کے اسامی کی تصریح فرمائی ہے اور شاعر مذکور نے اپنی طرف سے اس شعر میں تعیین شخصی کی ہے اور احادیث مذکورہ کے سوق عبارت سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان اولیاء اللہ کو انبیاء اور شہداء پر فضیلت ہوگی اور شاعر کے اس شعر سے حضرت خواجہ خواجگان رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور پیغمبروں کی مفضولیت معلوم ہوتی ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے، لہٰذا اس شعر کے مصرع ثانی کا پڑھنا جائز نہیں اور زید کا قول صحیح ہے۔

مسئلہ:۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کون نام اسم اعظم کہلاتا ہے جس کو قبولیتِ دعا کے لیے دعا مانگنے والا ورد کرے دعا مانگے۔

جواب:۔ اسم اعظم کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں، سیوطی نے اپنے رسالہ الدر المنظم فی بیان الاسم الاعظم میں اقوال علماء اس طرح نقل کیے ہیں۔

Marfat.com

(۱) بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اعظم ہیں۔ ان ناموں میں سے کسی نام کو دوسرے پر فضیلت دینا درست نہیں چنانچہ امام ابوالحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی کی یہی رائے ہے۔

(۲) دوسرے علماء اس کے قائل ہیں کہ احادیث میں جس اسم (نام) کو اعظم ارشاد کیا گیا ہو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ نام بمقابل دوسرے ناموں کے بہتر ہے۔ بلکہ اعظم (جو صیغہ اسم تفضیل کا ہے) معنی میں عظیم کے ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ نام بزرگ اور بڑا ہے۔

(۳) ابن حبان کہتے ہیں کہ جس نام کو حدیث میں اعظم کہا گیا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ اس نام کے ورد میں ثواب زائد حاصل ہوتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء بزرگ اور بڑے اور عظمت والے ہیں تمام آیات قرآنی کی طرح کہ قرآن کی تمام آیتیں کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے عظمت و بزرگی میں برابر ہیں لیکن بعض آیات کی تلاوت کرنے سے ثواب زائد حاصل ہوتا ہے۔

پھر دوسرا اختلاف اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے تعین میں ہے۔ بعض علماء نے ظاہر احادیث پر نظر کرتے ہوئے اسم اعظم کو معین کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کے مسلک پر جن حدیثوں میں جس نام کو اسم اعظم بتایا گیا ہے وہ نام اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

بنائً علیہ حضرت بریدہ کی حدیث سے لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد اسم اعظم ہے۔ اور حضرت انس کی حدیث سے لک الحمد لا الٰہ الا انت الحنان المنان بدیع السموٰت والارض یا ذا الجلال والاکرام یا حیّ یا قیوم اسم اعظم ہے۔ اور اسماء بنت یزید کی حدیث میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسم اللہ الاعظم فی ھاتین الآیتین والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم وفاتحۃ آل عمران الٓمّٓ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم میں الرحمٰن الرحیم اور الحی القیوم اسم اعظم ہیں اور حضرت سعد کی حدیث سے لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظٰلمین اسم اعظم ہے۔ اور عبدالرحمٰن شامی تابعی الحی القیوم کو اسم اعظم بتاتے ہیں۔

Marfat.com

اور حاکم نے جو حدیث حضرت ابن عباس سے روایت کی ہو اس سے معلوم ہوتا ہو کہ رب
اسم اعظم ہے۔ امام زین العابدین سے منقول ہو کہ اللہ اللہ الذی لا الٰہ الا ھو رب
العرش العظیم اسم اعظم ہے۔ قاضی عیاض مالکی بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ اسم اعظم کلمۂ
توحید ہو۔ اور بعض علماء سے منقول ہے کہ اللہ اسم اعظم ہے اس لیے کہ یہ نام اس کا اسم ذاتی
ہے اور بعضوں نے اللہ الرحمن الرحیم کو اسم اعظم بتایا ہو۔

پس دعا مانگنے والا ان اسمائے عظمیٰ میں سے کسی اسم اعظم کے وسیلے سے خلوص نیت کے
ساتھ دعا مانگے گا تو اس کی دعا مقبول ہوگی، بعض علماء کے نزدیک اسم اعظم کا تعین دو
مقرر اللہ تعالیٰ کے علم میں مکنون ہے۔ جس طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کے دن اجابت دعا
کا وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے ان کا جاننا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف
ہوتا ہے وہ جب چاہتا ہو اپنے مخصوص بندوں کو بتا دیتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہر نام اسم اعظم کا فائدہ دیتا ہے
جب دعا مانگنے والا اس نام کو خلوص نیت سے لے کر پکارے اور ہمہ تن اس کی طرف
متوجہ ہو جائے کہ اس کا دھیان اس کے علاوہ دوسری طرف نہ جائے تو دعا مانگنے والے
کی دعا قبول ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ چاند اور سورج میں گرہن لگنے کے کیا اسباب ہیں۔ اور اس وقت کے
لیے کیا خاص احکام شریعت میں ہیں۔ گرہن کے وقت کھانا کھانا چاہیے یا نہیں۔

جواب:۔ چاند گرہن کے متعلق ارباب ہیئت کا یہ خیال ہے کہ چاند ایک جرم ہے
ہے جو سورج کی روشنی سے نور حاصل کرتا ہے۔ پس جب سورج اور چاند کے درمیان زمین
اس طور سے حائل ہو جاتی ہے کہ دونوں میں تقابل نہیں رہتا تو چاند بے نور دکھائی
لگتا ہے۔ پس جو حصہ چاند کا آفتاب کے مقابل نہیں رہتا اور اس حصہ میں زمین کے حائل
ہو جانے سے تقابل نہیں رہتا اتنا حصہ بے نور ہو جاتا ہے۔ اگر پورے چاند کے مقابل زمین

١٣٣٦٨

جائے تو پورے چاند میں گرہن لگ جاتا ہے۔ اور سورج گرہن کے متعلق ان کی یہ رائے ہو کر سکان ارض کی نظر اور آفتاب کے درمیان کوئی جرم حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آفتاب یں گرہن لگتا ہے۔ مگر صاحب شریعت علیہ الف الف تحیۃ وسلام کا ارشاد ہے اِنّ لشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد من النّاس ولکنھما اٰیتان من اٰیات اللہ اذا رأیتموھا فقوموا وصلوا۔ اور بعض روایتوں میں وتصدقوا اور بعض میں واعتقوا بھی رشاد ہوا ہے۔ یعنی سورج اور چاند میں گرہن کسی بڑے آدمی کی موت سے نہیں لگتا بلکہ یہ دونوں للہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو ظاہر کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ مادی طاقتوں کے اوپر ایک اور طاقت بھی ہے جس کو لسان شرع میں اللہ کہتے ہیں تو جب تم ان علامتوں کو دیکھو جو تمہارے ڈرانے کے لیے دکھائی جاتی ہیں تو نماز کے لیے مستعد ہو جاؤ یعنی گرہن کی نماز پڑھو۔ اور بعض حدیثوں میں خیرات کرنے اور بردہ آزاد کرنے کے لیے بھی ارشاد عالی ہوا ہے۔ اور بعض حدیثوں میں یاد الٰہی اور دعاؤں میں مشغول ہو جانے کے لیے بھی ارشاد ہوا ہے۔

چاند اور سورج کے گرہن میں بہت سے حکم ہیں۔ چنانچہ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی پرستش کرنے والوں کو بتاتا ہے کہ تم لوگ معبودِ حق کو چھوڑ کر معبودِ باطل کی پرستش کر کے سخت غلطی کرتے ہو تم کو معلوم ہو جائے کہ ایک ذات پاک ایسی بھی ہے جو ان دونوں پر بھی حاکم ہے اور وہی عبادت کی مستحق ہے۔ دوسرے جو لوگ یاد الٰہی سے غافل ہو جاتے ہیں ان کو چونکایا جاتا ہے کہ غفلت دور ہو جائے۔ تیسرے سرور عالم و عالمیان نے قیامت کے اندوہ ناک واقعات سے یہ بھی بتایا تھا کہ اس دن شمس و قمر بے نور ہو جائیں گے تو خداوند عالم اس دنیا کے رہنے والوں کو ان دونوں میں گرہن لگا کر یہ بتاتا ہے کہ ہمارے رسول نے جو جو علامتیں یوم قیامت کی بتائی ہیں وہ سب سچی ہیں چنانچہ بطور نمونہ چاند اور سورج کو بے نور کر کے تم کو دکھاتا ہے کہ قیامت کے دن بھی ہم ان کو بے نور کر دیں گے۔

بہر حال گرہن لگنا اللہ کی علامتوں میں سے ایک علامت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی کوئی نشانی نہیں ظاہر فرماتا مگر بندوں کو ڈرانے کے لیے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے وما نرسل بالآیات الا تخویفا۔ اور ارشاد نبوی ہے ان الشمس والقمر ایتان من آیات اللہ لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ ولکن اللہ یخوف بھما عبادہ لہذا گرہن کے وقت مسلمانوں کو ڈرتے رہنا چاہیے اور توبہ و استغفار، نماز اور دیگر کار خیر میں اُتنا وقت گزارنا چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ فاذا رایتموھا فادعوا اللہ وصلوا حتی تنجلی اس وقت کھانا نہ کھانا اب تک کتابوں میں نظر سے نہیں گزرا لیکن ہمارے اکابر گرہن کی حالت میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔

مسئلہ :- آیات مندرجہ ذیل میں مدح رسول، مدح صحابہ ہے یا نہیں۔ نیز ان صحابہ میں خلفاء اربعہ یعنی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، وحضرت سیدنا عمر فاروق، وحضرت سیدنا عثمان غنی، و حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہم شریک ہیں یا نہیں۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔

جواب :- اللہ تعالیٰ نے ان آیات قرآنی میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وصف وثنا فرمائی ہے۔ چنانچہ جمہور والذین معہ سے جمیع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے ہیں اور حضرت ابن عباس صرف اُن اصحاب کو مراد لیتے ہیں جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ اور اصحاب میں خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔

مسئلہ :- آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کون کون ہیں۔ اور صدقہ کن پر حرام ہے۔

جواب:- امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف بنو ہاشم ہیں۔ انھیں پر صدقہ حرام ہے اور انھیں پر تشہد میں صلوٰۃ بھیجی جاتی ہے۔ یعنی نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے دُعا کرتا ہے کہ اللہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل یعنی بنو ہاشم کے درجات بلند کر جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اُن کی آل کے درجے بلند کیے۔

مسئلہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کون ہیں۔

جواب:- اہلِ بیتِ سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم حضرت بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (علیہما السلام) ہیں۔ لیکن متبادر فی الذہن یہ ہے کہ ان حضرات کے علاوہ ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن بھی اہلِ بیت میں داخل ہیں۔ جیسا کہ علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں۔ ادھم مع ازواجہ لانہ ھو المتبادر الی الذھن عند الاطلاق۔

مسئلہ:- حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہما میں کس کو فضیلت حاصل ہو۔ اور حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہما میں کون افضل ہے۔

جواب:- علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہما میں ایک دوسرے کی فضیلت پر علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ افضل تھیں حضرت خدیجہ سے اور بعض فرماتے ہیں کہ حضرت بی بی خدیجہ افضل تھیں حضرت بی بی عائشہ سے اور یہی قول اصح ہے اسی طرح علماء کا اس امر میں بھی اختلاف ہو کہ حضرت بی بی فاطمہ افضل تھیں یا حضرت بی بی عائشہ۔ بعض علماء حضرت بی بی فاطمہ کو افضل مانتے ہیں اور بعض حضرت بی بی عائشہ کو اور یہی قول اصح ہے۔ لیکن بعض اساتذہ حدیث کا قول یہ ہو کہ حضرت بی بی فاطمہ دنیا میں افضل ہیں اور حضرت بی بی عائشہ آخرت میں۔ علامہ عینی عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں۔ وکذلک الخلاف موجود ھل ھی افضل اَم الفاطمۃ والاصح انھا افضل من فاطمۃ وسمعت بعض اساتذتی الکبار ان

Marfat.com

فاطمۃ افضل فی الدنیا وعائشۃ فی الآخرۃ۔

مسئلہ:۔ گناہِ کبیرہ کون کون ہیں۔ اگر کوئی شخص گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہوا اور بعد میں صدقِ دل سے تائب ہو گیا ہو اور مر جائے تو وہ مومن کہلائے گا یا کافر۔

جواب:۔ گناہِ کبیرہ کی تعیین میں روایتیں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کبائر نو ہیں۔ (۱) اللہ کا شریک ٹھہرانا (۲) قتل نفس بغیر کسی حق کے (۳) مسلمان عفیفہ عاقلہ بالغہ کو متہم بالزنا کرنا (۴) زنا (۵) میدانِ جنگ سے بھاگنا (۶) سحر (۷) یتامیٰ کا مال کھانا (۸) مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۹) حرم میں بے دینی پھیلانا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سود خوری کو بھی کبائر سے فرماتے ہیں اور مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ چوری اور شراب نوشی کو بھی کبائر میں داخل فرماتے ہیں۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ جو گناہ اپنے مفاسد میں مذکورہ بالا گناہوں میں سے کسی گناہ کے مثل ہو یا اس کا مفسدہ ان گناہوں میں سے کسی گناہ سے زائد ہو وہ بھی کبائر میں داخل ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ جن گناہوں پر وعید نار کی، یا غضب کی، یا لعنت کی ارشاد فرمائی گئی ہو وہ سب کبائر ہیں۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ہر وہ گناہ جس پر اصرار کیا جائے کبیرہ ہے۔ اور ہر وہ گناہ جس پر استغفار کیا جائے صغیرہ ہے۔ اور گناہ کبیرہ کا فرد کامل کفر ہے۔ پس کفر کے علاوہ کبائر میں جو شخص مبتلا ہوا اور بغیر توبہ کیے مر جائے تو اہلسنت والجماعت کے نزدیک وہ شخص مومن ہی کہلائے گا اس لیے کہ تصدیق قلبی یعنی حقیقت ایمان اس میں موجود ہے، البتہ معتزلہ کے نزدیک ایسا شخص مومن ہے نہ کافر بلکہ فاسق ہے اور خوارج کے نزدیک وہ شخص کافر ہے۔ پس کفریا ان معاصی پر مرنے والا جن کو حضرت شارع نے علامتِ تکذیب ٹھہرادیا ہے کافر ہوگا۔

مسئلہ:۔ اسم اعظم قرآن مجید میں ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو کس سورت، کس رکوع اور کس آیت میں ہے اور کیا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ اسم اعظم کسی کو نہیں معلوم۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ آگے

شروع سورۂ بقر میں آیا ہے۔ ان تینوں حرفوں کے کیا معنی ہیں۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں میں عظمت اور بڑائی کے معنے پائے جاتے ہیں پس جس نام میں دوسرے نام کے اعتبار سے عظمت کے معنے زائد ہوں وہ نام اعظم ہے دوسرے نام کے اعتبار سے۔ مثلاً رحمٰن اعظم ہے رحیم سے۔

اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کی تعیین میں آثار و اقوال محدثین و علما مختلف ہیں۔ پس جب کوئی پکارنے والا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کسی نام سے خلوص کے ساتھ اس طرح پکارے کہ اس دعا کے وقت پکارنے والے کے دل میں اس کے ماسوا سے اعراض ہو اور اس کے سوا کسی کا تصور دل میں نہ ہو تو وہی نام اسم اعظم ہے کہ اس نام کو لے کر جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول اللھم انی اسئلک بانک انت اللہ لا الہ الا انت الاحد والصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد فقال دعا اللہ باسمہ الاعظم الذی اذا سئل اعطی واذا دعی بہ اجاب" اور دوسرے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم اور لا الہ الا ھو الحی القیوم اسم اعظم ہیں اور دوسرے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ الحیّ القیوم اسم اعظم ہے، بعض کے نزدیک لا الہ الا ھو الحی القیوم اسم اعظم ہے اور بعض کے نزدیک رب اسم اعظم ہے بعض کے نزدیک اللہ اسم اعظم ہے بعض کے نزدیک اللہ الذی لا الہ الا ھو رب العرش العظیم اسم اعظم ہے۔

اسی طرح مقطعات قرآنی مثلاً الٓمٓ، حٰمٓ وغیرہا کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ان حروف کے اصلی معنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں، یہ حروف بھی کلام الٰہی ہیں۔

مسئلہ:۔ شب برات میں زانی و نافرمان والدین و کینہ پرور وغیرہ کی بخشش نہ ہوگی۔ اگر یہ لوگ توبہ کرلیں تو ان کی بخشش ہوگی یا نہیں۔

جواب:۔ حدیث شریف میں ہے ان اللہ لیطلع فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر

Marfat.com

لجمیع خلقہ الا لمشرک او مشاحن اور دوسری حدیث میں ہے الا اثنین مشاحن و قاتل نفس ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف شعبان میں اللہ تعالیٰ مشرکین اور حاسدین اور خودکشی کرنے والوں کے علاوہ سب کو بخش دیتا ہے۔ زانی اور والدین کی نافرمانی کرنے والا جب تک توبہ کے ساتھ مزید اور والدین سے اپنا قصور بھی نہ معاف کرالے حقوق عباد کے مواخذہ سے نہیں چھوٹ سکتا۔

مسئلہ ۸۔ ایک دیوبندی عالم دین نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ اسلام اور ایمان تمام عمل ہی عمل ہے وہ اعتقاد قطعی بیکار ہے جس کا ثبوت عمل سے نہ ملے۔ اسلام اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔ اور ایمان وہی معتبر ہے جو انسان کے کردار کو بنائے۔

اور ایک دوسرے موقع پر انھوں نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو وعظ کرتے ہوئے کہا، تم زبان سے ربنا اللہ کہتے ہو لیکن تمہارے دل اللہ کو رب ماننے کے لیے تیار نہیں اس ایک رب کو چھوڑ کر تم نے سینکڑوں رب بنا لیے ہیں آج بادشاہ تمہارا رب ہے باپ کو رب بنائے ہوئے ہو استاد کی ربوبیت کو مانتے ہو جس شخص کے گفتار و کردار اور عمل و خیال میں اختلاف پایا جاتا ہے اُسے اپنے آپ کو خدا کا پرستار کہنے کا کوئی حق نہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات کو پڑھ کر اور سن کر ایک سنی عالم کہتا ہے کہ یہ غلط ہے، وہابیت ہے، گمراہی ہے اور یہ شخص گمراہ فرقوں میں سے ہو گیا جو حضرت علی کے عہد میں اور اس کے بعد کے زمانے میں ہوئے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ یہ تو مسلمانوں کو دین کی طرف بلانے کا ایک طریقہ ہے اور مسلمان سوئے ہوئے ہیں تو ایک عالم دین اور کس طرح ان کو جگائے، اور خود وہ دیوبندی عالم صاحب بھی پوچھنے پر کہتے ہیں کہ میرا ارادہ ان کو کافر بنانے کا نہیں ہے بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ اس طرح مسلمان جاگیں۔ اور خود ہم لوگوں نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظوں میں اس انداز کی باتیں بہت پڑھی ہیں۔

اب عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں کے خلفشار کی بڑھتی ہوئی رو کے پیش نظر شرعی

حیثیت سے بتائیں کہ اس طرح کہہ دینے سے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے یا نہیں اور سنی عالم دین کا کہنا کس حد تک صحیح ہے اور یہ کہ ایسے نازک زمانے میں کسی کا مسلمانوں کو اس طرح باہم لڑانا اچھا کام ہے یا برا۔ بہرحال ہماری بستی کے مسلمانوں کے لیے جو طریقہ بہتر ہو بتایا جائے۔

جواب:۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک اعمال حقیقت ایمان یعنی تصدیق بما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہیں۔ برخلاف معتزلہ وخوارج کے، ان کے نزدیک اعمال جزو ایمان ہیں یا عین ایمان ہیں۔ اسی بنا پر معتزلہ اس امر کے قائل ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن نہیں کہلائے گا اور خوارج کے نزدیک کافر ہو جائے گا اور اہل سنت کے نزدیک اگر تصدیق قلبی بما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پائی جائے لیکن وہ مومن شامت اعمال کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے تو وہ شخص مومن کہلائے گا اور کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے عاصی اور گنہگار رہے مرنے کے بعد بقدر عصیاں اس پر عذاب ہوگا بعد اس کے شفاعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس کے لیے خلود فی النار کا عذاب نہ ہوگا، البتہ ایمان کامل کا رکن اعمال صالحہ ہیں فلہٰذا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک اعمال صالحہ نہ کیے جائیں۔ پس ایمان کے کامل بنانے کے لیے اعمال صالحہ کی ترغیب دلانا مضائقہ نہیں رکھتا ہے۔

رب کے معنی پالنے والے اور مالک اور سردار وغیرہ کے ہیں۔ یہ لفظ الف لام کے ساتھ یعنی الرب اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور جب اس کو بلا اضافت استعمال کیا جائے تو مراد اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اسی وجہ سے حدیث شریف میں غلام کو اپنے مالک کے لیے ربی کہنا ممنوع قرار دیا ہے فلہٰذا باپ یا استاد وغیرہا کو رب سمجھنا یا ان پر رب کا اطلاق کرنا مکروہ ہے۔ اور کوئی مسلمان بادشاہ یا والدین یا استاد کو رب مطلق نہیں سمجھتا ہے بلکہ رب اضافی جاننے کے باوجود بھی ان کو رب نہیں کہتا ہے بلکہ ان کو مربی کہتا ہے۔

صورت مسئولہ میں عالم مذکور کی پہلی عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ عمل صالح کو

Marfat.com

حقیقت ایمان میں داخل جانتے ہیں بلکہ ان کے اس قول سے کہ اسلام اور عمل لازم وملزوم ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عمل حقیقت اسلام سے خارج ہے اس لیے کہ لازم اپنے ملزوم کی حقیقت سے خارج ہوتا ہے۔

دوسری عبارت سے ان کو مسلمانوں سے خواہ مخواہ بدظنی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو در حالیکہ بعض بدظنیاں اثم ہیں۔ کوئی مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کو رب مطلق کا اعتقاد رکھتے ہوئے بادشاہ یا والدین یا استاد کو رب مطلق نہیں سمجھتا اور نہ ان میں سے کسی کو اپنا رب کہتا ہو۔ بادشاہ کو انتظام کرنے والا، والدین کو پرورش کرنے والا، ظاہری تربیت دینے والا اور استاد کو باطنی تربیت دینے والا سمجھتا ہے۔ اور یہ شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ اور والدین کے لیے اللھم اغفرلی ولوالدی وارحمھا کما ربیانی صغیرا کی دعا کرنا ماثور ہے، لہذا واعظ مذکور کو ایسے الفاظ نہ استعمال کرنا چاہیے جن کو وہ شریعت سے نہ ثابت کر سکیں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ (۱) خالد کا قول اور اس کا عقیدہ ہو کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔ اس عقیدے کی بنیاد پر خالد کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ مسلمانوں میں افتراق کے ڈر سے خالد کے پیچھے نماز پڑھ لینا بہتر ہے یا نہ پڑھنا۔ (۲) زید کہتا ہے کہ علامہ محقق ابن ہمام شارح ہدایہ مسایرہ میں لکھتے ہیں کہ حنفیہ نے اپنی فقہ کی کتابوں میں اس شخص کے کافر ہونے کی تصریح کی ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی غیب جانتے تھے، نیز علامہ علی قاری کی نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ حنفیہ نے اس شخص کو کافر لکھا ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے۔ اور علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں اور فتاویٰ خلاصہ میں بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کو گواہ قرار دے کر نکاح کرے تو نکاح نہ ہو اور وہ شخص کافر ہو جائے گا۔ بوجہ اس عقیدے کے کہ نبی غیب جانتے تھے۔ اور مولانا عبدالحی فرنگی نے اپنے فتوے میں یہ حوالے لکھے ہیں جو جلد دوم صفحہ ۵۰ فتاویٰ عبدالحی میں ہیں۔ کیا زید کے نام بردہ اشخاص و کتب وحوالہ جات معتبر ہیں۔ (۳) کیا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب

حاضر وناظر ماننے والا کافر ہے یا زید کے پیش کردہ حوالہ جات بالا میں انتہائی ڈرانے کے لیے کافر
دیا گیا ہے (۴)، اگر ایسے کے پیچھے جمعہ پڑھ لے اور پھر ظہر بھی پڑھ لے تو شرعاً کیسا ہو۔ جمعہ ضائع ہونے
کو گناہ نہ ہوگا۔ (۵)، تراویح میں اجرت طے کرکے قرآن سنانے والے کی امامت شرعاً کیسی ہو (۶)، پنجوقتی
نماز میں جماعت سے عادتاً نہ پڑھنے والے کی امامت جمعہ شرعاً کیسی ہے (۷)، اجرت طے کرکے فاتحہ
پڑھنا شرعاً کیسا ہو اور ایسے کی امامت شرعاً کیسی ہے (۸)، اجرت لے کر ہنڈی کو قرآن یا اردو پڑھانا
شرعاً کیسا ہے اور ایسے کی امامت کیسی ہے (۹)، اجرت لے کر مولود شریف پڑھنا شرعاً کیسا ہو اور
ایسے کی امامت شرعاً کیسی ہے۔ (۱۰)، کیا سفید مرغ کا خون نجس ہوتا ہے اور کیا اس کے خون سے
تعویذ لکھنا شرعاً جائز ہے۔

جواب:۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرح بلا واسطہ عالم الغیب
والشہادۃ اور اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر وناظر ہیں عقیدۂ فاسدہ ہو۔ اور اسی عقیدے کی نفی علماء نے
کی ہو۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا مغیبات کا علم دینا قرآن سے ثابت ہو اور
بواسطہ فرشتوں کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں صلوٰۃ وسلام بھیجنے والوں کی صلوٰۃ و
سلام کا پہونچ جانا اور "السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" میں نمازی کی
دعا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچنا ماثور ہے۔ اور علامہ شامی تزوج بشہادۃ اللہ و
رسولہ لم یجز بل قیل یکفر کے تحت لکھتے ہیں کہ نکاح میں اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنانے
والے کو اس بنا پر کافر کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب جانا
اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس و مطہر تک بواسطہ ملک اشیاء کا پیش کیا جانا
احادیث سے ثابت ہو جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغیبات کا علم ہوتا ہو۔
پس جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغیبات کا علم حاصل ہوا تو ان کو عالم الغیب کہنا بھی درست
ہے۔ اسی بنا پر اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب سے
جتنا چاہا عالم بنا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس علم دینے کی وجہ سے آپ عالم الغیب بواسطہ ہو گئے

Marfat.com

اور آپ تک فرشتوں کے ذریعہ سے ندا کرنے والوں کی ندا بھی پہونچتی ہے۔ پس اگر خالد اسی معنیٰ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بواسطہ فرشتے کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پکارنے والے کی آواز پہونچ جاتی ہو خواہ پکارنے والا قریب سے پکارے یا دور سے تو اس کو کافر کہنے والے غلطی پر ہیں اور اگر زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب بلاواسطہ اور بواسطہ دونوں کا انکار کرتا ہو تو وہ صحیح العقیدہ نہیں ہو۔ کسی مسلمان کو کافر بنانے سے حتی الوسع پرہیز کرنا چاہیے پس خالد کے پیچھے نماز جمعہ درست ہو نماز ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہو۔ ظہر احتیاطی امر آخر ہو جس کو بعض علماء نے ہندوستان میں پڑھنے کا فتویٰ دیا ہو۔ (۵) چونکہ امامت کی اجرت کو بعد کے علماء نے جائز لکھا ہو اس لیے تراویح پڑھانے کی اجرت بھی ان علماء کے قول پر جائز ہوگی۔ (۶) ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مسجد مخصوص میں جماعت سے نماز پنجگانہ نہ پڑھتا ہو اپنے مکان یا دوسری مسجد میں جماعت سے پڑھ لیتا ہو۔ پس جو شخص نماز پنجگانہ عادتاً جماعت سے پڑھتا ہی نہ ہو تو اس کو امام نہ بنانا چاہیے اور اگر امام بنا دیا تو اس کے پیچھے نماز پنجگانہ و جمعہ وغیرہ درست ہے۔ (۷) میت کے ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھنے کی اجرت لینے میں علماء کا اختلاف ہو۔ بعضوں کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن اجرت پر پڑھے ہوئے قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہونچتا ہے پس فاتحہ دینے پر اجرت لینا اگرچہ بعض علماء کے نزدیک جائز بھی ہو لیکن اس فاتحہ کا ثواب میت کو نہیں پہونچے گا۔ اجرت لینے والے کی اقتدا میں نماز درست ہو (۸) چونکہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اس لیے زن بازاری سے تعلیم قرآن کی اجرت لینا جائز ہوگی۔ یا امر آخر ہے کہ اس کا دیا ہوا روپیہ حلال کمائی ہونے کی وجہ سے حلال ہوگا اور حرام کمائی ہونے کی صورت میں حلال نہ ہوگا۔ تعلیم پر اجرت لینے کو بعد کے علماء نے لضرورت جائز لکھا ہو۔ (۹) میلاد خوانی یا وعظ پر اجرت لینا چونکہ بلا ضرورت ہو اسلیے ان پر اجرت لینا درست نہیں ہو (۱۰) چونکہ دوا بالمحرمات ضرورت شدیدہ کے وقت جائز ہو اسلیے ضرورت شدیدہ کے وقت جبکہ مرض کا علاج یہی ہو کہ مرغ کے خون سے تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالا جائے اور کوئی دوسری صورت اس سے شفا کی مظنون نہ ہو تو خون مرغ کا لکھا ہوا تعویذ گلے میں ڈالنا

Marfat.com

درست ہوگا اور اگر دوسری طرح اس مرض کا علاج کرنا مقصود ہو تو ایسا تعویذ نہ لیا جائے اور یہی حکم تعویذ لکھنے والے کے لیے بھی ہے۔ نماز ہر اچھے بُرے مسلمان کے پیچھے درست ہے۔

مسئلہ ۷- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر کے وقت قیام کرنے کا جواز کن احادیث سے ثابت ہے۔

(۲) نصاب الاحتساب کی اس عبارت "من اشراط الساعة ان توضع الاخيار وترفع الاشرار ان تقرأ المثناة على رؤس الناس والمثناة هي التي تسمى بالفارسية دوبيتي" سے معلوم ہوتا ہو کہ منبر پر اشعار پڑھنا ممنوع ہے حالانکہ عام طور پر واعظین خوش الحانی کے ساتھ مسجد میں اشعار نعتیہ وغیرہ پڑھتے ہیں۔ اس طرح اشعار کا پڑھنا درست ہو یا نہیں (۳) فاتحہ مروجہ جس طریقہ سے دلایا جاتا ہے اُس طریقہ سے اُس کا دلانا جائز ہے یا نہیں۔

جواب ۷- ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت قیام تعظیمی امر آخر ہے اور مطلقاً قیام تعظیمی امر آخر ہے پہلے کا ثبوت خیر القرون میں نہیں ہے اور مطلقاً کھڑا ہونا تعظیم وغیرہ کے لیے خیر القرون میں ثابت ہو۔ چنانچہ ابی سعید خدری روایت کرتے ہیں "قال لما نزلت بنو قريظة على حكم سعد بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم اليه وكان قريبا منه فجاء على حمار فلما دنا من المسجد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للانصار قوموا الى سيدكم[۱]"

اس حدیث کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں "وقال[۲] بعض العلماء في الحديث اكرام اهل الفضل من علم او صلاح او شرف بالقيام لهم اذا اقبلوا هكذا احتج بالحديث جماهير العلماء"

یعنی جمہور علماء اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں کہ اہل علم و صلاح و شرف کے لیے کھڑا ہونا مباح ہے اگرچہ بعض علماء مثل توربشتی نے اس حدیث کو خاص کیا ہے اور کہا ہو کہ چونکہ حضرت سعد کی اکحل کٹ گئی تھی جس سے بہت خون آپ کے جسم سے نکل گیا تھا آپ

ن۱ جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنانے پر تیار ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو بلوایا وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے جب سعد مسجد کے قریب پہونچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو۔

ن۲ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے اس بات کی دلیل ملتی ہو کہ جب اہل فضل علماء اہل صلاح اور اہل شرف آئیں تو ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا چاہیے اسی طرح جمہور علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حمار پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اتارنے کے لیے انصار کو حکم دیا اور فرمایا قوموا الی سیدکم تاکہ حضرت سعد کو اترنے میں زحمت نہ ہو اور اس رگ کا منہ نہ کھل جائے لہذا یہ ارشاد عالی حضرت سعد کو حمار سے اتارنے کے لیے تھا ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا حکم نہ تھا۔ اس کی تردید طیبی وغیرہ نے کی ہے کہ اگرچہ سبب خاص ہو لیکن الفاظ حدیث (جن سے حضرت سعد کی سیادت اور قابل تعظیم ہونا اور ان کے لیے قوم انصار کو قیام حکم دینا ظاہر ہوتا ہے) عام ہیں اس لیے حکم شرعی کے لیے خصوصیت سبب کا لحاظ کیا جائے
[1] والاعتبار لعموم اللفظ والعام یبقی علی عمومہ حتی لا یعتبر معہ خصوص السبب (تنقیح فتاوی حامدیہ) اور اس حدیث کی دلالت اس حکم پر ہوگی کہ صاحب شرف کی تعظیم کے لیے مباح ہے۔

ماحصل یہ ہوا کہ اس حدیث سے اکثر علماء اس امر پر دلیل لاتے ہیں کہ اپنے سے بڑے کے لیے تعظیماً کھڑا ہو جانا مباح ہے۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری احادیث سے بھی ایک دوسرے کے لیے قیام کرنا ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ میں حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے [2] قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجلس معنا فی المسجد یحدثنا فاذا قام قمنا قیاما حتی نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ۔

اور مشکل الآثار میں عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں [3] قال سمعت کعب ابن مالک یحدث بحدیث توبتہ قال فانطلقت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیلقانی الناس فوجاً فوجاً یھنئونی بالتوبۃ ویقولون لیھنئک توبۃ اللہ عزوجل علیک حتی دخلت المسجد فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس وحولہ الناس فقام الی طلحۃ بن عبید اللہ یھرول حتی صافحنی وھنانی واللہ ما قام رجل من المھاجرین من غیرہ۔

[1] الفاظ کے عام ہونے کا لحاظ کیا جائے گا اور عام اپنے عموم پر باقی رہے گا اور سبب کے خاص ہونے کا خیال نہیں کیا جائے گا

[2] حضرت ابوہریرہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھ کر گفتگو فرماتے تھے پس جب آپ کھڑے ہوتے ہم بھی کھڑے ہو جاتے یہاں تک ہم دیکھتے حضور ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔

[3] میں نے کعب بن مالک کو سنا جب وہ اپنی توبہ کے قبول ہونے کا واقعہ بیان کر رہے تھے کہا تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا تو صحابہ جوق در جوق مجھ سے ملتے اور میری توبہ قبول ہونے پر مجھے مبارکباد

Marfat.com

اور وہ احادیث جن میں قیام کی ممانعت ہے وہ مخصوص قیام ہے جس کا ذکر خود الفاظ حدیث میں کر دیا گیا ہے۔

(۱) قیام اعاجم کی طرح یعنی جس طرح متکبرین امراء اپنی کرسی وغیرہ پر بیٹھتے ہیں اور ان کے خدمتگار و علی والا ان کے سامنے مؤدب کھڑے رہتے ہیں تو اس طرح کے قیام کی ممانعت کی گئی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں لاتقوموا[1] کما تقوم الاعاجم یعظم بعضهم بعضاً

(۲) وہ قیام ممنوع ہے جس میں وہ شخص جس کی تعظیم کی جارہی ہے اپنے لیے قیام سے خوش ہوتا ہو اور متمنی رہتا ہو کہ دوسرے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جائیں جیسا کہ حضرت معاویہ کی روایت کردہ حدیث "من[2] احب ان یمثل له الناس قیاماً فلیتبوء مقعده من النار" اور اس حدیث "وکانوا[3] اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیته لذلک" سے قیام کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے عدم قیام کی وجہ یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تواضعاً اپنے لیے قیام کو ناپسند فرماتے تھے اس لیے ہم لوگ قیام نہیں کرتے تھے۔

تمام احادیث پر نظر کرنے کے بعد علماء نے بھی اپنی کتابوں میں قیام تعظیمی کو جائز لکھا ہے جیسا کہ درمختار میں وہبانیہ سے منقول ہے "یندب[4] القیام تعظیماً للقادم کما یجوز القیام ولو للقاری بین یدی العالم" اور علامہ شامی یندب الخ کی شرح میں لکھتے ہیں یندب[5] القیام تعظیماً للقادم ای ان کان ممن یستحق التعظیم قال فی القنیۃ قیام الجالس فی المسجد لمن دخل علیه تعظیما وقیام قاری القرآن لمن یجیئ تعظیما لا یکرہ اذا کان ممن یستحق التعظیم وفی مشکل الآثار للطحاوی القیام لغیرہ لیس بمکروہ لعینه انما المکروہ محبۃ القیام لمن یقام له۔

ان احادیث اور اقوال علماء سے نفس قیام تعظیمی کا جواز اور اس قیام کا خیر القرون میں ہونا بھی معلوم ہو گیا اب رہا ذکر ولادت باسعادت کے وقت قیام تو اس قیام کا ثبوت خیر القرون میں

دیتے تھے کہتے تھے کہ تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی" یہاں تک کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور صحابہ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے پس حضرت طلحہ مجھے دیکھ کر کھڑے ہوئے اور میری طرف لپک کر آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی بخدا مہاجرین میں طلحہ کے علاوہ کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہوا۔

۱ عجمیوں کی طرح نہ کھڑے ہو جس طرح وہ ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔

۲ جو یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا چاہیے۔

۳ صحابہ جب حضور کو آتے دیکھتے تو تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے کہ حضرت کا اس کو ناپسند کرنا صحابہ کے علم میں تھا۔

۴ آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا

Marfat.com

نہیں تھا لیکن چونکہ اصل قیام کی سند مل جاتی ہے اس لیے اس قیام کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اس کے جائز ہونے پر اس طرح استدلال لایا جا سکتا ہے کہ یہ قیام تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرد ہے اور تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجب ہے اور تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرد مندوب ہے لہٰذا یہ قیام بھی مندوب ہے علاوہ بریں یوں بھی استدلال لایا جا سکتا ہے کہ ذکر ولادت باسعادت ذکر رسول ہے اور ذکر رسول قیاماً جائز ہے لہٰذا ذکر ولادت باسعادت کھڑے ہو کر جائز ہے۔

(۲) حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر اشعار پڑھنا ثابت و متحقق ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور کھڑے ہو کر بھی مشکوٰۃ میں بخاری سے بروایت حضرت عائشہ منقول ہے عن عائشۃ[۶] قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع لحسان منبراً فی المسجد یقوم علیہ قائماً یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او ینافح و یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما نافح او فاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جس میں آپ کے مدائح بیان کیے جائیں کھڑے ہو کر بیان کرنا درست ہے اور بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صدہا اشعار کا بھی ہونا ہے چنانچہ اسی کتاب میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت براء منقول ہے قال[۷] کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینقل التراب یوم الخندق حتی اغبر بطنہ یقول "واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ٭ ولا تصدقنا ولا صلینا ٭ فانزلن سکینۃ علینا ٭ وثبت الاقدام ان لاقینا ٭ ان الاولی قد بغوا علینا ٭ اذا ارادوا فتنۃ ابینا"

اور اسی کتاب میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت انس منقول ہے قال[۸] جعل المھاجرون والانصار یحفرون الخندق و ینقلون التراب وھم یقولون "نحن الذین بایعوا محمدا علی الجہاد ما بقینا ابداً" یقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یجیبھم اللھم لا عیش

مباح ہو۔ جس طرح قیام تعظیمی جائز ہے اگرچہ قاری قرآن کے لیے عالم کے سامنے قیام تعظیمی ہو۔

۵ آنے والے کی تعظیم کے لیے اگر وہ ان لوگوں میں سے ہے جو مستحق تعظیم ہیں قیام تعظیمی مباح ہے۔ قنیہ میں ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے کا مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے اور قرآن پڑھنے والے کا آنے والے کے لیے تعظیماً کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے اگر یہ آنے والے مستحق تعظیم ہیں۔ اور مشکل الآثار میں ہے دوسرے کے لیے تعظیماً کھڑے ہونا بذاتہ مکروہ نہیں ہے مکروہ جو چیز ہے وہ اس شخص کا جس کی تعظیم کی جا رہی ہے اپنے لیے قیام تعظیمی کا محبوب رکھنا ہے۔

۶ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر رکھواتے تھے جس پر کھڑے ہو کر حسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار پڑھتے تھے آنحضر

لا عیش الا عیش الآخرة ۔ فاغفر الانصار والمهاجرة - اور بعض مواقع پر آنحضرت نے شعرائے عرب
کے وہ اشعار بھی سنے ہیں جن میں توحید اور آنحضرت کے مبعوث ہونے کا ذکر ہوتا چنانچہ اسی کتاب
میں مسلم سے بروایت عمرو بن شرید منقول ہے کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ قال ردفت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً فقال هل معك من شعر امية بن الصلت شيئ
قلت نعم قال هيه فانشدته بيتا فقال هيه فانشدته بيتا فقال هيه حتى انشدته
مائة بيت۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً شعر کہنا، شعر پڑھنا یا شعر سننا ممنوع و منہی عنہ نہیں،
بلکہ ممنوع و منہی عنہ برے اشعار کہنا ہے۔ اور شاعری کو اپنا پیشہ بنا لینا ممنوع ہے جیسا کہ خود کتب
احادیث سے ان کی ممانعت معلوم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یمتلی جوف رجل قیحا یریه خیر من ان
یمتلی شعرا (متفق علیہ) وعن عائشة قالت ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الشعر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هو کلام فحسنه حسن وقبیحه قبیح۔
(رواہ الدارقطنی) وعن ابی سعید الخدری قال بینا نحن نسیر مع رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بالعرج اذ عرض شاعر ینشد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خذوا الشیطان او امسکوا الشیطان لان یمتلی جوف رجل قیحا خیر له من ان
یمتلی شعرا۔ (رواہ مسلم)

(۲) رہی نصاب الاحتساب کی عبارت جو آپ نے نقل کی ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ آپ نے
نصاب الاحتساب دیکھ کر عبارت نقل نہیں کی ہو ورنہ آپ کو شک باقی نہ رہتا۔ غالباً آپ نے کسی دوسری
کتاب سے نصاب الاحتساب کی عبارت نقل کر لی ہے اور اس کتاب کے مصنف نے اپنے مفید مطلب
عبارت کو نقل کر دیا اور مصنف نصاب الاحتساب نے جس مقصد کے لیے مسئلہ مذکورہ لکھا تھا اس کو
فروگذاشت کر دیا اس گمراہ واعظ کی طرح جو عوام کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے وعظ میں ہمیشہ پڑھتے

فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت حسان اللہ کے رسول کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں تو روح القدس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

۴ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق میں مٹی ڈھوتے تھے یہاں تک کہ آپ کا پیٹ مٹی سے اَٹ گیا۔ اس وقت آپ یہ اشعار پڑھتے تھے۔ بخدا اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ خیر خیرات کرتے نہ نماز پڑھتے میرے اللہ ہمیں طمانیت نصیب کر اور جب دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ دشمنوں نے ہمارے خلاف صف آرائی کی ہے۔ جب انھوں نے فتنہ انگیزی کا قصد کیا تو ہم نے اس قصد کی مخالفت کی۔

۵ انصار اور مہاجرین خندق کھودتے اور مٹی ڈھوتے تھے اس وقت یہ شعر پڑھتے ہوئے تھے ہم وہ ہیں جنھوں نے زندگی بھر جہاد کرنے پر بیعت کی محمد صلی اللہ علیہ

۵ (صفحہ ۳۸ پر)

رد کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ (معاذ اللہ) قرآن میں خود نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے جب اس سے سند طلب کی جاتی تو کہتا قرآن میں ہے لا تقربوا الصلوٰۃ اور اس کے بعد کے حصہ کو چھوڑ جاتا۔ بہر حال نصاب الاحتساب للسنامی کی پوری عبارت یہ ہے "مسئلہ هل یجوز للمذکر ان یقرأ علی المنبر دوبیتی لما اعتادہ مذکرو زماننا ام لا الجواب فی الحدیث من اشراط الساعة ان توضع الاخیار و ترفع الاشرار و ان تقرأ المثناة علی رؤس الناس والمثناة هی التی تسمی بالفارسیة "دوبیتی" من الصحاح والفقه فی منعه انه غناء وانه حرام فی غیر المنبر فما ظنك فی موضع معد للوعظ والنصیحة"۔ اس سے معلوم ہوا کہ راگ کے ساتھ اشعار پڑھنا ممنوع ہے خاص کر منبر پر بیٹھ کر غنا کے ساتھ اشعار پڑھنا۔ اس عبارت سے مطلق شعر پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی ہے اور نہ منبر پر بیٹھ کر اشعار پڑھنے کی ممانعت ہوئی ہے۔

فاتحہ مروجہ کے عدم جواز پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اس لیے کہ یہ امر متحقق ہے کہ ہر کار خیر کا ثواب میت کی روح کو کرنا درست ہے تو وہ کار خیر جس طریقہ سے بھی کیا جائے جائز ہوگا بشرطیکہ وہ طریقہ غیر مشروع نہ ہو اور فاتحہ مروجہ میں کوئی چیز غیر مشروع نہیں ہوتی، اس لیے یہ فاتحہ بھی غیر مشروع نہ ہوگا۔ اگر فاتحہ دلانے والا اس طریقۂ خاص کو فرض و واجب جانتا ہو تو اس طریقہ کی غیر مشروعیت اس دوسری چیز یعنی لزوم مالایلزم کی وجہ سے ہوگی فی نفسہ یہ طریقہ غیر مشروع نہ ہوگا۔ اور اگر فاتحہ دلانے والا اس طریقہ کو فرض اور واجب نہیں جانتا تو یہ طریقۂ خاص جائز و مباح ہوگا۔ پس اگر عوام فاتحۂ مروجہ کے اس طریقۂ خاص کو فرض و واجب جانتے ہیں تو ان کو فہمائش کی جائے کہ یہ طریقۂ خاص فرض و واجب نہیں ہے اس طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے بھی ایصال ثواب ہو سکتا ہے۔ اور اگر عوام اس کو فرض و واجب شرعی نہیں جانتے تو ان کو اس طریقۂ خاص سے روکنے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ:۔ ایک مولوی صاحب یہاں ترجمۂ قرآن پاک کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، حضور نے کبھی ایک آیۂ کریمہ کا ثواب کسی کو نہیں بخشا۔ کبھی کسی صحابی نے بھی کسی ایک آیت کا ثواب کسی کو نہیں بخشا۔ کبھی

وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں یہ شعر پڑھتے تھے۔ "اے پروردگار اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے پس لے اللہ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔"

حاشیہ
صفحہ ۲۷

۱ شرید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں ایک دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر بیٹھا تھا حضرت نے پوچھا کہ تمہیں امیہ بن الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا سناؤ میں نے ایک شعر سنایا فرمایا اور سناؤ میں نے اور شعر سنایا، فرمایا اور سناؤ۔ میں نے اور شعر سنایا یہاں تک کہ میں نے سو اشعار امیہ بن الصلت کے حضور انور کو سنائے۔

۲ حضرت ابوہریرہ کا بیان ہو کہ آنحضرت نے فرمایا کسی کے پیٹ

Marfat.com

کسی پیغمبر نے بھی ایک آیۂ کریمہ پڑھ کر اس کا ثواب کسی کو نہیں بخشا۔ تمام پیغمبروں نے ہمیشہ گناہگاروں کے لیے دعائے مغفرت کی۔ حضور نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کی۔ قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ مثلاً وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری ثم یجزٰئہ الجزاء الاوفی (النجم) ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلھا (بنی اسرائیل) ولا تزر وازرۃ وزر اخری ــــ والی اللہ المصیر (فاطر) من اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخری (بنی اسرائیل)

اگر مردے کو ثواب بخشا جا سکتا تو حضور نماز جنازہ بجائے دعائے مغفرت کے کسی آیۂ کریمہ کو پڑھ کر بخشدیا کرتے اور ہم لوگوں کو بھی یہی حکم دیتے لیکن آج تک کسی نماز جنازہ میں آیۂ کریمہ کا ثواب کسی کو نہیں بخشا گیا۔

اور حضور نے بجائے سیوم و چالیسواں وغیرہ کے صرف نماز جنازہ کا حکم دیا۔

صحابۂ کرام کے عہد مبارک میں کسی صحابی کا سیوم و چالیسواں یا برسی نہیں ہوئی۔

یہ تو ہمارے مولوی صاحب کا فرمانا ہے۔

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اس کا جواب مدلل عنایت فرمائیں اگر واقعی ثواب پہنچ سکتا ہو تو کسی آیۂ کریمہ یا حدیث شریف سے جو کہ مستند ہو بیان فرمائیے اور اگر نہ پہنچ سکے تو رواج کیوں پڑ گیا اور کب سے یہ رواج پڑا۔

جواب :۔ بخاری میں ہے عن ابن عباس قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحائط من حیطان المدینۃ او مکۃ فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورھما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدھما لا یستتر من بولہ وکان الاخر یمشی بالنمیمۃ ثم دعا بجریدۃ فکسرھا کسرتین فوضع علی کل قبر منھما کسرۃ فقیل یا رسول اللہ لم فعلت ھذا قال لعلہ ان یخفف عنھما مالم تیبسا۔

کا پیپ سے بھرا ہونا شعر سے بھرے ہونے سے بہتر ہے اور حضرت عائشہ کا بیان ہوکہ آنحضرت نے فرمایا شعر بات کی طرح جو اچھی بات کی طرح اچھا شعر اچھا اور بری بات کی طرح برا شعر برا ہے اور حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہو کہ ہم لوگ آنحضرت کے ساتھ مقام فرج میں جارہے تھے کہ ایک شاعر آیا اور شعر پڑھنے لگا آنحضرت نے فرمایا اس شیطان کو پکڑو اس شیطان کو روکو پیٹ کا پیپ سے بھرا ہونا شعر سے بھرے ہونے کے اعتبار سے بہتر ہے۔

مسئلہ حضرت ابن عباس کا بیان ہو کہ آپ مدینے کے ایک باغ کے قریب سے ہو کر حضور گزر رہے تھے کہ آپ نے دو آدمیوں کے کراہنے کی آواز سنی ان دونوں کو قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا آنحضرت نے فرمایا کہ دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے معاملے میں عذاب نہیں ہو رہا ہے ایک کو اس

Marfat.com

اس کی شرح میں علامہ عینی لکھتے ہیں واستحب العلماء قرأۃ القرآن عند القبر لھذا الحدیث لانہ اذا کان یرجی التخفیف لتسبیح الجریدۃ فتلاوۃ القرآن اولی اور اس کی تائید میں بہت سے احادیث نقل کیے ہیں ان میں سے چند لکھے دیتا ہوں۔

۵۲ عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مر بین المقابر فقرأ قل ھو اللہ احد احد عشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات۔

۵۳ عن انس یرفعہ من دخل المقابر فقرأ سورۃ یٰس خفف اللہ عنھم یومئذ۔

وعن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبر والدیہ او احدھما فقرأ عندہ او عندھا یٰس غفر لہ۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پڑھنا میت کو ایصال ثواب کے لیے درست ہے اور اس پڑھے ہوئے قرآن سے میت کی مغفرت ہوتی ہے۔ یہ امر آخر ہے کہ مروجہ سیوم یا چالیسواں یا برسی کی رسم خیر القرون میں نہ تھی، لیکن قرآن پڑھ کر میت کو ثواب پہونچانا بلکہ ہر عمل خیر کا ثواب میت کو پہونچانا احادیث سے ثابت ہے، فلہٰذا یہ فواتح بھی جائز ہوں گے بشرطیکہ ان فواتح میں دوسرے محظورات شرعیہ نہ ہوں اور ان سب کی اصل احادیث میں موجود ہے۔

مسئلہ:- میلاد النبی کی تقریب کا طریقہ مسلمانوں میں کب سے جاری ہوا۔ اور کیا جمہور امت کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے۔ لفظ میلاد کے لغوی معنے کیا ہیں۔ اور کیا یہ لفظ اصطلاحاً حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لفظ کو کسی دوسرے بزرگ کی طرف مضاف کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اسلامی لٹریچر میں اس کی اضافت دوسرے کے لیے ہو تو تحریر فرمائیے۔

جواب:- تقریب میلاد النبی یعنی محفل ذکر ولادت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بنیاد چھ سو ہجری میں پڑی۔ ان محافل کی مجموعی صورت علمائے اسلام کے سامنے پیش کی گئی، بعض علما

لیے عذاب ہو رہا ہو کہ وہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا دوسرے کو اس لیے کہ وہ چغلخوری کرتا تھا، پھر آنحضرت نے ایک درخت سے ایک شاخ منگوائی اور اس کو دو حصے کرکے ہر قبر پر ایک حصہ لگا دیا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس لیے آپ نے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک شاخ کے یہ دونوں ٹکڑے سوکھیں نہیں شاید اللہ تعالیٰ ان مردوں کے عذاب میں تخفیف کرے۔

۵۱ اسی حدیث کی بنا پر علماء نے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے اس لیے کہ جب شاخ کی تسبیح کی وجہ سے تخفیف عذاب کی امید ہو تو تلاوت قرآن سے تو بدرجۂ اولیٰ ہو گی۔

۵۲ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ بار قل ہو اللہ احد پڑھ

نے اس کو بدعت سیئہ قرار دے کر ناجائز ٹھہرایا اس گروہ کے سرخیل تاج الدین فاکہانی مالکی تھے۔ اور اکثر علماء نے ان محافل کو مستحسن اور مندوب قرار دیا ان علماء نے جب مروجہ محفل میلاد کی تجزی کی تو ان کو معلوم ہوا کہ مجلس ذکر کا پاک صاف ہونا، مجلس میں چراغاں کرنا، مجلس میں خوشبو سلگانا، حاضرین مجلس کے سامنے عطر ان کے لگانے کے لیے پیش کرنا، میلاد خواں کے لیے اس مجلس میں چوکی یا منبر وغیرہ بچھانا، میلاد خواں کا تلاوت کلام مجید کرنا، اور اس کے معانی و مطالب بیان کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک مستند کتابوں سے بیان کرنا، اور آخر میں ولادت شریف کا حال بیان کرنا اور بوقت ذکر ولادت قیام تعظیمی کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھنا، بعد ختم ذکر شیرینی وغیرہ سے مہمانوں کی ضیافت کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے اجزاء ہیں جن کی سند خیر القرون میں پائی جاتی ہے لہٰذا ان علماء نے ان محافل کے متعلق یہ تحریر فرمایا کہ یہ محافل جب منکرات و منہیات سے خالی ہوں تو مستحسن ہیں اور باعث اجر و ثواب ہیں ان علماء سے جلال الدین سیوطی نے ان تمام اعتراضات کے جوابات بھی تحریر فرمائے ہیں جو تاج الدین فاکہانی نے کیے تھے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ مروجہ محفل میلاد شریف کو اکثر علماء نے مستحسن لکھا ہے بشرطیکہ یہ مجالس منکرات و منہیات شرعی سے خالی ہوں اور بعض علماء اس کو بدعت کہتے ہیں پس جبکہ نفس مجالس میلاد میں علماء کا اتفاق نہیں ہے تو مروجہ عید میلاد یا جشن میلاد میں علماء کا اتفاق کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر یہ تقریبیں منکرات و منہیات شرعیہ سے خالی ہوں گی تو اکثر علماء کے مسلک پر جائز ہوں گی اور باعث برکت و ثواب ہوں گی۔

لفظ میلاد کے لغوی معنی وقت زادن و وقت ولادت کے ہیں لیکن یہ لفظ جب بلا اضافت ذکر کیا جائے تو عرف اہل اسلام میں اس کا اطلاق صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت پر ہوتا ہے جیسے محفل میلاد، میلاد خواں، قیام میلاد، احتفال بالمیلاد، حفلۃ المیلاد، عید المیلاد۔

ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں الموالید والاذکار التی تفعل عندنا اکثرھا

کر دیں کا ثواب مردوں کو بخشتے تو پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے بقدر ثواب ملتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے [illegible] بیان کیا کہ جو شخص [illegible] قبرستان میں جا کر سورۂ یٰس پڑھے تو اللہ تعالیٰ مردوں کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا جس شخص نے اپنے والدین کی قبروں یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی اور دونوں یا ایک قبر کے پاس سورۂ یٰس پڑھی تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

تشتمل علی خیر یعنی مروجہ محافل میلاد واذکار اکثر ان محافل سے خیر کی باتوں کو شامل ہوتے ہیں۔

اور جب لفظ میلاد اضافت کے ساتھ ذکر کیا جائے تو اس سے مضاف الیہ کی پیدائش کا وقت مراد ہوتا ہے۔ جیسے میلاد النبی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا وقت۔

اس لفظ کی اضافت اس کی اصل کے اعتبار سے ذات گرامی کے علاوہ دوسروں کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ تاریخ خمیس میں جس جگہ سبطین نیرین، سیدا شباب اہل الجنۃ میں سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے حالات لکھے ہیں اُس کے عنوان میں لکھا ہے ذکر میلاد الحسن و مجیئ میلاد الحسین فی الموطن الرابع فی السنۃ الرابعۃ من الھجرۃ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس لفظ کی اضافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ از روئے شریعت اسلام بروقت ذکر پیدائش حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر سلام پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ نیز کس زمانے سے اس امر کا آغاز ہوا۔ براہ کرم شافی، مدلل، مفصل اور عام فہم جواب عطا ہو۔

جواب:۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو سعید خدری سے حدیث منقول ہے۔ قال لما نزلت بنو قریظۃ علی حکم سعد بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیہ وکان قریبا منہ فجاء علی حمار فلما دنی من المسجد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للانصار قوموا الی سیدکم (یعنی جب حضرت سعد بن معاذ مسجد نبوی کے قریب پہونچے تو آپ نے انصار سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ، جیسا کہ ملا علی قاری "قوموا الی سیدکم" کے معنی تحریر فرماتے ہیں۔ قیل ای لتعظیمہ ویستدل بہ علی عدم کراھتہ فیکون الامر للاباحۃ والبیان الجواز۔ اور علامہ نووی قوموا الی سیدکم او خیرکم کی شرح میں لکھتے ہیں فیہ اکرام اھل الفضل وتلقیھم بالقیام لھم اذا اقبلوا ھکذا احتج بہ جماھیر العلماء اس سے معلوم ہو گیا کہ اپنے سے معظم کی بزرگی اور فضل کے لیے قیام تعظیمی کرنا مباح ہے۔

Marfat.com

اور انا ارسلنٰک شاھدا و مبشرا و نذیرا لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ کی آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق تعظیم کرنا فرض اور واجب ہوا اور مطلق تعظیم نبوی کا ایک فرد قیام تعظیمی بھی ہے اس لیے ذکر ولادت باسعادت کے وقت قیام کرکے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا جائز ومباح ہوگا جس کی اصل قرآن وحدیث سے ملتی ہے۔

اور سلام کرنے والے کا متواضع ہونا احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں حضرت آدم علیہ السلام کو سلام اور رد سلام سکھانے کے لیے جو طویل حدیث مرقوم ہے قال اذھب فسلم علی اولٰئک النفر وھم نفر من الملٰئکۃ جلوس الحدیث یعنی حضرت آدم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیٹھی ہوئی جماعت فرشتگان کو جاکر سلام کرو تو حضرت آدم نے کھڑے ہوکر اس جماعت کو سلام کیا۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد الحدیث یعنی تواضعاً کھڑا شخص بیٹھے شخص کو سلام کرے۔

پس کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر پیش کرنے میں تواضع زائد ہے اس لیے قیام کرنا مستحب ہوگا اور اس کی سند بھی حدیث سے نکلتی ہے۔

جس طرح مطلق تعلیم وتعلم کو جس کا ثبوت خیر القرون میں پایا جاتا تھا بعد کے علماء نے مدارس اور مکاتیب اور جامعہ کی شکلوں میں کردیا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک بیان کرنے کے لیے علماء نے محافل میلاد بنالی ہیں تو جس طرح یہ مدارس بدعت کی تعریف میں نہیں آتے ایسے ہی یہ محافل بھی بدعت نہیں کہلائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک (جس میں ذکر ولادت باسعادت بھی داخل ہے) بیان کرنے کے لیے محفل میلاد کی ایجاد ۶۰۴ھ میں شیخ عمر بن محمد نے موصل میں کی تھی اور اسکو اربل (موصل کے نزدیک ایک شہر ہے) کے بادشاہ ملک مظفر الدین ابو سعید نے رائج کیا اور اس وقت کے علما نے اس محفل میلاد کو مستحسن جان کر اس میں شرکت بھی کی تھی۔

مسئلہ: کانپور کے چند اصحاب نے یہ مسئلہ پیش کر رکھا ہے کہ میلاد شریف میں قیام بدعت و

ناجائز ہو۔ براہ کرم آپ اپنے فتوے سے مجھے مطلع کریں تاکہ تشفی ہو۔

جواب: قرآن مجید میں ہے انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا لتومنوا باللہ و رسولہ وتعزروہ وتوقروہ اور جلالین میں توقروہ کے معنی تعظموہ لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم "مطلقاً" کرنا فرض اور واجب ہے اور اس تعظیم کا ہر ہر فرد مندوب ہے اس قاعدۂ شرعیہ کل فرد من افراد نشر العلم فھو مندوب الخ اور مطلق تعظیم نبوی کا ایک فرد یہ قیام تعظیمی بھی ہے جو ذکر ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی مستحب اور مندوب ہوگا جیسے نشر علم مطلقاً واجب ہے اور اس کا ہر ہر فرد خواہ مدارس کی صورت سے ہو یا مجالس وعظ کی صورت سے ہو یا اشاعت کتب کے ذریعہ سے ہو مندوب ہوتا ہے۔ قیام تعظیمی کے مندوب ہونے کی دلیل یہ ہوئی کہ قیام تعظیمی ایک فرد ہے۔ افراد تعظیم نبوی کا اور ہر فرد تعظیم نبوی کا مندوب ہے اس لیے قیام تعظیمی مندوب ہے۔ اور قیام تعظیمی کا مشروع ہونا قوموا الی سیدکم کی حدیث سے جائز معلوم ہوتا ہے پس جبکہ قیام تعظیمی کا ثبوت حدیث سے ثابت ہے اور مطلق تعظیم نبوی قرآن سے ثابت ہے اور ذکر ولادت کے وقت قیام تعظیمی کرنا ایک فرد تعظیم نبوی کا ہے تو اس قیام کو بدعت کہنا جہالت ہے اس لیے کہ بدعت وہی چیز ہوتی ہے جو زمانۂ خیر القرون میں نہ پائی جائے اور اس کی اصل کتاب و سنت و اجماع و قیاس سے نہ نکلتی ہو اور اس قیام تعظیمی کی اصل چونکہ قرآن و سنت سے نکلتی ہے اس لیے یہ قیام بدعت نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ہر بدعت ضلالت نہیں ہے ضلالت وہی بدعت ہے جس کے لیے کوئی اصل شرعی نہ ہو، فتح الباری میں ہے قولہ محدثاتھا بفتح الدال جمع محدثۃ والمراد بھا ما احدث ولیس لہ اصل فی الشرع سمی فی عرف الشرع بدعۃ وما کان لہ اصل فی الشرع فلیس بدعۃ۔

کتاب الحظر والاباحۃ

(حرام وحلال وجائز وناجائز کا بیان)

مسئلہ۔ کسی بزرگ یا ولی کی تاریخ انتقال پر ہر سال اس بزرگ کے مزار پہ جمع ہونا اور اس دن کو اس بزرگ کا یوم عرس کہنا اور قرآن خوانی یا فاتحہ وغیرہ کے بعد شیرینی یا کھانا تقسیم کرنا اور مزار کے قریب چراغاں کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں۔

شریعت وطریقت ایک ہی چیز ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے؟

کسی بزرگ کے عرس کے موقع پر قوالی کرنا، اس کی قبر پہ چادر یا پھول ڈالنا اور اگر لوبان جلانا درست ہے یا نہیں۔

قوالی میں جو روپیہ کسی بزرگ کو بطور نذر دیا جاتا ہے اس کا لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اس روپے کو کس مصرف میں صرف کیا جائے؟

جواب۔ عرس حقیقۃً شادی بیاہ کے کھانے یعنی دعوتِ ولیمہ کو کہتے ہیں اور مجازاً بزرگان دین کی سالانہ فاتحہ کی مجلسِ طعام کو عرس کہتے ہیں، غیاث اللغات میں ہے عرس[۱] بالضم وبضمتین طعام عروسی ونکاح کردن از منتخب وصراح ومجازاً بمعنی مجلسِ طعام فاتحہ بزرگاں کہ بروقت وفات بعد از سالے کنند چرا کہ رحلت از غمکدۂ دنیا بمنزلۂ شادی عروسی ست بحق عاشقانِ حق چنانکہ سعدی فرمودہ ؎ عروسی بود نوبت ماتمت　　اگر نیک روزی بود خاتمت

[۱] عرس شادی کا کھانا اور نکاح کرنا (منتخب وصراح) مجازاً اس سے بزرگوں کے سالانہ فاتحہ کے کھانے کی مجلس [illegible] لی جاتی ہے کیونکہ غموں سے بھری ہوئی دنیا سے کوچ کرنا گویا شادی کی خوشی کے برابر ہوتا ہے ان لوگوں کے حق میں جو عاشقان خدا ہیں جیسا کہ [illegible] نے کہا [illegible]

Marfat.com

اور وہ بزرگانِ دین جن کے قلوب مہبطِ انوارِ الٰہی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت بھری ہوتی ہے، اُن کے قلوب خشیتِ الٰہی سے پُر ہوتے ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد ان کو صاحبِ شریعت نے عروس (دولھا دلھن) سے تشبیہ دی ہے اور ان کی قبر کو خانۂ عروس کی طرح عیش و آرام کا گھر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ترمذی سے نقل ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر وللاٰخر النکیر فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل فیقول ھو عبد اللہ ورسولہ اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ فیقولان قد کنا نعلم انک تقول ھذا ثم یفسح لہ فی قبرہ سبعون ذراعا فی سبعین ثم ینور لہ فیہ ثم یقال لہ نم فیقول ارجع الی اھلی فاخبرھم فیقولان نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ۔

لہٰذا ان اولیاء اللہ کے انتقال کے دن یا تاریخ کو یوم العُرس (فلاں بزرگ کے عرس کا دن یا تاریخ) کہنا شرعاً درست ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے انتقال کے وقت اور اس کے بعد ان کی ارواحِ طیبہ کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہونا اور دار المحن والفتن سے نجات پاکر علیین میں جگہ پانا قرآن وحدیث سے ثابت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مشکوٰۃ میں ابن ماجہ سے روایت ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المیت تحضرہ الملائکۃ فاذا کان الرجل صالحا قالوا اخرجی ایتھا النفس الطیبۃ کانت فی الجسد الطیب اخرجی حمیدۃ وابشری بروح وریحان ورب غیر غضبان فلا تزال یقال لہا ذلک حتی تخرج (الحدیث)

اور جس وقتِ خاص اور محلِ خاص میں کسی نعمتِ الٰہی کا ظہور ہوا ہو اُس وقت اور محل کا بابرکت ہونا اور سال بسال اس وقت کو اظہارِ شکر کے لیے معین کر لینا بھی قرآن وحدیث سے

ل؎ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مردے کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے کالے کیری آنکھوں والے آتے ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں پس وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں مردے سے تو ان صاحب کے بارے میں یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے اگر مردہ مومن ہوتا ہے تو کہتا ہے وہ بندے اللہ کے اور بھیجے ہوئے اس کے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہی تھے تو یہی کہے گا پھر کشادہ کی جاتی ہے اس کے لیے اس کی قبر ستر گز طول میں اور ستر گز عرض میں پھر روشنی کی جاتی ہے اس کے لیے۔ پھر کہا جاتا ہے اس سے سو رہ پس وہ کہتا ہے کہ میں گھر جاؤں اور گھر والوں

Marfat.com

...بت ہے چنانچہ رمضان المبارک کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں قرآن رسول
...سول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ شہرُ رمضان الذی انزل
...ہ القرآن ۔ اسی طرح جس حجرے میں حضرت مریم کے لیے اللہ تعالیٰ بے فصل کے میوے بھیجتا
...ا اس حجرے اور محراب کو مہبطِ نعم الٰہی سمجھ کر حضرت زکریا کا اپنے لیے اولاد کی دعا مانگنا
...آن میں مذکور ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ کلما دخل علیہا زکریا المحراب وجد عندہا
رزقا قال یا مریم انی لک ہذا قالت ہو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء
بغیر حساب ھنالک دعا زکریا ربہ ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اس انسان کو بزرگ و
برتر فرمانا جس کا دل خشیتِ الٰہی سے معمور ہو قرآن میں مذکور ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ ان
اکرمکم عند اللہ اتقاکم ۔ اسی طرح یومِ نجات حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
یعنی یومِ عاشوراء میں ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ رکھنا بھی حدیث سے
ثابت ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں بخاری ومسلم سے روایت ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینۃ فوجد الیہود صیاماً یوم عاشوراء فقال لہم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ہذا الیوم الذی تصومونہ فقالوا ہذا یوم
عظیم انجی اللہ فیہ موسیٰ وغرق فرعون وقومہ فصامہ موسیٰ شکراً فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنحن احق واولیٰ بموسیٰ منکم فصامہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر بصیامہ ۔ اسی طرح مخصوص دوشنبہ کے دن روزہ رکھنا
محض اس وجہ سے کہ اس خاص دن میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کا ظہور دنیا میں
ہوا تھا یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے کتب احادیث میں موجود ہے
چنانچہ مشکوٰۃ میں ابی قتادہ سے روایت ہے۔ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدت وفیہ انزل (رواہ مسلم) لہٰذا اولیاء اللہ
کے انتقال و وصال حقیقی کے دن اور تاریخ کو جس میں ان کی ارواحِ طیبہ پر اللہ تعالیٰ

کو خبر کر دوں (کہ میں کس حال میں ہوں) فرشتے کہتے ہیں سو رہ مانند سونے اس دولھا کے کہ نہیں جگاتا اس کو کوئی سوائے اس شخص کے جو گھر والوں میں اسے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ یہاں تک کہ اٹھاتا ہے اللہ اس مرنے کو اس کی اس آرام گاہ سے

ھ۲۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں تو اگر وہ نیک بخت آدمی ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی باہر آ خوش خوش باہر آ جنت کی خوش گواریوں کی اور مہربان پروردگار سے ملاقات کی خوش خبری قبول کر۔ برابر یہی کہا جاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ روح جدا ہو جاتی ہے۔

لھ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن شریف نازل ہوا۔ (قرآن شریف)

ھ۲ جب کبھی ایسا ہوتا کہ زکریا علیہ السلام مریم کے پاس محراب (یعنی قربان گاہ) میں جاتے تو مریم کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔

کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں) بابرکت سمجھنا اور اس دن یا تاریخ کو سال بسال اظہار شکر کے لیے معین کرنا اصول شریعت کے خلاف نہیں ہو بلکہ قرآن و حدیث سے ان کے جواز کا استنباط ہوتا ہو۔

اور زیارت قبور کے لیے عورتوں اور مردوں کے جانے کی اجازت اور زیارت قبور کے لیے کوئی خاص دن مقرر کرلینا بھی احادیث سے ثابت ہے مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے[1] عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروہا۔ الحدیث۔ اور ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں[2] فہذہ الاحادیث بتعلیلاتہا تدل علی ان النساء کالرجال فی حکم الزیارۃ اذا زرن بالشروط المعتبرۃ فی حقہن۔ اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے مکاتیب میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔[3] اخرج ابن جریر عن محمد بن ابراہیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی قبور الشہداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمان لہذا اولیاء اللہ کے انتقال کی تاریخ کو ان کے مزار کی زیارت کے لیے سال بسال بطور عادت مقرر کرلینا شرعاً درست ہے ممنوع نہیں ہے۔

اور میت کی روح کو صدقات اور کار خیر سے ثواب پہنچانا بھی شرعاً درست ہو شامی میں ہے۔[4] صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوماً او صدقۃ او غیرہا اور شرح عقائد نسفی میں ہے[5] فی دعاء الاحیاء للاموات وصدقاتہم ای صدقات الاحیاء عنہم ای عن الاموات نفع لہم ای للاموات اور ابوداؤد میں حضرت سعد بن عبادہ سے مروی ہے[6] قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئرا وقال ہذہ لام سعد اور صاحب شریعت نے ہر اس کام کو جس کو شریعت نے اچھا بتایا ہے صدقہ میں داخل فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ راستے سے کانٹوں اور پتھر کے ہٹانے کو بھی صدقہ فرمایا ہے کہ اس سے راستہ چلنے والوں کو تکلیف سے بچایا جاتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ترمذی سے روایت ہے۔ عن

لہ حاشیہ صفحہ ۵۴ پر

زکریا پوچھتے "اے مریم! یہ چیزیں تجھے کہاں سے مل گئیں؟" وہ کہتیں "اللہ سے، اللہ جسے چاہتا ہو بغیر حساب کے رزق دیتا ہے" اسی جگہ (یعنی قربان گاہ میں) زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی۔ (قرآن)

۵۳ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ (قرآن)

۵۴ ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورا کے دن روزہ رکھتے پایا آپ نے یہودیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا دن ہے جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو۔ یہودیوں نے بتایا کہ یہ بہت اہم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو نجات دی۔ اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تو موسیٰ نے شکر ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھا یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہودیوں کے مقابلے میں ہم مسلمان موسیٰ کے زیادہ حقدار اور قریب ہیں پس

بی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبسمک فی وجہ اخیک صدقۃ وامرک بالمعروف ونہیک عن المنکر صدقۃ وارشادک الرجل فی ارض الضلال لک صدقۃ ونصرک الرجل الردئ البصر لک صدقۃ واماطتک الحجر والشوک والعظم عن الطریق لک صدقۃ (الحدیث) پس راستہ یا مکان میں آنے جانے والوں کی آسانی اور ان کو چوٹ چپیٹ سے بچانے کے لیے روشنی جلانا بھی صدقہ میں داخل ہوگا۔ لہذا اولیاء اللہ کے مزار پر لوگوں کا جمع ہوکر یا منفرداً ان کی ارواح طیبہ کے ایصال ثواب کے لیے قرآن پڑھنا اور بعد ختم قرآن شیرینی یا طعام تقسیم کرنا یا ان کے ارواح کو ثواب پہونچانے کے لیے دعوت کرنا جائز ہے۔ اور ان امور خیر کے ثواب کا بزرگوں کی روح تک پہونچنا شریعت سے ثابت ہے اور کسی بزرگ کے مزار کے قریب آنے جانے والوں اور جمع ہونے والوں کی آسانی کے لیے روشنی کرنا کار خیر میں داخل ہے۔ بنیت خیر سے ثواب کی بھی امید ہے۔

ان تمام امور مذکورہ بالا کے جان لینے کے بعد یہ معلوم ہوگیا کہ عرس (یعنی کسی بزرگ کے انتقال کی تاریخ پر ہر سال اس بزرگ کے مزار پر زیارت کے لیے جمع ہونا اور ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا یا تقسیم شیرینی وطعام وغیرہا کی کرنا) شرعاً جائز ہے اور مزار پر جمع ہونے والوں کی آسانی کے لیے مزار کے قریب روشنی کرنا بھی درست ہے اس کو بدعت منکرہ کہنا غلطی ہے۔

چراغاں یا شمعوں کی نذر ماننا امر آخر ہے جو کتب فقہ میں ممنوع ہے اسی طرح قبروں کے اوپر چراغ رکھ کر چراغ جلانا بھی بحث سے خارج ہے اور بہ نیت خیر خود سے روشنی یا چراغاں کرنا امر آخر ہے جو ممنوع نہیں۔ حضرت عمرؓ کا ماہ رمضان میں مسجد کے اندر چراغاں کرنا ثابت و متحقق ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

شریعت وطریقت کی مختلف تعریفیں علماء نے کی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

" شریعت کے دو معنی ہیں۔ ایک، وہ دینی باتیں جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اور اس روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

۵۵ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے دوشنبہ کے دن روزہ رکھنے کو پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ دوشنبہ کے دن میں پیدا ہوا ہوں اور اسی دن قرآن شریف نازل ہوا۔ (مسلم)

حاشیہ صفحہ ۴۸

۵۱ حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ تو اب قبروں کی زیارت کرو (حدیث)

۵۲ یہ حدیثیں اپنی تعلیلات کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زیارت قبور کے معاملے میں عورتیں مردوں کے حکم میں ہیں، اگر وہ ان شرائط کے ساتھ جو عورتوں کے حق میں ضروری ہیں زیارت قبور کریں۔

۵۳ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں ایک بار شہداء کی قبروں کی زیارت کو تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

فرمایا، اُن پر عمل کیا یا آپ کے سامنے پیش آئیں، اور آپ نے سکوت فرمایا خواہ وہ امور دینیہ اعتقادیات سے ہوں یا اعمال و اخلاق سے یا حالات اور نیتوں سے ہوں۔ یا عزائم و رخص سے ہوں یا اوامر و نواہی سے ہوں۔ دوسرے وہ دینی باتیں جو عبادات بدنی و مالی یا معاملات بدنی و مالی ہوں۔ یہ باتیں عموماً کتب فقہ میں ذکر کی جاتی ہیں، اور اسی معنی کے لحاظ سے شریعت کو مقابل کیا جاتا ہے طریقت و حقیقت و معرفت کے۔ طریقت۔ آدابِ عبادات، نیتوں اور اخلاق میں سے ان امور کا جاننا جو عزیمت ہوں اور ان پر عمل کرنا انتہی کلامہ۔ بعضوں کے نزدیک شریعت امور دینیہ میں ظاہری حالات پر نظر کرنے کا نام ہے اور طریقت حالات باطنی پر نظر کرنے کو کہتے ہیں۔ مثلاً نماز میں رو بقبلہ ہونا شریعت ہے، اور دل کو حضرت حق کی طرف متوجہ رکھنا طریقت ہے۔ بعضوں کی رائے ہے کہ امور دینیہ میں جن کا تعلق ذات مکلف سے ہو ان کو شریعت کہتے ہیں اور جن کا تعلق اس کے دل سے ہو اس کو طریقت کہتے ہیں اور جن کا تعلق روح سے ہو اُن کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک امور دینیہ میں سے جن اقوال و اعمال و احکام پر عمل کرنے سے مکلف اپنے معاش و معاد (دنیا کی زندگی کے معاملات اور مرنے کے بعد کے معاملات) کو درست کرے اور ان پر عمل کرنا کمالات انسانیہ کا باعث ہو شریعت کہلاتے ہیں اور جن پر عمل کرنے سے مکلف منازل قرب الٰہی کو طے کرے ان کو طریقت کہتے ہیں۔ بعضوں کے نزدیک اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریعت ہیں اور آپ کے اعمال طریقت ہیں اور آپ کے حالات حقیقت ہیں۔

ان تعریفات کے جاننے کے بعد ثابت ہو گیا کہ طریقت وغیرہ شریعت سے جدا نہیں ہیں بلکہ حضرت شاہ صاحب نے پہلی تعریف جو شریعت کی کی ہے اس میں یہ سب داخل ہیں۔ بلکہ اولیاء اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب تک کوئی انسان بقدر طاقت شریعت پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرے گا طریقت کی راہ اس پر ظاہر نہ ہوگی اور جب تک طریقت کا راستہ ظاہر نہ ہو جائے اور اس راستے کو اس کے پورے حقوق کے ساتھ طے نہ کر لیا جائے حقیقت کا راستہ اُس پر ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ پس وصول الی اللہ کا بہترین راستہ یہ ہے کہ انسان تا مقدور ظاہر شریعت

اور حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ اسی پر عمل کرتے تھے۔

۴ ہمارے علماء نے حج بدل کی بحث میں صراحت کر دی ہے کہ ایک آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے عمل کا جیسے نماز، روزہ، خیرات اور دوسرے اعمال کا ثواب کسی دوسرے کو بخشے۔

۵ زندوں کا مردوں کے لیے دعا کرنا اور زندوں کا مردوں کے لیے خیرات کرنا مردوں کو نفع دیتا ہے۔

۶ کہا "یا رسول اللہ سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے تو کون سا کار خیر بہتر ہوگا" آپ نے فرمایا پانی۔ پس انھوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ اُم سعد کے لیے ہے۔

۷ حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کے روبرو تیرا مسکرانا کار خیر ہے اور تیرا اچھے کام کا حکم دینا اور برے کام سے روکنا کار خیر ہے اور تیرا راہ بھٹکے ہوئے کو راستہ بتانا کار خیر ہے۔ اور آنکھوں سے معذور کی تیرا مدد کرنا کار خیر ہے اور تیرا پتھر کانٹا اور ہڈی کا راستہ

پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اور فرائض وواجبات وسنن وآداب کو ان کے حقوق کے ساتھ بجالائے اور اخلاق حمیدہ اختیار کرے اور ذمائم سے پرہیز کرے اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ جب اس میں پختگی حاصل ہو جائے گی تو اس پر طریقت وحقیقت کی راہیں کھل جائیں گی۔ اگر وصول الی اللہ میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے تو کمال اتباع ظاہر شریعت کے بعد طریقت کا راستہ اختیار کرے اور اس میں کمال پیدا کرنے کے بعد حقیقت کا مشاہدہ کرے۔ یہی وجہ تھی کہ شریعت پر پوری طرح عمل کرنے والے علماء پر طریقت وحقیقت کی راہیں کھل گئی تھیں اور ان میں سے اکثروں نے ان راستوں کو طے کر کے مدارج عالیہ حاصل کیے۔ انحطاط زمانہ کے باعث جن علماء نے اتباع شریعت کو ترک کر دیا احکام شرعیہ ان کی نگاہوں پر دہ گئے ان پر عمل کرنا ان سے مفقود ہو گیا تو ان سے طریقت وحقیقت کی راہیں بھی پوشیدہ ہو گئیں۔ الا ماشاء اللہ

نفس غنا میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف تھا۔ بعض مباح جانتے تھے بعض ناجائز۔ اسی وجہ سے اب تک اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک جائز ہے۔ بعض کے نزدیک مکروہ یا حرام ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری میں اس حدیث عن عائشۃ لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ وعك ابیکرؓ وبلالؓ فکان ابوبکرؓ اذا اخذتہ الحمی یقول ٥ کل امرأ مصبح فی اھلہ ٭ والموت ادنیٰ من شراك نعلہ الحدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں وفی الغنا مذاھب فذھب ابوحنیفۃ ومالك واحمد وعکرمۃ والشعبی والنخعی وحماد والثوری وجماعۃ من اھل الکوفۃ الی تحریم الغنا۔ وذھب اخرون الی کراھتہ نقل ذلك عن ابن عباس ونص علیہ الشافعی وجماعۃ من اصحابہ وحکی عن مالك واحمد۔ وذھب اخرون الی اباحۃ فمن الصحابۃ عمرؓ ذکرہ ابوعمر فی تمھیدہ وعثمانؓ ذکرہ الماوردی وعبد الرحمٰنؓ بن عوف ذکرہ ابن شیبۃ وسعد بن ابی وقاص وابن عمرؓ ذکرھما ابن قتیبۃ وابومسعود البدری واسامۃؓ بن زید وبلالؓ وخوات بن جبیر ذکرھما البیھقی وعبد اللہؓ بن ارقم ذکرہ ابوعمر وجعفرؓ بن ابی طالب ذکرہ

سے ہٹانا تیرے لیے کا خیر ہے۔

لے حضرت عائشہ کی اس حدیث کی شرح میں کہ "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف ہجرت کر کے تشریف لائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت بلال کو بخار آنے لگا تو حضرت ابوبکر بخار کی حالت میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ٥ کل امرء مصبح فی اھلہ ۔ والموت ادنیٰ من شراك نعلہ علامہ عینی نے اپنی کتاب عمدۃ القاری میں لکھا ہے غنا یعنی گانے کے بارے میں متعدد رائیں ہیں امام ابوحنیفہ، امام [illegible] امام مالک، عکرمہ، شعبی، نخعی، حماد، [illegible] [illegible] کوفہ کی ایک جماعت [illegible] [illegible] [illegible] علماء گانے [illegible] کی رائے رکھتے ہیں صحابہ کرام میں جن حضرات کی رائے میں گانا جائز ہے ان میں حضرت عمر ہیں جیسا کہ ابوعمر نے اپنی تمہید میں لکھا ہے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف جیسا کہ ابن شیبہ نے روایت کیا ہے، حضرت ابومسعود البدری، حضرت اسامہ بن زید [illegible]

السہروردی و عبد الرحمٰن بن حسان ذکرہ ابو الفرج ومن التابعین جماعۃ ذکرہم ابن الطاہر و ذہبت طائفۃ الی التفرقۃ بین الغناء الکثیر والقلیل و نقل خلاف عن الشافعی و طائفۃ الی التفرقۃ بین الرجال والنساء فحرموہ من کلا جانب و جوزوہ من غیرہم وقال ابن حزم من نوی بترویح القلب لیقوی علی الطاعۃ فہو مطیع ومن نوی بہ التقویۃ علی المعصیۃ فہو عاص وان لم ینو شیئا فہو لغو معفو عنہ قال الاستاد ابو منصور اذا سلم من تضییع فرض ولم یترک حفظ حرمۃ المشائخ بہ فہو محمود وربما اجر انتہی۔

اسی طرح غنا بالمزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے بعض غنا بالمزامیر کو بھی حرام و مکروہ کہتے ہیں اور بعض مزامیر کے ساتھ غنا کو مباح جانتے ہیں لیکن مزامیر میں اختلاف کرتے ہیں بعض صرف دف کے ساتھ غنا کو مباح جانتے ہیں اور دوسرے بعض خاص مزامیر کے ساتھ بھی غنا کو مباح جانتے ہیں، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی دف کے ساتھ غنا کو مباح تحریر فرماتے ہیں، چنانچہ فتاوی عزیزی میں ہے۔ مسئلہ در مقدمہ سرود و غنا ولو مع الدف روایات حنفیہ مختلف آمدہ اما اصح واقوی من حیث الدلائل و مطابقۃ الاحادیث الکثیرۃ المشہورۃ فی الکتب المعتبرہ ہمیں است کہ سرود و غنا مجرد از مزامیر مباح است و دف از جملہ مزامیر مستثنیٰ است زیرا کہ سماع آں از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطرق صحیحہ ثابت شدہ پس عالم محقق را باید کہ بہمیں روایات فتوی دہد و اولیاء اللہ خصوصاً کبار چشتیہ سماع ہمیں غنا فرمودہ اند کہ بحضور مزامیر و آلات نبود و قال فی المغنی شرح کنز الدقائق واختلفوا فی التغنی المجرد قال بعضہم انہ حرام مطلقاً ومنہم من قال لا باس بان یتغنی لیستفید بہ القوافی والفصاحۃ ومنہم من قال یجوز التغنی لدفع الوحشۃ اذا کان وحدہ ولا یکون علی سبیل اللہو والیہ مال السرخسی وفی البدائع والسماع فی اوقات السرور تاکیداً للسرور یحیا لہ مباح اذا کان السرور مباحاً کالغناء فی ایام العید وفی العرس وفی وقت قدوم الغائب ووقت الولیمۃ والعقیقۃ وعند ولادۃ

لہ حاشیہ صفحہ ۵۳ پر

لہ (حاشیہ): بلال حضرت خوات بن جبیر (جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے) حضرت عبد اللہ بن ارقم (ابو عمر کی روایت کے مطابق) اور حضرت عبد الرحمٰن بن حسان (حسب صراحت ابو الفرج) شامل ہیں اور حضرات تابعین میں سے ایک گروہ جن کا ذکر ابن الطاہر نے کیا ہے گانے کے جواز کا قائل ہے۔ علماء کے ایک گروہ نے کم اور زیادہ گانے کا الگ الگ حکم دیا ہے بس نامحرموں کے گانے کو حرام اور غیر محرموں کے گانے کو جائز لکھا ہے اور ابن حزم کا کہنا ہے کہ جو شخص گانا سن کر دل کو اس لیے خوش کرتا ہے کہ اللہ کی عبادت کے لیے دل قوی ہو جائے تو ایسا شخص گنہگار نہیں ہے جو گناہ پر مستعد ہونے کے لیے گانا سنے وہ گنہگار ہے اور جس کا سننے سے کوئی غرض ہو اور نہ وہ تو اس کا گانا سننا ایک فضول کام ہے جو قابل درگزر ہے اور استاد ابو منصور کا کہنا ہے اگر گانا سننے والا فرائض کی ادائیگی کو ضائع کرنے سے محفوظ رہتا ہے نیز مشائخ کی حرمت کا پاس ترک نہیں کرتا تو گانا سننے والا قابل ستائش ہے۔

الولد و عند ختانہ و عند حفظ القرآن انتہی۔ لہذا اس اختلافی مسئلہ میں عوام کو اختیار ہے کہ اپنے معتمد علیہ عالم کے قول پر عمل کرے اور ایک دوسرے کو مجبور نہ کرے کہ جو مسلک غنا کے بارے میں اس نے اختیار کیا ہے اس کو دوسرا بھی اختیار کرے۔ جو غنا بالمزامیر المخصوصہ کو جائز جانتا ہے اس کو اس کے سماع سے روکا نہ جائے اور جو غنا بالمزامیر یا غنائے مطلق کو ناجائز جانتا ہے وہ گانا سننے پر مجبور نہ کیا جائے۔ لیکن یہ گانا اسی وقت جائز و مباح ہے کہ اس کی وجہ سے فرائض و واجبات میں غفلت نہ ہونے پائے۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر زائرین کی نظروں میں اولیاء اللہ کی تعظیم کے لیے چادر ڈالنا بھی جائز ہے۔ علامۂ شامی لکھتے ہیں۔ وکرہ بعض الفقہاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والاولیاء قال فی فتاوی الحجۃ تکرہ الستور علی القبور الخ ولکن نحن نقول الآن اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فہو جائز لان الاعمال بالنیات و ان کان بدعۃ کقولہم بعد طواف الوداع یرجع القہقری حتی یخرج من المسجد اجلالا للبیت حتی قال فی منہاج السالکین انہ لیس فیہ سنۃ مرویۃ ولا اثر محکی وقد فعلہ اصحابنا الخ اور اس کی اصل خانۂ کعبہ پر غلاف ڈالنے سے بھی نکلتی ہو۔ اور خانۂ کعبہ پر (جو اینٹ اور چونے کا ہے) غلاف ڈالنا خیر القرون سے اس وقت تک چلا آرہا ہے۔ چنانچہ علامۂ عینی بخاری کی اس حدیث عن[۲] عائشۃ قالت کانوا یصومون عاشوراء قبل ان یفرض رمضان وکان یوما تستر فیہ الکعبۃ فلما فرض اللہ الی رمضان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث کے تحت لکھتے ہیں وقال عبد الرزاق عن ابن جریج اخبرت ان عمرؓ کان یکسوہا القباطی واخبرنی غیر واحد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کساہا القباطی والحبرات (یمنی نقشی چادر) وابوبکر وعمر و عثمان واول من کساہا الدیباج عبد الملک بن مروان وان من ادرک ذلک

لہ حاشیہ صفحہ ۵۲ پر

اور اس کے لیے امید ثواب بھی ہے۔

حاشیہ صفحہ ۵۲

لہ گیت اور گانے کے سلسلے میں اگرچہ دف کے ساتھ ہو، فقہائے حنفیہ کی مختلف رائیں منقول ہیں لیکن دلائل کے اعتبار سے اور حدیث کی معتبر کتابوں میں ذکر ہونے والی بہت سی مشہور حدیثوں کو دیکھئے تو قوی اور سب سے زیادہ قابل ترجیح رائے یہی ہو کہ نغمہ اور گانا بغیر مزامیر کے مباح ہے اور دف مزامیر میں ہوتے ہوئے مزامیر کے حکم سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دف پر گانا مستند طریقوں سے ثابت ہو چکا ہے پس ایک محقق عالم کو لازم ہے کہ [illegible] تحقیق کے مطابق [illegible] دے۔ اولیاء اللہ [illegible] مشائخ حقیقت کے سرگروہ حضرات [illegible] اسی قسم کے گانے کو سنا ہے جو مزامیر اور آلات کے ساتھ نہیں ہوتا تھا اور [illegible] شرع سے [illegible] مزامیر [illegible] علماء [illegible] اختلاف [illegible] نے مطلق حرام کہا [illegible]

من الفقهاء قالوا اصحاب ما نعلم لها من كسوة اوثق منه وكسيت في ايام الفاطميين الديباج الابيض وكساها السلطان محمود سبكتگين ديباجاً اصفر وكساها ناصر العباسي ديباجاً اخضر ثم كساها ديباجاً اسود فاستمر الى الآن ولم تزل الملوك يتداولون كسوتها الى ان وقف عليها الصالح اسمعيل في سنة نيف وخمسين وسبع مائة قرية بنواحي القاهرة ولم تزل تكسى من هذا الوقف انتهى۔

مزارات پر آگ جلانا یا مزارات پر جلتی ہوئی اگر کی بتی رکھنا یا بخور کی انگیٹھی رکھنا امر آخر ہے جس کی ممانعت فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے۔ لیکن مزارات کے قریب خوشبو وغیرہ سلگانا جائز ہے اور اس خوشبو سے میت کو سرور کا حاصل ہونا قواعد شرع کے مخالف نہیں بلکہ مرنے کے بعد ارواح طیبہ کو لذتوں کا حاصل ہونا اور ان کے احساس کا زائد ہو جانا شریعت سے ثابت ہے۔ اور اس خوشبو کی اصل میت کے پاس خوشبو سنگانے اور اس کے کفن وغیرہ کو بخور کرنے سے نکلتی ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے ویوضع علی سریره مجمر وتراً الی سبع فقط لکفنه وعند موته فهی ثلاث لاخلفه ولا فی القبر انتهی کلامه۔

اسی طرح مزارات پر پھول چڑھانا بھی جائز ہے اور جب تک وہ تر رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں جس سے میت کو نفع حاصل ہوتا ہے۔ اس کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز شاخ کے دو حصے کر کے دو قبروں پر نصب فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ تر رہیں گی ان کی تسبیح سے صاحب قبر کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اس حدیث کا حوالہ علامہ شامی نے قبر کے اوپر کی تر گھاس کے کاٹنے کی علت کراہت میں دیا ہے۔ اقول[5] ودلیله ما ورد فی الحدیث من وضعه علیه الصلوٰة والسلام الجریدة الخضراء بعد شقها نصفین علی القبرین اللذین یعذبان وتعلیله بالتخفیف عنهما ما لم ییبسا ای یخفف عنهما ببرکة تسبیحها اذ هو اکمل من تسبیح

[5] حاشیہ صفحہ ۵۷ پر

اور بعضوں نے اس میں کوئی حرج نہیں قرار دیا ہے کہ کوئی شخص گائے تاکہ قوافی اور فصاحت حاصل کرے بعض علماء نے تنہا آدمی کے لیے اپنی تنہائی دور کرنے کی غرض سے نہ کہ بطور تفریح کے گانے کو جائز قرار دیا ہے اور اسی کی طرف علامہ سرخسی کا رجحان ہے۔ اور بدائع میں لکھا ہے کہ خوشی کے اوقات میں خوشی کو زیادہ کرنے کے لیے بشرطیکہ خوشی مباح ہو گانا مباح ہے جیسے عید کے دن گانا، شادی میں گانا، کسی غائب آدمی کے آنے کے موقعہ پر گانا، ولیمہ، عقیقہ، ولادت، ختنہ اور حفظ قرآن کی تقریب کے موقعہ پر گانا وغیرہ۔

حاشیہ صفحہ ۵۳

[5] اور بعض فقہاء نے صالحین اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر چادر ڈالنا عمامے اور کپڑے رکھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ فتاویٰ الحجہ میں ہے قبروں پر چادر ڈالنا مکروہ ہے الخ۔ لیکن ہمارا کہنا ہے کہ اس تعلق میں اگر چادر ڈالنے مقصود یہ ہو کہ صاحب

Marfat.com

الیابس لما فی الاخضر من نوع الحیات۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ان امور کے متعلق اپنے فتاویٰ میں جو تحریر فرمایا ہے اس کی نقل اپنے جواب کے ساتھ لکھے دیتا ہوں۔ شاہ صاحب محدث اپنے فتاویٰ میں بعض علماء کے جواب کی رد میں تحریر فرماتے ہیں قولہ عرس بزرگان خود را الخ ایں طعن مبنی است بر جہل با حوال مطعون علیہ زیراکہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچ کس فرض نمیداند آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں باہداء ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی مستحسن و خوب است باجماع علماء۔ و تعیین روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار ثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است و خلف را لازم است کہ سلف خود را بایں نوع بر و احسان نماید چنانچہ در احادیث مذکور است ولد صالح یدعولہ و در درمنثور سیوطی مرقوم است اخرجہ ابن منذر و ابن مردویہ عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی احدًا کل عام فاذا تفوہ الشعب سلم علی قبور الشہداء و قال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار واخرج ابن جریر عن محمد بن ابراہیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشہداء علی راس کل حول الحدیث و فی التفسیر الکبیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشہداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون انتہی۔ اور اسی کتاب میں ہے۔ و نہادن گل و خوشبو بر قبرہا خود از آں است کہ کفن میت را بخوشبو و کافور و دیگر چیزہا از ایں جنس مثل حنوط یعنی ارگجہ آمدہ است و حالانکہ میت در قبر است ایں چیزہا بر قبر می نہند تا مشابہت میت تازہ بہم رسد و محتمل است کہ از ایں نہادن خوشبو سرور بمیت میرسد زیراکہ دریں حالت روح بیاز تلذذ باستعمال خوشبو می شود و روح باقی است، ہر چند آلہ وصول خوشبو بروح در حالت زندگی کہ قوت شامہ است مفقود است اما قیاسًا بر لذات کہ میت را می رسد بعد موت از روئے شرع ثابت

ؐ حاشیہ صفحہ ۵۸ پر

مزار کی عظمت عوام کی نگاہوں میں پیدا ہو تاکہ وہ صاحب مزار کی تحقیر نہ کریں اور خشوع حاصل کرنے کے لیے اور بے پیدا زائرین کو ادب سکھانے کے لیے ہو تو چادر ڈالنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اعمال کا تعلق نیتوں سے ہوتا ہے اگرچہ چادر ڈالنا نئی بات کیوں نہ ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فقہا کا کہنا ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف وداع کرنے کے بعد حاجی الٹا لوٹے یعنی منہ خانہ کعبہ کی طرف کیے ہوئے الٹا واپس ہو۔ یہاں تک کہ مسجد حرام سے باہر آ جائے۔ اس طرح سے لوٹنا خانہ کعبہ کے احترام و اجلال کی غرض سے ہے یہاں تک کہ منہاج السالکین میں لکھا ہے کہ الٹے واپس ہونے کے بارے میں نہ کوئی حدیث منقول ہے اور نہ کسی صحابی کا کوئی قول روایت کیا گیا ہے باوجود اس کے ہمارے علماء نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اھ۔

ؐ علامہ عینی شرح بخاری میں حضرت عائشہ کی حدیث "کانوا یصوتون عامنو وا الخ" کے تحت لکھتے ہیں: ۔۔ عبدالرزاق

Marfat.com

یعنی لذتہائے عالم کہ در احادیث صحیحہ آمدہ است کہ فیما بینہ من دو جہا و طیبہا و در حق شہدا
در قرآن مجید وارد است یُرزقون فرحین اثبات می تواند نمود۔

ان امور کے جاننے کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر چادر ڈالنا، اور پھول یا صندل وغیرہ چڑھانا یا مزارات کے قریب خوشبودار چیزوں کا جلانا درست ہے اور عرس کے موقع پر قوالی کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ قوالی کی وجہ سے کسی فرض یا واجب کے ترک ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو۔

بزرگوں یا پیروں کے سامنے محفل سماع میں جو روپیہ پیش کیا جاتا ہے اس روپیہ کے متعلق پیش کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر اس کی نیت یہ ہو کہ یہ روپیہ اس بزرگ یا پیر کے ہاتھوں گانے والے کو بطور ہبہ دے دیا جائے تو یہ بزرگ اور پیر سفیر و وکیل ہوں گے ان سے جب قوال کو مل جائے گا تو وہ قوال کا ہو جائے گا اور اگر اس کی نیت یہ ہو کہ روپیہ اس بزرگ یا پیر کا ہو جائے تو وہ روپیہ اس بزرگ یا پیر کا ہو جائے گا اس کو اختیار ہو گا اس میں تصرف کرنے کا۔ ظاہر حال کے اعتبار سے روپیہ پیش کرنے والا اس شخص خاص کو بطور ہبہ روپیہ دیتا ہے جس کے ہاتھ میں روپیہ دیا ہے۔

اس پیش کش کو نذر شرعی سمجھنا صد درجہ جہالت ہے کہ نذر کسی مباح چیز کو اپنے اوپر (الفاظ مخصوصہ کے بولنے کے ساتھ) لازم کر لینے کو کہتے ہیں اور نذر کی صحت کے لیے شرعاً یہ شرط ہے کہ منذور کسی واجب شرعی کی جنس سے ہو اور ظاہر ہے کہ روپیہ کا پیش کرنے والا نہ تو ایسے الفاظ کہتا ہے جس سے شرعاً لزوم کے معنی سمجھے جاتے ہوں اور نہ وہ شخص روپیہ دینے کو اپنے اوپر لازم و ضروری سمجھتا ہے، لہذا یہ روپیہ نذر شرعی نہ ہوگا اور اس قسم کے ہدایا کو نذر سمجھ کر حرام ٹھہرانا مصطلحات شرعیہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اور چونکہ فارسی میں نذر اس نقد و جنس کو بھی کہتے ہیں جس کو امراء و سلاطین کی خدمت میں گزار کر ان سے ملاقات کی جائے جیسا کہ غیاث میں ہے۔ نذر بفتح نون و سکون ذال معجمہ

۵۱ حاشیہ صفحہ ۱۱ پر

نے ابن جریج سے روایت کرتے ہوئے کہا ہو کہ ابن جریج نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت عمر خانہ کعبہ کو مصری کپڑے کا غلاف پہناتے تھے اور ایک سے زیادہ حضرات نے مجھے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان نے خانہ کعبہ کو مصری کپڑے اور یمن کی نقشی چادر کا غلاف پہنایا، سب سے پہلے جس شخص نے ریشمی غلاف خانہ کعبہ کو پہنایا وہ خلیفہ عبدالملک بن مروان تھا، اس خلیفہ کے زمانے میں جو فقہا تھے انھوں نے ریشمی غلاف پہنانے پر اظہار پسندیدگی کیا تھا اور کہا تھا کہ "اس سے بڑھ کر مضبوط کوئی اور غلاف ہمارے خیال میں نہیں ہو سکتا ہو" پھر مصر کے فاطمی خلفاء کے زمانے میں سفید ریشم کا غلاف خانہ کعبہ کو پہنایا گیا اور سلطان محمود غزنوی نے زرد ریشم کا غلاف خانہ کعبہ کو پہنایا، اور خانہ کعبہ کو غلاف پہنانے کا سلسلہ برابر جاری رہا بادشاہان وقت خانہ کعبہ کو یکے بعد دیگرے غلاف پہناتے رہے یہاں تک کہ

بیاں وانچہ بر خود واجب گردانند مثل روزہ وصدقہ برائے خدائے تعالیٰ وطعام فاتحہ روح بزرگاں وانچہ از نقد وجنس پیش امراء وسلاطین گزرانیدہ ملاقات کنند۔

لہٰذا اس مناسبت سے آج کل ہندوستان کے عرف عام میں نذر کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کے دیتے وقت موہوب لہ کے سامنے اپنی خوردی کا اظہار کیا جائے اسی بنا پر اس روپیہ کو بھی زبان اردو میں نذر کہتے ہیں جو کسی بزرگ کی خدمت میں اپنی خوردی ظاہر کرتے ہوئے پیش کیا جائے اس کا کوئی تعلق نذر شرعی سے نہیں ہے اور اس قسم کے ہدایا کو جن پر زبان اردو کے لحاظ سے نذر کا اطلاق کیا جاتا ہے نذر لغیر اللہ سمجھ کر حرام ٹھہرانا بالکل جہالت ہے۔ اشباہ ونظائر میں ہے[1]

فصل فی تعارض العرف مع الشرع فاذا تعارضا قدم عرف الاستعمال خصوصاً فی الایمان فاذا حلف لا یجلس علی الفراش او علی البساط او لا یستضیئی بالسراج لم یحنث بجلوسہ علی الارض ولا بالاستضاءۃ بالشمس وان سماھا اللہ تعالیٰ فراشا وبساطا وسمی الشمس سراجا۔

اور تمام کتب فقہ میں عرف عام پر احکام شرعی کا جاری ہونا اور اس کو اصل شرعی قرار دینا بھی بصراحت مذکور ہے۔

مسئلہ:۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اکثر آیات قرآنیہ مخصوص فوائد کے لیے تجربہ میں آچکی ہیں مثلاً شفائے مریض یا حصول اولاد، اسی طرح اور دیگر امور کے واسطے بھی، تو کیا کسی کافر کو کوئی آیت یاد کرائی جا سکتی ہے تاکہ اس سے وہ مخصوص فائدہ اٹھا سکے، دوسرے اکثر آیات کی قاعدہ کے ساتھ تکسیر کر کے نقوش پر کیے جاتے ہیں تو وہ نقوش تعویذ کے طور پر کفار کو دیے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا بالکتاب وتوجروا بیوم الحساب۔

ھو المصوب:۔ قاضی خاں میں ہے۔[2] کافر من اھل الذمۃ طلب من مسلم ان یعلمہ القرآن والفقہ قالوا لا باس بان یعلم القرآن والفقہ فی الدین لانہ عسی ان یھتدی الی الاسلام فیسلم۔ پس صورت مسئولہ میں کافر کو زبانی آیت یاد کرانا درست ہے۔ وہ نقوش عددی قرآن

[1] حاشیہ صفحہ ۱۶۱ پر

اسماعیل نے ۱۳۰۰ھ میں قاہرہ کے اطراف کا ایک پورا گاؤں اس کے لیے وقف کر دیا اور جب سے اب تک اس وقف سے خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا رہتا ہے۔ حاشیہ صفحہ ۵۳

لہ اور رکھا جائے میت کو اس تخت پر جس کو زیادہ سے زیادہ طاق مرتبہ خوشبو سے بسایا گیا ہو جیسے میت کے کفن کو طاق بار بسایا جاتا ہے۔ اور مرنے کے وقت بسایا جاتا ہے تو خوشبو سے بسانا تین بار ہونا چاہیے۔ اس کے بعد یا قبر میں نہ بسانا چاہیے۔

[2] میں کہتا ہوں کہ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے ایک تر و تازہ شاخ کو دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ان دو قبروں پر رکھ دیا جن کے مردوں کو عذاب دیا جا رہا تھا اور اس رکھنے کی وجہ یہ بتائی کہ جب تک یہ شاخ سوکھے گی نہیں مردوں پر عذاب میں تخفیف رہے گی یعنی تر و تازہ شاخ کی تسبیح کرنے کی برکت سے

Marfat.com

نہیں ہیں اس لیے ان کا چھونا کافر کو درست ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ کس طرح کیا تھا۔

جواب۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ اپنے ہاتھ سے اپنی بسولی یا کلہاڑی سے کیا تھا۔ تاریخ خمیس میں ہے۔ "عن عکرمۃ اختتن ابراہیم وھو ابن ثمانین سنۃ فادحی اللہ تعالیٰ الیہ انک اکملت ایمانک الا بضعۃ من جسدک فالقما فختتن نفسہ بالفاس" کلہاڑی

اور ایک روایت یہ بھی ہے "وختتن نفسہ بالقدوم"۔ بسولی

مسئلہ۔ حکومت نجد یا ابن سعود اور اس کے ابناء کی تعریف و توصیف کرنا کیسا ہے۔ مسلمانوں کو اس کی نصیحت اور تبلیغ کرنا کہ وہ حکومت نجد سے ربط و اتحاد پیدا کریں کیسا ہے ہماری مسجد کے امام شیخ احمد یوسف نے اگلے جمعہ میں مسلمانوں کے مجمع میں نماز جمعہ کے بعد ایک تقریر کی جس میں انھوں نے ابن سعود اور اس کے ابناء کی بہت مدح سرائی کی ایسا امام قابل امامت ہے یا نہیں اور کیا اس کو امامت سے معزول کیا جا سکتا ہے۔

ابن سعود کافر ہے یا نہیں۔

جواب۔ ابن سعود اور اس کے اخوان جو اپنے سوا تمام مسلمانوں کو معاذ اللہ مشرک جانتے ہیں، اپنے کو حنبلی کہتے ہیں، جنھوں نے مسلمانوں پر علم جہاد بلند کیا تھا اور مسلمانوں کے خون سے اپنی تلواروں کو رنگا تھا خوارج ہیں۔ جیسا کہ علامہ شامی خوارج کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں۔ "کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوہاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذہب الحنابلۃ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذلک قتل اہل السنۃ" اور خوارج جمہور فقہا کے نزدیک حکم میں بغاۃ کے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔ "وحکمھم عند جمہور الفقہاء وجمہور اہل الحدیث حکم البغاۃ"۔

بناءً علیہ حکومت سعودیہ نجدیہ خوارج و بغاۃ کی حکومت ہے جس کی تعریف جائز نہیں ...

مردوں پر عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اس لیے کہ تر و تازہ شاخ کی تسبیح خشک شاخ کی تسبیح سے مکمل تر ہے اس لیے کہ تازہ شاخ میں ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے۔

حاشیہ صفحہ ۵۵

۱؎ جن پر اعتراض کیا گیا ہے ان کے حالات سے بے خبری پر یہ اعتراض مبنی ہے اس لیے کہ مقررہ شرعی فرائض کے علاوہ اور کسی چیز کو کوئی بھی فرض نہیں سمجھتا ہے۔ صالحین کی قبروں کی زیارت کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنا اور تلاوت قرآن کے ثواب اور دعائے خیر کے ذریعہ اور کھانا اور مٹھائی تقسیم کر کے صالحین کی روح کو نفع پہونچانا علماء کے اجماع کے مطابق مستحسن اور اچھا ہے۔ اور عرس کا تعین صرف اس لیے ہے کہ وہ دن اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ صاحب عرس نے اس دن دار العمل (دنیا) سے دار ثواب (آخرت) کی طرف کوچ کیا۔ یوں تو جس روز بھی وہ عمل کیا جائے، جو عرس کے دن کیا جاتا ہے تو وہ

اس حکومت نے کوئی اچھا کام کیا ہو تو اس کو بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، خوارج کی تعریف کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ ابناء ابن سعود اگر اپنے باپ کے ہم عقیدہ ہیں تو اُن کی تعریف کا بھی یہی حکم ہوگا۔ اور اگر ان کے اعتقادیات خوارج کے ایسے نہیں تو انکی تعریف و تعظیم میں کوئی حرج نہیں۔

اگر حکومت نجدیہ کے ساتھ مسلمانوں کو اتحاد پیدا کرنے میں مصالح مسلمین وابستہ ہوں تو اتحاد کی نصیحت کرنا یا مسلمانوں کا ان سے متحد ہو کر کام کرنا جائز ہے اس لیے کہ خوارج بہرحال حربیوں سے کمتر ہیں اور حربیین سے ایسے وقت مصالحت کرنا جائز ہے جبکہ مسلمانوں کو فائدہ پہونچتا ہو۔

ہدایہ میں ہے [۱] واذا رای الامام ان یصالح اہل الحرب او فریقا منہم و کان ذلک مصلحۃ للمسلمین فلا باس بہ لقولہ تعالیٰ وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ ووادع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکۃ عام الحدیبیۃ الحدیث۔ تو خوارج سے ایسے وقت مصالحت کرنا بدرجۂ اولیٰ درست ہوگا۔

شیخ احمد یوسف نے اگر حکومتِ نجدیہ اور ابن سعود اور اس کے ابنا کی تعریف حصول دُنیا کے لیے کی تھی تو غلطی کی۔ امام مذکور کو توبہ کرنا چاہیے۔ اور اگر ان کی تعریف سے تعظیم مسلم اور اکرام مسلم کا ارادہ تھا تو کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ بعض علماء اس کو بھی مکروہ جانتے ہیں۔ بہرحال امام مذکور کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہوگا اور مکروہِ تحریمی صغائر سے ہے۔ جب تک اُس فعل پر اصرار اور ادمان نہ ہو تو اس کا فاعل فاسق غیر عادل نہ ہوگا۔

شامی میں ہے [۲] اقول صرح العلّامۃ ابن نجیم فی رسالۃ المولفۃ فی بیان المعاصی بان کل مکروہ تحریما من الصغائر و صرح ایضا بانہم شرطوا لاسقاط العدالۃ بالصغیرۃ الادمان علیہا۔

پس جبکہ یہ فعل عدالت کو ساقط نہیں کرتا تو امام مذکور کو معزول کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں، البتہ امام کو لازم ہے کہ وہ عہد کرے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔

ابن سعود اور اُس کے متبعین خوارج و بغاۃ کے حکم میں ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک کافر نہیں۔

موجب فلاح و نجات ہو آنے والی نسلوں کو چاہیے کہ وہ گزر جانے والی نسلوں کو اسی قسم کی بھلائیوں اور احسانوں کے ذریعہ یاد کرتی رہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "نیک بخت لڑکا جو اپنے باپ کی مغفرت کی دعا کرتا ہے۔" سیوطی کی درمنثور میں ہے کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کوہ احد تشریف لے جایا کرتے تھے جہاں شہدائے جنگ احد کے مزارات ہیں۔ جب پہاڑ کی گھاٹی میں داخل ہوتے تو شہدائے اُحد کی قبروں پر سلام کرتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اور ابن جریر نے محمد بن ابراہیم سے پوری روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال میں ایک بار شہدائے اسلام کی قبروں پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور تفسیر کبیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے کہ آپ سال میں ایک بار شہدائے

---

[۱] حاشیہ صفحہ

علامہ شامی وحکمھم حکم البغاۃ باجماع الفقھا کما حققہ فی الفتح کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔
حیث قال وحکم الخوارج عند جمھور الفقھاء والمحدثین حکم البغاۃ وذھب بعض المحدثین
الی کفرھم قال ابن المنذر ولا اعلم احدا وافق اھل الحدیث علی تکفیرھم وھذا یقتضی
نقل اجماع الفقھا وقد ذکر فی المحیط ان بعض الفقھاء لا یکفر احدا من اھل البدع
وبعضھم یکفر من خالف منھم ببدعۃ دلیلا قطعیا ونسبہ الی اکثر اھل السنۃ والنقل
الاول اثبت" اور جب تک مسلمان کے کلام کو محمل صحیح پر محمول کر سکیں یا اس مسلم کے کفر پر علماء کا اختلاف
ہو یا روایت ضعیفہ کی بنا پر اس کا کفر نہ ثابت ہوتا ہو تو اس وقت تک مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہ دینا
چاہیے۔ علامہ شامی بحر سے نقل کرتے ہیں۔ والذی یحرر انہ لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ
علی محمل حسن او کان فی کفرہ اختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ فعلی ھذا فاکثر الفاظ
التکفیر المذکورۃ لا یفتی بالتکفیر فیھا اور اسی کتاب میں خلاصہ سے مذکور ہے اذا کان فی
المسئلہ وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنعہ فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ الذی
یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم زاد فی البزازیۃ الا اذا صرح بارادۃ موجب الکفر
فلا ینفعہ التاویل۔

مسئلہ:۔ جو کھانا سڑ جائے اور اس میں بدبو پیدا ہو جائے تو اس کا کھانا درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ کھانے کی چیز اگر سڑ جائے اور بو دے تو اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے اس وجہ سے
کہ اس کے کھانے سے نقصان ہوتا ہے، بیماری پیدا ہوتی ہے اور وہ چیز نجس نہیں ہوتی۔ ان الطعام
اذا تغیر واشتد تغیرہ یتنجس والصحیح ما فی النھایۃ من انہ لا ینجس وان حرم اکلہ
للایذاء (بحر نقلا عن الذخیرۃ)

مسئلہ۔ انگریزی سنٹ لگا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ چونکہ اسپرٹ نجس ہے ولیہ یعلم ان ماینقطر من دردی الخمر وھو المسمی
بالعرق فی ولایۃ الروم نجس حرام کسائر اصناف الخمر اس لیے جس چیز میں اسپرٹ (جو شراب

اسلام کی قبروں پر تشریف
لے جایا کرتے، اور
السلام علیکم بما
صبرتم فنعم
عقبی الدار فرمایا
کرتے۔ اسی طرح خلفائے
راشدین بھی کرتے تھے۔
اور قبر پر پھول اور
خوشبو رکھنا اس اصل سے
ماخوذ ہو کہ کفن کو خوشبو
کا نوا اور اس قسم کے
خوشبودار مرکبات سے
بسانا شریعت میں آیا ہے
اگرچہ مردہ قبر کے اندر
ہوتا ہے اور یہ چیزیں
قبر کے اوپر رکھی جاتی
ہیں تاکہ تازہ میت
سے مشابہت پیدا
ہو جائے اور ہو سکتا ہے
کہ اس خوشبو رکھنے سے
میت کو سرور حاصل ہو اس
لیے کہ اس حالت میں خوشبو
کے استعمال سے روح کو
بہت لطف حاصل ہوتا ہے
اور روح باقی (غیر فانی)
ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زندگی
میں روح تک خوشبو کے
پہنچنے کا ذریعہ تھا
یعنی سونگھنے کی قوت
وہ اب نہیں مگر مرنے
کے بعد میت کو دنیا کی
لذات کا پہونچنا ثابت
ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث
میں آیا ہے کہ "میت کے
لئے جنت کی خوشبو اور
ہوا آتی ہے اور جیسا کہ
قرآن شریف میں [illegible]

بقیہ حاشیہ صفحہ

…ے کشید کی جاتی ہے) ملائی جائے وہ بھی نجس ہوگی پس اگر سنٹ میں اسپرٹ ملائی جائے وہ بھی نجس ہوگی اور اس کو لگا کر نماز پڑھنا درست نہیں، اور اگر اسپرٹ یا کوئی دوسری نجس چیز اس میں نہیں ملائی جاتی تو پاک ہوگی اور اس کو لگا کر نماز پڑھنا درست ہے۔

مسئلہ۔ جماعتِ خاکسار میں عام مسلمان کثرت سے داخل ہوتے چلے جاتے ہیں مسلمانوں کا اس جماعت میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں، بانی جماعت خاکسار کی کتاب تذکرہ بغرض ملاحظہ روانہ ہے۔

جو لوگ تحریک خاکسار کی تبلیغ کرتے ہیں اُن کی مالی اعانت کرنا کیسا ہے۔

جواب۔ بانی جماعتِ خاکسار کی کتاب تذکرہ نظر سے گزری اس کتاب میں بعض چیزیں کفر صریح ہیں اور بعض باتیں ضلالت وگمراہی کی ہیں جو مصنف کتاب کے کفر، الحاد اور زندقہ پر دال ہیں ایسے شخص کی اتباع کرنا سخت گناہ اور بے دینی ہے۔ جو اشخاص اس کی کفریہ باتوں کی اتباع کرتے ہیں وہ بھی کافر ہیں اور جو ناواقف مسلمان اس کے عقائد واعمال سے ناواقف ہیں صرف اس کی جماعت میں شریک ہیں وہ بھی گناہ گار ہیں کیونکہ وہ لوگ اس جماعت کو بڑھانے والے اور اعانت کرنے والے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو اس جماعت سے علیحدہ ہو جانا ضروری ہے اور دوسرے مسلمانوں کو اس میں داخل ہونا گناہ ہے۔ باقی فرقہ ضالہ اور اس کے متبعین کو توبہ کرنا اور تجدید ایمان کرنا لازم ہے۔

اس کتاب پر عمل کرنے والے، اس کی تبلیغ کرنے والے گناہ گار ہیں بلکہ ان کے ایمان اور اسلام میں خطرہ ہے۔ اس جماعت کے عاملین اور مبلغین کی مدد کرنا یعنی جو اس کتاب کی کفریات پر عمل کرتے ہیں اور ان کی تبلیغ کرتے ہیں ان کی مدد کرنا اور ان کی تحریک واسد یعنی کفریات وضلالت میں شامل ہونا اعانت علی الاثم ہے مسلمانوں کو ایسی جماعت سے جو کفریات پر عمل کرتی ہے اور تبلیغ کرتی ہے پرہیز کرنا چاہیے۔

رہی جماعتِ خاکسار تو اگر یہ جماعت ان باتوں کی تبلیغ کے لیے قائم کی گئی ہے تو اس

…کے حق میں آیا ہے کہ رزق دیا جاتا ہے ان کو مزے اور خوشی میں ہیں وہ [illegible] پر قیاس کرکے قبروں پر خوشبو اور پھول چڑھانا کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ صفحہ ۵۶

۵ نذر، عہد اور [illegible] امر جو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے جیسے خدائے تعالیٰ کے لیے روزہ اور خیرات لازم کر لینا۔ اور نذر کے معنی بزرگوں کے ہاتھ کا کھانا اور نقد اور جنس کی قسم سے جو کچھ حکام اور بادشاہوں کے سامنے ملاقات کے وقت پیش کیا جائے۔

حاشیہ صفحہ ۵۷

۵ عرف اور عرف [illegible] میں جب تعارض [illegible] ہو تو عرف [illegible] کو ترجیح دی جائے [illegible] کے سلسلے میں تو سلاکی نے قسم کھائی کہ [illegible] پر نہیں بیٹھے گا [illegible] روشنی حاصل نہیں کرے گا تو زمین پر بیٹھ [illegible] سے روشنی حاصل کرنے سے قسم توڑنے والا نہیں [illegible]

۵ کسی ذی غیر مسلم [illegible]

جماعت میں شرکت سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے اور اگر یہ جماعت اُن گمراہ کن باتوں کی تبلیغ کے لیے قائم نہیں کی گئی ہے تو اس جماعت کو کافر کہنا بہت بڑی جرأت ہے بلکہ غلطی ہے۔

مسئلہ۔ مشاعرہ میں جانا کیسا ہے۔

جواب۔ جن اشعار میں فسق و فجور کی باتیں ذکر کی جائیں اُن کا کہنا اور سننا جائز نہیں۔ اور جن اشعار میں فسق و فجور کی باتیں نہ ہوں اُن کا کہنا اور سننا مباح ہے۔ واشعار العرب لو فیہا ذکر الفسق تکرہ ای تکرہ قرأتہا فکیف التغنی بہا قال فی التاتارخانیۃ قر الاشعار ان لم یکن فیہا ذکر الفسق والغلام لاتکرہ۔ صورت مسؤلہ میں بزم مشاعرہ میں عموماً شرکت ان ہی دو حیثیتوں سے ہوتی ہے (۱) شرکت کرنے والا خود قاری ہو (۲) شرکت کرنے والا سامع ہو۔ دونوں کا حکم اوپر کے جواب سے معلوم ہوگیا۔

مسئلہ۔ فال سے کیا مراد ہے۔ آیا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب۔ فال عربی زبان میں اچھا کلمہ یا اچھا نام سن کر اچھے مقصد حاصل ہونے کی توقع کرنے کو کہتے ہیں اور برا کلمہ یا برا نام سن کر برائی اور نحوست کی توقع کرنے کو طیرہ کہتے ہیں، اور اردو زبان میں فال کا لفظ فال نیک اور فال بد دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ شرع میں فال بد لینے کو منع فرمایا گیا ہے اور فال نیک لینے کی اجازت دی گئی ہے مشکوۃ میں صحیحین سے بروایت ابوہریرہ منقول ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اسلام میں بدشگونی نہیں ہے (یعنی عرب کا دستور تھا کہ جانوروں کے اڑنے اور ان کی آواز سے بدشگونی اور بد فالی لیتے تھے تو اس کی ممانعت کی گئی) اور فال لینا بہتر ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ فال نیک کسے کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا کلمہ سن کر اپنے مقصد حاصل ہونے کی توقع کرنا، مثلاً کوئی بیمار اپنے گھر سے نکلا راستہ میں اس نے ایک شخص سے ملاقات کی جس کا نام سالم تھا تو اس بیمار کا سالم سے ملاقات کرنے پر اپنی تندرستی کی توقع کرنا فال نیک ہے۔

کبھی مسلمان سے خواہش کی کہ اسے قرآن پڑھادے یا فقہ سکھادے تو علماء کا کہنا ہو کہ اس سکھانے اور پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ شاید وہ اس طرح اسلام کی طرف ہدایت پا جائے اور مسلمان ہو جائے۔

حاشیہ صفحہ ۵۸

۵۱ عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم نے اسی سال کی عمر میں پہنچ کر ختنہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی تھی کہ تم نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا ہو البتہ تمہارے جسم کا ایک جزو ایسا ہے کہ اس کو نکال پھینکو تو حضرت ابراہیم نے کلہاڑی سے خود اپنا ختنہ کیا اور ایک روایت کے مطابق بسولی سے اپنا ختنہ خود کیا۔

۵۰ موجودہ حکومت سعودیہ کے ارباب اقتدار کا طریقہ کار چونکہ اپنے پیش روؤں سے مختلف ہے اس لیے اس مسئلے کے جواب کو ان پر منطبق نہ کیا جائے۔ ۱۲ (مرتب)

۵۲ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں (علامہ شامی کے زمانے یعنی تیرہویں صدی ہجری میں) عبدالوہاب نجدی کے پیروؤں میں وقوع پذیر ہوا یہ لوگ

Marfat.com

کتبِ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فالِ نیک لیتے تھے اور فالِ بد نہیں لیتے تھے۔

البتہ چوری وغیرہ پر کسی چور کا نام نکلوانا بالکل لا اصل ہے اور اس پر اعتبار کرنا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ۔ بیمہ کرانا کیسا ہے۔

جواب۔ بیمہ کرانا مطلقاً درست نہیں ہے۔

مسئلہ۔ سالانہ جلسہ کے موقع پر ہمارے مدرسہ میں طلبا وغیرہ کو بٹھا کر تصویر لی جاتی ہے اور طلبا کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی تصویر کھنچوائیں، لہٰذا یہ جائز ہے یا نہیں۔

صرف چہرے کی تصویر کھنچوانا یا مدرسہ میں طلبا سے صرف چہرے کی تصویر بنوانا جائز ہے یا نہیں

جواب۔ چونکہ ذی روح کی تصویر بنانا صاحب شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اور قیامت کے دن تصویر بنانے والے کے لیے عذاب کی وعید ارشاد فرمائی ہے اس لیے علما نے تصویر بنانے کو گناہ کبیرہ میں داخل کیا ہے۔ اور چونکہ تصویر ذی روح کا بنانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے لہٰذا اس میں مدد کرنا اعانۃ علی المعصیۃ کی وجہ سے شرعاً درست نہیں، پس صورت مسئولہ میں تصویر کھنچانے والے کا جان بوجھ کر کیمرہ (آلۂ تصویر کشی) کے سامنے بیٹھنا جائز نہیں اور کسی اسلامی ادارہ کو جائز نہیں کہ وہ تصویر کھنچوانے کے لیے طلبا کو مجبور کرے۔

ذی روح کے صرف چہرے کی تصویر بنانے میں علما کا اختلاف ہے بعض علما اس کی تصویر بنانے میں کوئی حرج نہیں جانتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کے بنانے کا وہی حکم ہے جو تصویر ذی روح کے بنانے کا حکم ہے۔

پس انسان کے چہرے کی تصویر بنانے سے پرہیز کرنا چاہیے اور اپنے چہرے کی تصویر کھنچوانے سے بھی پرہیز مناسب ہے۔

مسئلہ۔ سینما دیکھنا کیسا ہے۔

نجد سے آ کر حرمین شریفین پر قابض ہو گئے، یہ فقہ میں اپنے کو حنبلیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ وہی صرف مسلمان ہیں اور جو لوگ عقائد میں ان کے موافق نہیں ہیں وہ سب مشرک ہیں اسی بنا پر انھوں نے اہلسنت کا قتل جائز سمجھ لیا ہے۔

ص ۵ اور تمام فقہا اور محدثین کے نزدیک خارجی باغیوں کے حکم میں ہیں۔

حاشیہ ص ۵۹

۱۔ جب امام (بادشاہ وقت) مسلمانوں سے جنگ کرنے والوں یا ان میں کے کسی ایک فریق سے صلح کرنے میں مسلمانوں کا مفاد اور مصلحت دیکھے تو اس صلح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن شریف کے اس ارشاد کے مطابق - جب غیر مسلمین صلح کے لیے جھکیں تو اے پیغمبر! آپ بھی اس کے لیے جھکیں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر اہل مکہ سے مصالحت کی تھی

ص ۵ میں (علامہ شامی)

جواب ۔ ذی روح کی تصویر اگر ممتہن ہو (مثلاً ایسے بچھونے اور فرش پر بنی ہو جس پر نشست و برخاست ہوتی ہے یا ایسے تکیہ وغیرہ پر بنی ہو جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے یا ٹیک لگانے کیلئے وہ تکیہ گھر میں رکھا ہو) یا مستور ہو (مثلاً تصویر پر پردہ ڈال دیا جائے یا وہ اخبار کے درمیان میں ہو یا پہلے اور آخری صفحہ پر ہو لیکن تصویر کو کسی کتاب یا کاغذ وغیرہ سے چھپا دیا گیا ہو) یا اتنی چھوٹی ہو کہ وہ تصویر اگر زمین پر رکھ دی جائے تو کھڑے ہو کر دیکھنے والا اس کے اعضا کو بغیر غور کیے دیکھ نہ سکے۔ (مثلاً سب سے چھوٹی چڑیا سے بھی اس کی جسامت کم ہو) یا اس تصویر کا کوئی ایسا عضو غائب ہو کہ حیوان کا بغیر اس عضو کے زندہ رہنا ناممکن ہو (مثلاً صرف چہرے کی تصویر ہو اور باقی حصۂ جسم غائب ہو یا تصویر کے وسط میں اتنا بڑا سوراخ ہو کہ ذی روح کے پیٹ میں اگر اتنا بڑا سوراخ کر دیا جائے تو اس کا زندہ رہنا ناممکن ہو جائے) یا تصویر کا کوئی ایسا عضو جس کے بغیر حیوان کا زندہ رہنا ناممکن ہو مٹا دیا گیا ہو تو ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا جائز ہے اور اس کو دیکھنا بھی جائز ہے۔ اور اگر ذی روح کی تصویر اس طرح نہ ہو یعنی ذی روح کی پوری تصویر ممتہن، مستور، صغیر و محوّ العضو نہ ہو تو اس کا گھر میں رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے دیکھنے کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ ان کا دیکھنا عمداً نہ ہو بلا ارادہ اُن پر نظر پڑ جائے تو اس طرح دیکھنا جائز ہے، دوسرے یہ کہ ان کا دیکھنا عمداً ہو، پس اگر اُن تصاویر کو بہ نظر تحسین دیکھا جائے یا اُن سے نشاط اور دلچسپی حاصل کی جائے تو مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر ان تصاویر کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جائے تو جائز ہے اور اگر حقارت و نفرت کی نظر سے نہ دیکھا جائے اور نہ بنظر تحسین دیکھا جائے تو بھی اُن تصاویر منکرہ کا دیکھنا کراہت سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۔ جوز کا کھانا درست ہے یا نہیں۔

جواب ۔ جوز مفتر عقل ہے جبکہ وہ زائد مقدار میں استعمال کیا جائے اور اگر تھوڑا جوز دوا یا خوشبو وغیرہ کے لیے کسی شے میں ڈال دیا جائے یا استعمال کیا جائے تو کوئی حرج

کہتا ہوں کہ علامہ ابن نجیم نے اپنی تالیف میں جو گناہوں کے بیان میں ہے صراحت کی ہے کہ ہر مکروہ تحریمی چھوٹے گناہوں میں ہے اور انھوں نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ علماء نے کسی کے قابل گواہی نہ رہنے کی شرط رکھی ہے کہ وہ گناہ صغیرہ مستقل طور پر کرتا رہے (محض گناہ صغیرہ کا ارتکاب فاسق اور ناقابل گواہی نہیں بناتا)

حاشیہ صفحہ

۵ یہ جو کہا کہ اور جمہور فقہا اور محدثین کے نزدیک خوارج باغیوں کے حکم میں ہیں بعض محدثین خارجیوں کے کفر کی طرف گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ابن المنذر کا کہنا ہے کہ میرے علم میں ایک بھی عالم ایسا نہیں ہے جس نے خارجیوں کو کافر گرداننے میں محدثین کی تائید کی ہو، اور کافر گرداننے کے لیے فقہا کا اجماع درکار ہے اور محیط میں ہے کہ بعض فقہا بدعتیوں میں سے کسی کو کافر نہیں ٹھہراتے اور بعض فقہا دلیل قطعی

Marfat.com

نہیں ہے۔

مسئلہ۔ زید ایک بالکل ناخواندہ آدمی ہے لیکن اس کی عادت ہے کہ وہ مجالس اور محافل میں جس جگہ علماء بٹھائے جاتے ہیں خود بھی وہاں جا کر بیٹھ جاتا ہے آیا اس کو صفوف علماء میں بیٹھنے سے روکا جا سکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ لا یجوز للجاہل ان یجلس بین العلماء والمتعلمین وان جلس فواجب علی السلطان او القاضی ان یمنعہ لان ہذا استخفاف او اہانۃ او حقارۃ ولو جلس احد من الناس اعلیٰ من العالم او المتعلم فی المجلس لو کان علی وجہ الاستخفاف طلقت امرأتہ ولو کان علی وجہ المزاح یعزر باجماع الائمۃ (العلامۃ البیری علی الاشباہ) ترجمہ: جاہل کو صفوف علماء میں بیٹھنا جائز نہیں ہے اگر جاہل ایسا کرتا ہو تو روکا جائے گا۔

مسئلہ۔ زن بازاری کے یہاں کی نذر لینا، یا اس کے یہاں کھانا پینا درست ہے یا نہیں، اسی طرح جو لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں یا جوا کھیلتے ہیں یا رشوت لیتے ہیں ان کی نذر لینا اور ان کے یہاں کھانا پینا درست ہے یا نہیں، اور زن بازاری کا مکان کرایہ پر لے کر اس میں نماز پڑھنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ زن بازاری کا جو مال ناچ، رقص اور گانے کے ذریعہ حاصل ہو خبیث مال ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مال کا دینے والا موجود ہے تو اس کو اس کا دیا ہوا مال واپس کر دینا چاہیے اور اگر موجود نہ ہو تو بلا نیت حصول ثواب تصدق کر دینا چاہیے ...... اور اگر زن بازاری کو کسی شخص نے بغیر کسی شرط یا اجرت یا عوض کے کچھ مال بطور ہبہ دیا ہو تو وہ مال اس کے لیے حلال ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگر زن بازاری کے پاس صرف مال خبیث ہے یا مال خبیث کے علاوہ حلال بھی ہے لیکن مال خبیث زائد ہے تو اس عورت کی نذر قبول کرنا یا اس کے یہاں کھانا پینا درست نہیں، اور اگر زن بازاری کے پاس مال حلال مال خبیث سے زائد ہے اور وہ

---

۵ حاشیہ صفحہ ۶۶ پر

کے ساتھ ان لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں جو کسی بدعت کو اختیار کرنے خلاف فقہا کے [illegible] اختیار کریں اور اس [illegible] کو اہل سنت کی اکثریت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ علماء [illegible] بعض محققوں کی تکفیر [illegible] زیادہ [illegible] ہے۔

۵ یہ جو کہا جاتا ہے کہ کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ اس وقت تک نہ دیا جائے جب تک اس کے قول کے کسی مناسب مطلب کا نکالنا ممکن ہو یا ایسے قول کے کہنے والے کے کفر میں اختلاف [illegible] ہو اگرچہ [illegible] روایت [illegible] اختلاف [illegible] [illegible] [illegible] ایسے ہیں [illegible] پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

۵ اگر کوئی معاذ ایسا ہو کہ اس میں متعدد وجوہ ایسے ہوں جو کفر کی طرف لے جانے والے ہیں اور صرف ایک وجہ ایسی ہو جو مانع کفر ہے تو فتویٰ دینے والے پر لازم ہے

کہ وہ مسلمان ہے حسن ظن رکھتے ہوئے مانع کفر وجہ کی طرف جائے اور اس بارے میں اتنا مزید کہا ہو کہ البتہ جب کلمات کفریہ کہنے والا صراحت کے ساتھ کرے کہ اس نے کفر لازم کرنے والا مطلب ہی مراد لیا ہو تو ایسی صورت میں اس کے قول کی تاویل سے کوئی نفع نہیں ہوگا۔

عورت نذر وغیرہ مال حلال سے دیتی ہے یا مہمان کے خورد و نوش کا انتظام مال حلال سے کرتی ہے تو اس کے یہاں خورد و نوش اور اس کی نذر لینا جائز ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ عورت مہمانی یا نذر وغیرہ مال حرام سے دیتی ہے تو اس کے یہاں کھانا پینا اور اس کا ہدیہ اور نذر قبول کرنا جائز نہیں، اشباہ ونظائر میں ہے۔ اذا کان غالب مال المهدی حلالا فلا باس بقبول هدیته واکل ماله مالم یتبین انه من حرام وان کان غالب ماله الحرام لا یقبلها ولا یاکل الا اذا قال انه حلال الخ انتہی۔ اور یہی حکم سود خوار، قمار باز اور رشوت ستاں کے یہاں خورد و نوش وغیرہ کا ہے۔ لیکن تقویٰ اور احتیاط اس میں ہے کہ ان سب کے یہاں خورد و نوش سے پرہیز کیا جائے۔ زن بازاری کا مکان کرایہ پر لینا اور اس میں نماز ادا کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا درست ہے۔

مسئلہ۔ کیا رخصت ہونے کے وقت بھی سلام کرنا سنت ہے۔

جواب۔ واذا اتی علی قوم فسلم علیهم ثلثا[۵۳]۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی کے یہاں جائے تو جانے والا تین سلام کرے۔ ایک اجازت طلب کرنے کے لیے، ایک مکان والے کی تحیت کے لیے اور ایک سلام رخصت ہوتے وقت، چنانچہ ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ [۵۴] وقیل سلم للاستیذان وللتحیة عند الدخول والوداع عند الخروج وهذه التسلیمات الثلاث سنة لکل احد اتی شخصا او قوما وکان علیه الصلوٰة والسلام لواظب علیها۔ لہٰذا رخصت کے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے۔

مسئلہ۔ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا کیسا ہے۔

جواب۔ عمداً قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا بے ادبی ہے بعض علما کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ اور ضرورت کی وجہ سے قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۵۲ کھانا اگر سڑ جائے اور اس میں بدبو پیدا ہو جائے تو نجس ہو جاتا ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو نہایہ میں ہے کہ کھانا نجس نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے اس کے ضرر رساں ہو جانے کی وجہ سے۔ (بحر الرائق منقول از ذخیرہ)

۵۳ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ شراب کی تلچھٹ سے جو گتیہ ہو یا جس کو ترکی میں غرقی کہتے ہیں شراب کی تمام قسموں کی طرح حرام اور نجس ہے۔

حاشیہ صفحہ ۶۵

۵۱ کسی جاہل کو علماء اور طلباء کے درمیان جا کر بیٹھ جانا جائز نہیں

۵۲ ۵۳ ۵۴ حاشیہ صفحہ ۶۷ و ۶۸ پر

Marfat.com

مسئلہ۔ کسی عالم یا مقتدا کے آنے کے وقت درود شریف پڑھنا یا آواز بلند تکبیر کہنا تاکہ حاضرین مجلس کو آنے والے کی اطلاع ہوجائے کیسا ہے۔

جواب۔ کسی عالم یا مقتدا کے آنے کے وقت مجلس میں تسبیح پڑھنا یا درود شریف آواز پڑھنا کہ حاضرین کو اُس مقتدا کا آنا معلوم ہو گناہ ہے اور مکروہ ہے۔ وعن ھذا یمنع اذا قدم واحد من العظماء الی المجلس فسبح وصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اطلاعاً لقدومہ حتی یفرج لہ الناس او یقوموا لہ یاثم

مسئلہ۔ بزرگوں کے مزار پر جانے والے الٹے پاؤں واپس آتے ہیں ان کا یہ فعل کیسا ہے۔ مزارات کی طرف پیٹھ کرنا کیسا ہے۔

جواب۔ قبر کی زیارت اور ادائے ثواب کے بعد پچھلے پاؤں لوٹنا عوام کی نظروں میں صاحب مزار کی عظمت بتانے کے لیے جائز ہے۔ قبروں پر چادر ڈالنے کی طرح۔ شامی میں ہے قال فی الحجۃ وتکرہ[۵] الستور علی القبور ولکن نحن نقول الآن اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال بالنیات وان کان بدعۃ فھو کقولھم بعد طواف الوداع یرجع القھقری حتی یخرج من المسجد اجلالا للبیت حتی قال فی منھاج السالکین انہ لیس فیہ سنۃ مرویۃ ولا اثر محکی وقد فعلہ اصحابنا۔ اور شامی کے اس قول ثم[۵] یدعو قائما طویلا وان جلس یجلس بعیدا او قریبا بحسب مرتبتہ فی حال حیاتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زائر صاحب مزار کی حیات میں اس کی طرف پیٹھ کرنے کو سوء ادب جانتا تھا تو اس کے لیے ادب یہ ہے کہ مزار کی طرف کبھی پیٹھ نہ کرے۔

مسئلہ۔ زید نے مختلف اشیاء جن میں اشیائے خوردنی بھی ہیں بہت ہی کم نرخ میں خرید اور ان کو بہت زائد قیمت پر فروخت کرتا ہے، ایسی حالت میں کہ ان نرخ سے ان کو منافع

ہو اگر کوئی بیٹھا ہو تو حاکم وقت یا قاضی پر لازم ہے کہ وہ اس کو روک دے اس لیے کہ یہ حرکت علم دین کی توہین تحقارت اور سبکی کے مترادف ہو اور اگر کوئی شخص کسی محفل میں عالم دین سے یا علم دین کے طالب علم سے اونچی جگہ پر بیٹھے تو اگر بیٹھنا بطور تحقیر ہو تو البتہ اس کے کہ علم دین کی تحقیر [illegible] ہوجائے گی اور اگر بیٹھنا بطور [illegible] تو علماء کے متفقہ فیصلے کے مطابق [illegible]

حاشیہ صفحہ ۹۴ [illegible]

---

۵ ۵ ۵ حاشیہ صفحہ [illegible]

بے انتہا ہونے میں اس نفع کی آمدنی جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ حکومت اسلامی کو ایسی بیع و شرا میں دخل دینا یا اس پر کوئی پابندی لگانا جائز ہے یا نہیں۔

۳۔ اگر غیر اسلامی حکومت نے ایسی بیع و شرا پر کوئی پابندی لگائی ہے تو خریدار یا فروخت کنندہ ایسے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر معصیت کا مرتکب تو نہیں ہوگا۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں زید اپنی خرید کردہ چیزوں کو جس قیمت پر چاہے فروخت کرے خواہ خریداری کی قیمت سے زائد قیمت پر فروخت کرے یا کم قیمت پر۔ البتہ جن اشیائے خوردنی کی قیمت حکومت نے دفع ضرر کے لیے مقرر کردی ہے ان اشیائے خوردنی کو مقررہ قیمت سے زائد قیمت پر فروخت کرنا جس سے خریداروں کو ضرر اور نقصان پہنچے مکروہ ہے۔ اور اگر زید اس کا خیال نہیں کرتا ہے اور خریداروں کے ضرر و نقصان کا لحاظ نہیں کرتا ہے تو خریداروں کو اس کی شکایت حاکم کے یہاں کرنا درست ہے۔ حاکم اسلام کو اس کی پہلی مرتبہ شکایت پر اس کو (زید) فہمائش کرنا چاہیے اگر زید فہمائش کے بعد بھی اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو حاکم کو دوبارہ اس کی شکایت پر تنبیہ اور تہدید کرنا چاہیے۔ اور اگر اس پر بھی وہ باز نہ آئے تو تیسری بار اس کی شکایت پر اس کو سزا دے سکتا ہے اور قید کرسکتا ہے۔

مسئلہ۔ قرآن مجید، کتب حدیث شریف اور قبور صالحین کو بوسہ دینا درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ حافظ ابوسعید علائی ابن ناصر سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد حنبل سے سوال کیا گیا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور آپ کے منبر کو بوسہ دینے کے متعلق تو آپ نے فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ علامہ عینی تقبیل حجر اسود والی حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔ واما تقبیل الاماکن الشریفۃ علی قصد التبرک وکذلک تقبیل ایدی الصالحین وارجلھم فھو حسن محمود باعتبار القصد والنیۃ وقد کان ثابت البنانی لایدع ید انس رضی اللہ عنہ حتی یقبلھا ویقو

لہ حاشیہ صفحہ [illegible] پر

آیا مال حلال ہو تو اسے قبول کرنا جائز ہوگا)

۲ جب حضور سرور عالم کسی جماعت میں تشریف لے جاتے تو سلام فرماتے اور لوگوں پر تین بار سلام فرماتے۔

۳ اور کہا گیا ہے کہ ایک سلام اجازت طلب کرنے کے لیے، ایک سلام مکان میں داخل ہوتے وقت کہ وہ السلام علیکم کہے اور ایک سلام رخصت کے لیے ہے۔ اور یہ تینوں سلام ہر اس شخص کے لیے سنت ہیں جو کسی شخص یا کسی جماعت کے پاس جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین سلاموں کو پہنچایا ہے۔

حاشیہ صفحہ ۶۷

لہ بڑے لوگوں میں سے کسی کے قتل ہونے پر تسبیح پڑھنا یا درود شریف پڑھنا آیا لوگ کو اس کی آمدنی اطلاع

۲ [illegible] کو [illegible] دیا [illegible] کے لیے [illegible] جائز [illegible]

۳ قید ہی ہو چاہے [illegible]

یدٗ مست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال ایضا اخبرنی الحافظ ابو سعید بن العلائی قال رأیت فی کلام احمد بن حنبل فی جزء قدیم علیہ خط ابن ناصر وغیرہ من الحفاظ ان الامام احمد سئل عن تقبیل قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتقبیل منبرہ فقال لا بأس بذلک فاریناہ للشیخ تقی الدین بن تیمیہ فصار یتعجب من ذلک۔ اور علامہ طبری تحریر فرماتے ہیں کہ تقبیل حجر اسود اور استلام رکن یمانی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جن اشیائے متبرکہ کے بوسہ دینے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کا لحاظ کیا جائے اور سمجھا جائے کہ یہ اشیاء باری تعالیٰ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قابل عظمت ہیں اور ان کی تعظیم حقیقتاً تعظیم باری تعالیٰ ہے تو ان اشیاء کا تبرکاً بوسہ دینا جائز ہے۔ چنانچہ علامہ عینی اسی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں وقال المحب الطبری قد ثبت فی بعض تعالیق جدی محمد بن ابی بکر عن الامام ابی عبد اللہ محمد بن ابی الصیف ان بعضھم کان اذا رای المصاحف قبلھا واذا رای اجزاء الحدیث قبلھا واذا رای قبور الصالحین قبلھا قال ولا یبعد ھذا واللہ اعلم فی کل ما فیہ تعظیم للہ تعالیٰ۔ پس مصحف یا کتب حدیث یا قبور صالحین کا بوسہ دینا شرعاً ممنوع نہیں بلکہ جائز ومباح ہے۔

مسئلہ۔ ڈاڑھی رکھنا شرعاً کیا ہے۔ کتنی ڈاڑھی رکھنا چاہیے

جواب۔ احناف کے نزدیک ایک مشت کے بقدر ڈاڑھی رکھنا سنت ہے اور اس سے کم کرنا خلاف سنت ہے۔ ہدایہ میں صائم (روزہ دار) کو ڈاڑھی اور مونچھ میں تیل لگانے کے سلسلے میں مرقوم ہے[1] ولا یفعل لتطویل اللحیۃ بقدر المسنون وھو القبضۃ اور فتح القدیر میں وھو القبضۃ کے تحت لکھا ہے[2] وھو ای القدر المسنون فی اللحیۃ القبضۃ بضم القاف۔ قال فی النھایۃ وما وراء ذلک یجب قطعہ ھکذا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاخذ من اللحیۃ من طولھا

لہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱ پر

Marfat.com

وعن ضعفا اورده ابو عیسیٰ یعنی الترمذی فی جامعہ اور صاحب فتح القدیر
حدیث اور حدیث احفوا[1] الشوارب واعفوا اللحی کے تعارض کو دفع کرتے ہوئے تحریر
فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو ڈاڑھی کے اکثر حصہ کو کترا دیتے
تھے یا منڈا دیتے تھے جیسا کہ عجمی مجوس کا طریقہ تھا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے
جس کو مسلم نے بروایت ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم جزوا الشوارب واعفوا اللحی خالفوا المجوس (یعنی مجوس کی مخالفت
کرتے ہوئے اپنی ڈاڑھی بڑھاؤ، مونچھیں کم کرو) فاقول[2] مافی اللباب ان لم یحمل
المنع یحمل الاعفاء علی اعفائھا من ان یاخذ غالبھا او کلھا کما ھو فعل مجوس
الاعاجم من حلق لحاھم فیقع بذلک الجمع بین الروایات ویؤید ارادۃ
ھذا ما فی مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
جزوا الشوارب واعفوا اللحی خالفوا المجوس فھذہ الجملۃ واقعۃ موقع التعلیل
اور صاحب فتح القدیر کے اس جواب کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث[3] حدثنا محمد بن
منھال قال حدثنا یزید بن زریع حدثنا عمر بن محمد بن زید عن نافع عن ابن
عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خالفوا المشرکین وفروا اللحی واحفوا
الشوارب وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ
بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کے طریقہ کی (ڈاڑھی اور مونچھ رکھنے میں) مخالفت کرو ان
ڈاڑھیوں کے مقابل اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور ان کی مونچھوں کے مقابل اپنی مونچھیں کم کرو
نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر حج اور عمرہ کے وقت اپنی ڈاڑھی بقدر
قبضہ کے رکھتے تھے اور قبضہ سے زائد کو کترا دیتے تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری
تحریر فرماتے ہیں کہ مشرکین یعنی مجوس سے بعض اپنی ڈاڑھیاں منڈاتے تھے اور بعض کتراتے

---

[1] حاشیہ صفحہ ۶۷ پر

[3] پھر زیارت قبر کے بعد طویل دعا کرے کھڑے ہو کر اور اگر بیٹھے تو دور یا قریب اسی طرح بیٹھے جیسے صاحب قبر کی حیات میں ان کی مجلس میں اپنی حیثیت کے مطابق بیٹھتا تھا۔

حاشیہ صفحہ ۶۸

[1] مقدس مکانوں کو برکت کے خیال سے چومنا اور اسی طرح بزرگوں کے ہاتھ پیروں کو چومنا قصد اور نیت کے لحاظ سے اچھا اور لائق اجر ہے ثابت البنانی تابعی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چومنا کبھی نہیں چھوڑا۔ بنانی کہتے تھے یہ وہ ہاتھ ہیں جنہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھونے کا شرف حاصل کیا ہے اور ابو سعید بن علائی نے کہا ہے کہ انہوں نے امام بن احمد بن حنبل کی ایک کتاب میں دیکھا ہے جس پر ابن ناصر اور دوسرے حفاظ حدیث کے دستخط ہیں کہ امام سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور منبر شریف کو چومنے کے بارے میں سوال پوچھا

...لیے مسلمانوں سے ارشاد عالی ہوا کہ ان کے طریقہ کو چھوڑ دو، یعنی نہ داڑھی منڈاؤ اور نہ اس
...یہ کترا دو جس حد پر مشرکین کتراتے ہیں بلکہ ان کی ڈاڑھیوں کے مقابل اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔
اس کی حد حضرت ابن عمر کے فعل سے معلوم ہوتی ہے یعنی ایک قبضہ تک داڑھی بڑھانے کا
دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابن عمر کا یہ طریقہ صرف حج اور عمرہ کے مواقع پر نہ تھا بلکہ
...کی ڈاڑھی طول و عرض میں جب بڑھ جاتی تو آپ ایک قبضہ سے زائد کترا دیتے تھے جیسا کہ علا...
...بن عسقلانی نے تحریر فرمایا ہے

علامہ ابن حجر عسقلانی ڈاڑھی کترانے کے متعلق علماء کے اقوال تحریر فرماتے ہیں کہ کس حد
...ڈاڑھی کتروائی جائے اور کس حد پر رکھی جائے تو ایک جماعت علماء کی اس طرف گئی ہے
بقدر کف دست ڈاڑھی رکھی جائے اور اس سے زائد کو کترا دیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عمر
...کرتے تھے۔ اور حسن بصری اور عطاء سے مروی ہے کہ اس حد تک داڑھی نہ کترائی جائے کہ کٹی ہوئی
لتری ہوئی ڈاڑھیوں سے مشابہت ہو جائے یعنی حد سے زائد ڈاڑھی نہ کترائی جائے۔ اور
...نوں علماء کی رائے ہے کہ ڈاڑھی بالکل چھوڑ دی جائے اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے البتہ
...حج اور عمرہ میں درست کی جا سکتی ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی بالکل اپنے حال پر نہ چھوڑی
...جائے بلکہ خوبصورتی کے ساتھ اس کی درستی طولاً و عرضاً کرتے رہنا چاہیے۔

مسئلہ۔ ماہ محرم میں رسم تعزیہ داری کرنا یا اس میں چندہ دینا یا باہر سے تعزیہ لا کر یا گھر پر بنا کر
...ویں تاریخ گھر پر رکھنا یا روشنی کرنا یا تعزیہ کے قریب ہاتھ پھیلا کر فاتحہ پڑھنا یا قرآن شریف کی
تلاوت کرنا یا اس کے قریب کا کھانا یا شربت یا ملیدہ تقسیم کرنا یا اس کے قریب نوحہ کرنا یا تعزیہ کا
سجدہ کرنا یا ڈھول، علم، باجا یا چوکی بھرنا یا سینہ کوبی کرنا یا شہید کربلا کا ہر سال تیجا یا دسواں بیسواں
اور چالیسواں کرنا وغیرہ وغیرہ کیسا ہے۔

جواب۔ ماہ محرم الحرام میں تعزیہ اور علم رکھنا اور ڈھول تاشہ بجانا جائز نہیں ہے اور تعزیہ
رکھنے کے موقع پر چراغاں کرنا فضول خرچی میں داخل ہے جس کی ممانعت شریعت میں ہے۔

کیا تو آپ نے جواب
دیا کہ اس میں کوئی حرج
نہیں ہے تو ہم نے یہ
عبارت ابن تیمیہ کو
دکھائی تو وہ تعجب
کرنے لگے۔

حاشیہ صفحہ ۶۹
محب الطبری نے
کہا ہو کہ میں نے لیقہ علما
محمد بن ابی بکر کی بعض
تحریروں میں امام ابو
عبداللہ محمد بن ابی
الصیف کا قول لکھا
دیکھا ہو کہ بعض علماء
جب تو ... شریف یا
حدیث شریف کو دیکھتے
تو انھیں چومتے
اور جب بزرگوں کے
مزارات کو دیکھتے تو
انھیں چوم لیتے اور
کہا ہو کہ اس میں کوئی
عجیب بات نہیں؟
اس بنا پر کہ اس میں
اللہ تعالیٰ کی تعظیم
ہے۔
... اور داڑھی ...
داڑھی کی ... ایک مشت
سے زیادہ لمبی کرتے
... ایسا کرے۔
... یعنی داڑھی
... کی ... ایک
مشت ... کہا
ہو کہ ایک مشت سے
... داڑھی
... کا ... ڈالنا

Marfat.com

اور حدیث شریف میں ہے لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعی بدعوی الجاھلیۃ اور دوسری حدیث میں ہے لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ فلہٰذا نوحہ وفریاد، واویلا اور سینہ کوبی کرنا سخت گناہ ہے ان تمام امور سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔ شہدائے کربلا اور خاص کر حضرات حسنین کی اولاد اور خود حضرت امام حسین کی ارواح طیبہ کے لیے بغرض ایصال ثواب فاتحہ دلانا یا کھانا یا شربت یا مٹھائی تقسیم کرنا جائز ہے۔

ایصال ثواب کے لیے سویم وچہلم وغیرہ کے فاتحے دلانا جائز ہے۔ لیکن اس کو مذہبی چیز سمجھنا اور ان فواتح کو لازم شرعی سمجھ کر کرنا درست نہیں ہے۔ یہ فواتح شریعت میں لازم و ضروری نہیں ہیں مباح یا باحسب دصلیہ ہیں اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے وہ کرے اور جس کو قدرت نہ ہو اس کو قرض ودام کرکے فواتح نہ دلانا چاہیے۔

تعزیہ پر ملیدہ وغیرہ چڑھانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ ملیدہ تعزیہ کا ہے تضیع مال کے علاوہ عقیدہ اہلسنت کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ اس میں مشابہت مشرکین کے عقیدہ سے پائی جاتی ہے اس عقیدہ کو دل سے نکال ڈالنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔

اور یہ بھی عقیدہ فاسد ہے کہ فاتحہ والا ملیدہ جب تک تعزیئے نہ رکھا جائے تو فاتحہ نہیں ہوتا ہے۔ بغیر تعزیہ پر رکھے ملیدہ پر فاتحہ ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۔ وعظ وغیرہ کی مجلسوں میں جو لوگ آتے ہیں وہ بآواز بلند السلام علیکم کہتے ہیں کیا ان مجلسوں میں حاضر ہونے والے کو اس طرح سلام کرنا چاہیے یا نہیں۔

جواب ۔ مجالس ذکر وغیرہ میں حضار مجلس ملاقاتیوں کی ملاقات کی غرض سے نہیں بیٹھتے ہیں لہٰذا ان مجالس میں داخل ہونے والے کو حاضر مجلس پر سلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ سلام کرنا مشروع ہوا ہے ایک دوسرے کی ملاقات کے وقت اور مجالس مجالس ملاقات نہیں ہیں۔ عالمگیری میں ہے السلام تحیۃ الزائرین والل[illegible]

ـــــــــــــــــــ

لہ حاشیہ صفحہ ۷۳ پر

واجب ہے یہی طرز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ داڑھی کو طول و عرض سے لے کر ترشوا دیا کرتے تھے۔

حاشیہ صفحہ ۷

لہ مونچھیں مٹا دو اور داڑھی چھوڑ دو۔

ےلہ حدیث حد اس سلسلے میں جبکہ اس حدیث کو منسوخ نہ قرار دیا جائے یہ ہو کر بڑھانے کا مطلب بیشتر حصہ داڑھی کا یا کل داڑھی ترشوانے کی ممانعت ہو جیسا کہ عجم کے مجوسیوں کا طریقہ تھا کہ وہ اپنی داڑھیاں منڈایا کرتے تھے۔ تو اس توضیح سے مختلف روایات کے درمیان تضاد رفع ہو جاتا ہے اور مسلم میں ابوہریرہ کی حدیث "مجوس کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کم کر دیں" "مجوس کی مخالفت کرتے ہوئے کا جو جملہ ہے وہ بھی اسی توضیح کی تائید کرتا ہے کیونکہ یہ جملہ توضیح کے طور پر آیا ہے۔ (فتح القدیر)

لہ حضرت ابن عمر

Marfat.com

لسوا فی المسجد القراۃ والتسبیح او لانتظار الصلوٰۃ ماجلسوا فیہ لدخول

ائرین علیھم فلیس ھذا اوان السلام ولھذا قالوا لو سلم علیھم الداخل

سعھم ان لا یجیبوہ کذا فی القنیہ۔

ئلہ۔ جمعہ کے دن ناخن ترشوانا درست ہے یا نہیں، ناخن ترشوانے کے لیے کسی دن کا مقرر کرنا

ت ہے یا نہیں، اور ہاتھ اور پیر کے ناخن کس طریقہ سے ترشوائے جائیں۔

اب۔ جمعہ کے دن ناخن ترشوانا مستحب ہے اور نماز کے بعد ترشوانا افضل ہے اور اگر

خن بڑے ہو جائیں اور ان کے ترشوانے میں روز جمعہ کا انتظار کیا جائے تو مکروہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً یوں روایت ہے کہ ہفتہ کے دن ناخن ترشوانے سے امراض

فع ہوتے ہیں اور اتوار کے دن ترشوانے سے فقر و فاقہ دور ہوتا ہے اور دوشنبہ کو ترشوانے

جنون نہیں لاحق ہوتا اور سہ شنبہ کو ترشوانے سے مرض لاحق نہیں ہوتا اور چہار شنبہ کو ترشوانے

وسواس و خوف لاحق نہیں ہوتا۔ اور پنجشنبہ کو ترشوانے سے جذام کی بیماری نہیں ہوتی اور

جمعہ کے دن ناخن ترشوانے سے رحمت و برکت نازل ہوتی ہے۔

بعض مشائخ عظام اور علمائے کرام تحریر فرماتے ہیں کہ اگر ناخن اس طرح ترشوائے

ئیں کہ پہلے دہنے ہاتھ کے کلمہ کی انگلی سے ابتدا کی جائے اور دہنے ہاتھ کی چھنگلیا پر انتہا کی

ائے، پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے بہ ترتیب ناخن ترشوائے اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم

رے پھر دہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن ترشوائے تو آشوب چشم اور جملہ امراض چشم سے حفاظت ہوگی۔

پاؤں کے ناخن ترشوانے میں کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ داہنے پاؤں

چھنگلیا سے شروع کیا جائے اور بائیں پیر کی چھنگلیا پر ختم کیا جائے جیسا کہ علامہ شامی نے

الاولیٰ تقلیمھا کے تحت لکھا ہے۔

سئلہ۔ ادب نظم و نثر کی تعلیم کے لیے اگلے شعرا و ادبا کے لباس پہن کر ان کے لب و لہجہ کی نقل

کے ساتھ طلبا کا سامعین کو اشعار سنانا جائز ہے یا نہیں، مثلاً مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے

سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں گھٹاؤ۔ اور حضرت ابن عمر جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی مٹھی میں داڑھی کو پکڑتے اور جتنی مٹھی سے باہر ہوتی اسے کتروا دیتے۔

حاشیہ صفحہ ۷۲

لئے سلام [illegible] کے لیے ہے۔ وہ لوگ جو مسجد میں تلاوت قرآن شریف کے لیے یا وظیفہ پڑھنے کے لیے یا نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں وہ اس لیے نہیں بیٹھے ہیں کہ ملاقاتیوں سے ملاقات کریں یہ [illegible] سلام دعا کا وقت قبول نہیں ہوتا اسی لیے علمائے کہا ہے کہ اگر مسجد میں کوئی آنے والا مسجد میں موجود لوگوں کو سلام کرے تو مسجد والوں کو گنجائش ہے کہ وہ سلام کا جواب نہ دیں۔

Marfat.com

ایک مضمون "دہلی کا مشاعرہ" اپنی کتاب "مضامین فرحت" میں لکھا ہے۔ اگر اسکول کے طلباء ان
کو ڈرامہ کی صورت میں ادا کریں تو شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی خرابی ہے یا نہیں۔

جواب۔ دُرِ مختار میں شرح وہبانیہ سے نقل کیا ہے۔ الغیبۃ ان تصف اخاک حال
کونہ غائبا بوصف یکرہ اذا سمعہ۔

علامہ شامی ان تصف اخاک کے تحت لکھتے ہیں ای المسلم ولو میتا وکذا الذ
اور بھی درمختار میں ہے وکما تکون الغیبۃ باللسان صریحا تکون ایضا بالفعل وبالتعریض
وبالکتابۃ یعنی غیبت اپنے بھائی کے کسی وصف کو اس طرح ذکر کرنا یا اس کے وصف کی اس طرح
نقل کرنا کہ اگر اس کو اس ذکر یا نقل کا پتہ لگ جائے تو اس کو ناگوار ہو، اور ظاہر ہے کہ کسی شخص
دوسرے کی وضع قطع، بول چال کی نقل کرنا کھیل کود کے موقع پر یا ہنسی مذاق کے لیے اس دوسرے
شخص کو جس کی نقل کی جا رہی ہے ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے زمانے
میں اس شخص کی باتیں ناگوار ہوتی تھیں جو آپ کا سا لباس پہن کر آپ کی طرح عصا لے کر برسر بازار آپ کے
لب ولہجہ میں ..... آپ کے وعظ کی نقل کیا کرتا تھا اور اس طرح کی نقل غیبت میں داخل ہونے کی وجہ
سے شرعاً ممنوع ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ادب نظم ونثر کی تعلیم ادیبوں اور شاعروں کے کلام
ان کی خوبیاں سمجھنے اور سمجھانے سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ شعراء وادباء کے لباس مخصوص کی نقل
سے یا اُن کے طرز ادا طریقۂ ادا کی نقل سے۔ البتہ نقالی کی تعلیم ان چیزوں سے ضرور ہوتی ہے
اور چونکہ یہ نقالی ڈرامہ میں محض دلچسپی کے لیے کی جاتی ہے۔ اس لیے غیبت میں داخل ہوگی۔

مسئلہ۔ مسماۃ ٹنّی اور مسماۃ درگاہن کسب کرتی ہیں اور اُن کی ماں مسماۃ بنتی بھی کسب کرتی تھی۔ ان
دونوں نے اپنی جائداد جو بطور وراثت اپنی ماں سے پائی تھی وہ اور اپنی ذاتی جائداد بھی مسماۃ
کو ہبہ کر دی۔ آیا مسماۃ رسولن کے لیے یہ جائداد حلال ہوگی یا نہیں اور اس جائداد کو مسماۃ رسولن اپنے
صرف میں لا سکتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ اشباہ ونظائر میں ہے الحرمۃ[1] تتعدی فی الاموال مع العلم بھا

[1] مال کی حرمت جب کہ اس کا علم ہو منتقل ہوتی رہتی ہو سوائے وارث کے حق کے، پس وراثت کو صورت سے جو کچھ ملا ہو وہ حلال ہو اگرچہ وارث کو معلوم ہو کہ یہ مال ناجائز ہے۔

Marfat.com

فی حق الوارث فان مال مورثہ حلال لہ وان علم بحرمۃ منہ۔

پس مسماتان ملّی اور درگاہن نے جو جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی ماں مسماۃ نبتی سے بطور وراثت پائی ہے وہ ان کے لیے حلال ہوگی، بشرطیکہ ان دونوں کو یہ نہ معلوم ہو کہ ان کی ماں کو کن لوگوں نے مال وجائداد دی تھی اور اگر ان دونوں کو معلوم ہو کہ فلاں فلاں اشخاص نے فلاں فلاں چیز ان کی ماں کو دی تھی تو ان دونوں پر واجب ہے کہ مال دینے والوں کو ان کا دیا ہوا مال واپس کر دیں۔ حموی شرح اشباہ ونظائر میں ہے وحاصلہ انہ حلال للوارث بشرط ان لا یعلم ارباب الاموال فان علم اوجب علیہ رد کل شئی الی صاحبہ

له حاصل کلام یہ کہ وارث کے لیے مورث کا مال حرام اس وقت حلال ہو جبکہ اسے معلوم نہ ہو کہ مال کے اصلی مالک کون کون ہیں اگر اس کو مالکوں کا علم ہو جائے تو ہر ایک کی چیز اسی کو واپس کرنا لازم ہے۔

پس صورت مسئولہ میں مسماۃ ملّی اور درگاہن نے مسماۃ رسولن کو جو جائداد بطور ہبہ دی ہو اگر یہ جائداد ان دونوں کو ان کی ماں سے بطور وراثت ملی تھی اور ان دونوں کو اس جائداد کے دینے والے کا علم نہیں ہے تو یہ جائداد مسماۃ ملّی اور درگاہن کے لیے حلال ہے اور ان کے ہبہ کر دینے کی وجہ سے مسماۃ رسولن کے لیے بھی حلال ہوگی۔ یعنی مسماۃ رسولن اس جائداد کو اپنے صرف میں لا سکتی ہے اور اگر یہ جائداد مسماتان ملی اور درگاہن کو کسی نے بغیر اجرت یا شرط کے ابتدائً بطور تبرع دی تھی تو بھی یہ جائداد ان لوگوں کے لیے حلال ہوگی اور مال خبیث میں شمار نہ کی جائے گی پس اس جائداد پر بھی مسماۃ رسولن کو تصرف کرنا جائز ہوگا، اور اگر اس جائداد کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ مسماتان ملّی اور درگاہن کے پاس کس طور سے آئی ہے اور ان دونوں کا اکثر مال کسب حرام سے تھا تو مسماۃ رسولن کو ان کی ہبہ کی ہوئی جائداد کو اپنے صرف میں لانا درست نہیں ہے۔ اور اگر مسماتان نے مسماۃ رسولن سے یہ کہہ دیا ہو کہ یہ جائداد کسب حلال سے تھی تو مسماۃ رسولن اس پر تصرف کر سکتی ہے۔

مسئلہ۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملے تو "السلام علیکم" کہے یا "سلام علیکم" — سلام کے بعد "ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کا اضافہ بھی کیا جائے یا نہ کیا

Marfat.com

جائے۔

جواب۔ شامی میں ہے والافضل للمسلم ان یقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ والمجیب کذلک یرد لا ینبغی ان یزاد علی البرکات شیئ وان قال المبتدی سلام علیکم او السلام علیکم فللمجیب ان یقول فی الصورتین سلام علیکم او السلام علیکم لکن الالف واللام اولی۔

پس السلام علیکم (میم کے ضمہ کے ساتھ) اور سلامٌ علیکم (میم کی تنوین کے ساتھ) سے سلام مسنون ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن السلام علیکم (الف لام کے ساتھ) کہنا اولی ہے سلام علیکم سے اور بہترین سلام مسلمان کے لیے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے۔ سلام کی میم کو فتحہ دینا یا ساکن پڑھنا غلط ہے۔

مسئلہ۔ جو جانور مویشی خانے میں لوگ پکڑ کر داخل کر دیتے ہیں اور وہ پندرہ یوم یا اس کے قریب کسی مدت کے بعد بذریعہ نیلام فروخت کر دیا جاتا ہے اور اس کے مالک کو جو اس کی تلاش میں مصروف ہوتا ہے۔ اس کے فروخت ہو جانے کا علم بھی نہیں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں کیا خریداری شرعاً جائز ہوگی؟ خصوصاً جبکہ متعدد مویشی خانے ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر ہیں کہ ان تمام مقامات کا دو چار یوم میں تلاش کرنا ممکن نہیں۔

کیا پاؤنڈ میں چلے جانے سے مالک کی ملکیت سے شرعاً ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں، اور مالک کو رقم نیلام دے کر واپس لینے کا شرعاً حق ہے یا نہیں۔

جواب۔ جن جانوروں کو لوگ سرکاری مویشی خانہ میں ان جانوروں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے داخل کرتے ہیں وہ مویشی خانے میں بطور امانت ہوتے ہیں۔ جب ان کے مالک آجائیں اور اپنا جانور طلب کریں تو ان کو دے دیا جائے، لیکن ان جانوروں کی خوراک میں جتنا صرف ہوا ہے وہ مالک سے وصول کیا جائے گا، اگر جانور کا مالک اس کے دینے سے انکار کرے تو جب تک وہ خوراکی کا مطالبہ ادا نہ کرے اس کو جانور واپس نہ دیا جائے

مسلمان کے لیے افضل طریقہ سلام کا یہ ہو کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اور جواب دینے والا اسی طرح جواب دے یعنی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ برکاتہ پر کوئی اضافہ نہ ہونا چاہیے اگر سلام کرنے والا السلام علیکم یا سلام علیکم کہے تو جواب دینے والا بھی السلام علیکم یا سلام علیکم کہے لیکن السلام علیکم کہنا بہتر ہے۔

Marfat.com

پس اگر مویشی خانے کے منتظمین نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ ایک میعاد مقرر کے بعد وہ جانور کو فروخت کر دیں گے تو اس قانون کے معلوم ہونے کے بعد جانور کے مالک کا اپنے جانور کی خبر نہ لینا اس امر کی دلیل ہوگی کہ وہ اپنے جانور کے فروخت کیے جانے پر راضی ہے۔ لہذا اس میعاد کے بعد اگر منتظمین مویشی خانہ اس جانور کو واجبی قیمت پر فروخت کر دیں تو بیع نافذ ہو جائے گی اور وہ جانور خریدار کا ہو جائے گا اور جانور کے مالک کو اس کے جانور کی قیمت سرکاری مویشی خانے سے دی جائے گی لیکن منتظمین مویشی خانہ اس قیمت سے اتنا روپیہ وضع کر سکتے ہیں جو جانور کی خوراک میں صرف ہوا تھا۔

سرکاری مویشی خانے میں جو جانور نیلام کیے جاتے ہیں وہ علی العموم بہت کم داموں پر فروخت کیے جاتے ہیں اس لیے ایسے جانور کی بیع شرعاً درست نہیں ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ بل ینبغی ان لا ینفذ من القاضی ذلک لو امر بہ للتیقن لعدم النظر (یعنی اگر قاضی کی نظر نفع و نقصان پر نہ ہو یا شفقت کی نظر نہ ہو تو قاضی کا حکم نافذ نہ ہوگا) پس یہ جانور خریدار کی ملک میں نہیں آئے گا، لہذا اگر جانور کا مالک اپنے جانور کو خریدار سے وہ قیمت خریدار کو دے کر خریدنا چاہتا ہے جو خریدار نے مویشی خانے میں دی تھی تو مشتری کو چاہیے کہ وہ اصل مالک سے وہ قیمت لے کر اصل مالک کا جانور اس کے حوالے کر دے۔ اور اگر منتظم مویشی خانہ نے وہ جانور عام نرخ پر فروخت کیا تھا تو وہ بیع نافذ ہو جائے گی اور وہ جانور مشتری (خریدار) کا ہو جائے گا: بیع کے بعد جانور کے اصل مالک کو بیع توڑنے کا حق نہیں ہے۔

مسئلہ۔ ہاشم علی نے تعمیر مسجد کے سلسلے میں ایک شخص کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر اللہ نے اور پھر اس کے رسول نے چاہا تو یہ مسجد تعمیر ہو جائے گی۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ تم نے یہ کیا کہا، صرف اتنا کہو کہ اگر اللہ نے چاہا تو یہ مسجد بن جائے گی، رسول کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ رسول نے تو چاہا کہ ابوجہل مسلمان ہو جائے، تمام عمر دعا کرتے رہے مگر نتیجہ

Marfat.com

رسول نے تو چاہا تھا کہ ابو طالب مسلمان ہو جائیں تمام عمر دعا کرتے رہے مگر وہ کافر ہی مرے۔ ایسا کہنے والا کیا شرعًا اہانت رسول کریمؐ کا مرتکب نہیں ہے۔ ایسا کہنے والا کیا فاسق اور گنہگار نہیں ہوا۔ کیا اس پر توبہ لازم نہیں ہوئی۔ کیا ایسے موقع پر بخاری شریف کی حدیث کے مطابق ان شاء اللہ ثم رسول اللہ کہنا درست نہیں۔ کیا سورۂ دہر اور سورۂ کورٔت کی آیت مبارک وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ کی روشنی میں ایسا کہنے والا مشرک ہو گیا۔ کیا ایسی تبلیغ سے عظمت و احترام رسول کریم کو مسلمانوں کے قلوب سے مٹانا مقصود نہیں۔ کیا ایسے مبلغ سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا اور اس کی تبلیغ میں عدم تعاون کرنا لازمی اور ضروری نہیں ہے۔

جواب۔ چونکہ حدیث میں آیا ہے لا تقولوا ما شاء اللہ وشاء فلان (یوں نہ کہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے) اس لیے "اگر اللہ نے چاہا اور اس کے رسول نے چاہا" کے کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

کوئی کام انجام نہیں پاتا جب تک اس کام کے انجام پانے میں مشیت ایزدی متعلق نہ ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وما تشاؤن[۱] الا ان یشاء اللہ۔ اس وجہ سے ہم کو حکم ہے کہ جب کسی کام کا قصد کرو تو اس کے پہلے ان شاء اللہ کہہ لو۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ ولا تقولن[۲] لشایٔ انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ۔

اور ہر کام سر انجام ہونے کے لیے ایک تو مشیت حقیقی اللہ تعالیٰ کی ہوا کرتی ہے اور دوسرے مشیت مجازی اس کام کے کرنے والے یا اس کام سے تعلق رکھنے والے کے لیے ہوتی ہے، لہٰذا کسی کام کے انجام پانے کے لیے بندہ کا مشیت حقیقی کے ساتھ مشیت مجازی کو ملا کر اس طرح کہنا کہ فلاں کام ہو جائے گا جو اللہ نے چاہا اور فلاں شخص نے چاہا، خلاف ادب اور ممنوع ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ لا تقولوا ما شاء اللہ وشاء فلان

لیکن بندہ کا اپنی مشیت کو مشیت حقیقی خداوندی سے مؤخر کر کے یوں کہنا کہ فلاں کام ہو جائے گا جو اللہ نے چاہا پھر فلاں شخص نے چاہا، جائز ہے۔

[۱] تمہارا چاہا نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوگا۔
[۲] یہ نہ کہو کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں مگر ان شاء اللہ کے ساتھ کہو۔

پس صورت مسئولہ میں مسمی ہاشم علی کے اس قول "اگر اللہ نے اور پھر اس کے رسول نے چاہا تو یہ مسجد تعمیر ہو جائے گی" میں اگرچہ مشیت آنحضرت ﷺ کو مؤخر کر کے ذکر گیا ہے، پھر بھی یہ کلام سوء ادب سے خالی نہیں، اس لیے کہ اگر مشیت آنحضرت ﷺ سے مشیت حقیقی کا ارادہ کیا گیا تو مشیت آنحضرت ﷺ کی مشابہت مشیت ایزدی سے ہوگی جو شرعاً جائز نہیں، اور اگر مشیت آنحضرت ﷺ سے مشیت مجازی کا ارادہ کیا گیا تو آنحضرت کی مشیت ان لوگوں کی مشیت کے مشابہ ہوگی جن کا تعلق بظاہر تعمیر مسجد کے ساتھ ہے، مثلاً بانی مسجد، یا چندہ دہندگان اور معمار وغیرہ، اور یہ مشابہت سوء ادب ہے۔

مسئلہ۔ ایک شب میں ختم کلام شریف جو شبینہ سے معروف ہے حضرات فقہائے احناف کے نزدیک کیسا ہے۔ زید عالم مسائل شرعیہ ہے اس نے شبینہ مذکور کو مکروہ کہا ہے اور بجائے ایک شب تین راتوں میں ختم مبارک کو افضل وانسب و غیر مکروہ بتایا ہے، کیا یہ صحیح ہے۔

جواب۔ نفس شبینہ مکروہ نہیں ہے۔ اگر کوئی قاری ایسا مل جائے جو ایک شب میں ایک قرآن اس طرح ختم کرے کہ قرآن کے حروف و حرکات اچھی طرح ادا کرے اور اس کا ایک قرآن ایک شب میں پڑھنا مقتدیوں پر بار بھی نہ ہو بلکہ وہ بطیب خاطر ایک شب میں پورا قرآن سننے پر مستعد ہوں تو یہ شبینہ موجب ثواب ہے، اگرچہ اس کی اصل خیر القرون میں نہیں پائی جاتی ہے لیکن یہ مثل مدارس وغیرہ کے بدعات حسنہ سے ہے، البتہ فی زماننا جو شبینہ رائج ہے اس میں علی العموم سامعین پر ایک قرآن ایک رات میں سننا گراں ہوتا ہے، ایسا کوئی نہیں ہوتا جو خوش دلی سے مستعدی کے ساتھ پورا قرآن سنے اور یہ کراہت کا سبب ہے، علاوہ اس کے جب حفاظ شبینہ میں قرآن پڑھتے ہیں تو اتنی عجلت کرتے ہیں کہ حرکات اور حروف ٹھیک ٹھیک ادا نہیں ہوتے ہیں اور اس طرح تلاوت کرنا بھی مکروہ ہے۔ ان دو باتوں کی وجہ سے ہمارے زمانے میں جو شبینہ رائج ہے وہ مکروہ ہے، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو مکروہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ کارپوریشن مکان بنانے کے لیے مالک آراضی کو ایک مخصوص رقم بطور قرض دیتی ہے

Marfat.com

جس کے ادا کرنے کی مدت اس نے تیس سال رکھی ہے اور قرض لینے والے کو ماہ بہ ماہ ایک مقرر کردہ رقم کارپوریشن کو دینا پڑتی ہے اس میعاد کے گزرنے پر قرض لینے والے کو اپنے زرِ قرض سے زائد روپیہ کارپوریشن کو ادا کرنا پڑتا ہے آیا اس طرح کا قرض کارپوریشن سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر مالکِ آراضی کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ وہ اس آراضی پر مکان تعمیر کر سکے اور اس کو تعمیر کرانے کے لیے روپیہ قرض لینے کی ضرورت ہو اور قرض دینے والا مالک آراضی کو بلا سود کے روپیہ نہیں دیتا ہے تو مالک آراضی کو سودی قرض لینا جائز ہے۔ اشباہ نظائر میں ہے "یجوز[۵۱] للمحتاج الاستقراض بالربح"۔ اور حموی شرح اشباہ ونظائر میں ما حرم اخذہ حرم اعطائہ کے تحت میں لکھا ہے "وینبغی[۵۲] ان یستثنی الاخذ بالربا للمحتاج فانہ لا یحرم" پس صورت مسئولہ میں کارپوریشن سے بوقت ضرورت اس مخصوص رقم کو بطور قرض لینا جائز ہے اگرچہ اس کے ادا کرنے میں اصل زرِ قرض کے علاوہ زائد قرض بھی دینا پڑے۔

۵۱ حاجت مند کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے۔
۵۲ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام کے اصول سے حاجت مند کے سودی قرض لینے کو مستثنیٰ کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ حرام نہیں ہے۔

مسئلہ۔ یہ رواج ہو گیا ہے کہ حجاج کو رخصت کرتے وقت اور واپسی میں ان کے استقبال کے وقت لوگ پھولوں کے ہار ان کے گلے میں ڈالتے ہیں اور جوش و خروش کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں، زید اس فعل کو بدعت مکروہ اور ریاکاری و نمائش پر محمول کرتے ہوئے ناجائز سمجھتا ہے اور بکر اسے ایک فعلِ مباح اور نعرۂ تکبیر کو مستحن اور بلندیٔ شعائرِ اسلام سے سمجھتا ہے دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟

جواب۔ حجاج کو پہونچانے جانا اور واپسی پر ان کا استقبال کرنا باعثِ خیر و برکت ہے ان کو پھولوں کے ہار پہنانا اور نعرۂ تکبیر کہنا امرِ مباح ہے، اگر نعرۂ تکبیر سے دورِ حاضرہ میں دوسرے مفاسدِ عظیم پیدا ہوں تو اس سے بچنا چاہیے۔

مسئلہ۔ اس دورِ پریشانی میں مسلمان عام طور پر ہجرت کا قصد کر رہا ہے، میرے سامنے

بھی یہی معاملہ درپیش ہے .... میرے والد صاحب نے قصد کرلیا ہے اور مجھ کو دو ہی ہفتہ میں روانہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں سخت الجھن میں ہوں اس لیے کہ یہ مسئلہ اس قدر اہم اور خالص دینی ہے اور مجھ کو حکم دین کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ایسے موقع پر میرے لیے خدا و رسول کا کیا حکم ہے، والد صاحب قبلہ کے حکم کے مطابق ہجرت فرض ہے یا یہاں کا قیام؟ جواب سے براہ کرم جلد مستفید فرمائیے جس سے میری عقدہ کشائی ہو سکے۔

جواب ۔ جو ہجرت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) کی طرف فرض تھی اس کی فرضیت لا ھجرۃ بعد الفتح کے ارشاد عالی کی وجہ سے قطع ہو گئی۔ البتہ جس جگہ مسلمان کا ایمان خطرہ میں ہو اور اس کو مذہبی فرائض لازمہ ادا کرنا دشوار ہوں یا مسلمان کی جان و مال اور آبرو محفوظ نہ ہو اور محفوظ نہ ہونے کا ظن غالب بھی ہو تو اس جگہ سے ہجرت کرنا مسلمان کے لیے درست ہے اور اس مقام کو چھوڑ کر ایسے مقام پر چلا جانا واجب ہے جہاں وہ فرائض اسلامیہ کو آزادی کے ساتھ ادا کر سکتا ہو اور اس کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ رہ سکے۔ ہندوستان سے سب مسلمانوں کا ہجرت کر جانا بہت ہی دشوار ہے اس لیے اگر مسلمان یہاں اس نیت سے ٹھہرے رہیں کہ ان کے قیام سے دوسرے مسلمانوں کو تقویت حاصل ہو گی اور ان کے چلے جانے سے مسلمان کمزور سے کمزور تر ہو جائیں گے تو ہندوستان میں اقامت کرنا باعث اجر ہوگا۔ یہ مسئلہ اپنے والد صاحب کو دکھا دیجئے، مسئلہ شرعی معلوم ہونے کے بعد شاید وہ ہجرت سے رُک جائیں۔

مسئلہ ۔ نذر اور صدقہ میں کیا فرق ہے؟ ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میں بیماری سے شفا پا جاؤں گا تو خدا کے نام پر اتنا کھانا یا مٹھائی دوں گا۔ کیا شرط پوری ہونے پر اسے اپنی نذر وفا کرنا چاہیے۔

جواب ۔ عالمگیری میں ہے ؎ ولو قال علیّ ان اطعم کذا وکذا یلزمہ ذلک۔

پس صورت مسئولہ میں شخص مذکور کو اس کی شرط پوری ہو جانے کے بعد مقرر کھانا یا مٹھائی

؎ اگر کسی نے کہا کہ اتنے آدمیوں کا کھانا کھلانا میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہو تو اس عہد کا پورا کرنا اس پر لازم ہوگا۔

Marfat.com

فقرا کو کھلانا لازم ہے۔

فرائض و واجبات میں کسی چیز کو اللہ کے لیے اپنے اوپر لازم کرلینا نذر شرعی ہے، اگر نذر صد
وغیرہ کی ہے تو اس کا مصرف صرف فقرا و مساکین ہیں ثواب کے لیے اپنا مال وغیرہ دوسرے کو
دینا صدقہ ہے۔ اگر اس مال وغیرہ کا دینا صدقہ دینے والے کے لیے شرعاً فرض و واجب ہو تو اس
صدقۂ واجبہ کہتے ہیں جس کا مصرف بھی فقرا، و مساکین ہیں، اور اگر اس کا دینا فرض و واجب نہ
ہے تو صدقۂ نافلہ ہے۔ اس کا مصرف فقرا، و غنی دونوں ہیں۔

کتاب النکاح

مسئلہ۔ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں ایک ہی جلسے میں دیں جس کے شاہد عادل موجود ہیں تو از روئے شرع شریف وہ عورت مطلقہ ہوئی یا نہیں۔ اور اگر اُس عورت نے بغیر دوسرے شخص کے ساتھ عقد کئے اور بعد اُس دوسرے شخص کے طلاق دیے پہلے شوہر سے پھر نکاح کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ اور اگر نکاح صحیح نہیں ہوا تو چھ ماہ بعد اس پہلے شوہر کے نکاح کے لڑکا پیدا ہوا تو یہ لڑکا صحیح النسب ہے یا نہیں؟

جواب۔ صورت مسئولہ میں امام صاحب کے نزدیک یہ نکاح فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک باطل ہے۔ پس امام صاحب کے قول پر اس لڑکے کا نسب زید سے ثابت ہوگا اور وہ صحیح النسب ہوگا اور صاحبین کے مسلک پر اس لڑکے کا نسب زید سے ثابت نہیں ہوگا اور وہ صحیح النسب نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ زید و ہندہ غیر مسلم میاں بیوی تھے اُن میں سے شوہر نے اسلام قبول کر لیا تو آیا اس کی منکوحہ اس کے نکاح سے باہر ہوگئی یا نہیں؟

جواب۔ صورت مسئولہ میں زید کو چاہیے کہ وہ ہندہ پر اسلام پیش کرے اگر مسماۃ ہندہ اسلام لانے سے انکار کرے یا سکوت اختیار کرے تو جب تک حاکم شرع دونوں میں تفریق نہ کرائے گا مسماۃ ہندہ زید کے نکاح میں رہے گی۔

مسئلہ۔ زید نے اپنے ایک عزیز سے مرتے وقت یہ کہا تھا کہ میری لڑکی کا جو نابالغہ ہے تم اپنی مرضی سے

Marfat.com

نکاح کر دینا۔ لہذا زید کی نابالغہ لڑکی کا نکاح یہ شخص جس کو زید نے وصیت کی تھی اپنی ولایت سے کر سکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ وصی کو صغیر و صغیرہ کے نکاح کا حق نہیں ہے اگرچہ باپ نے وصی سے وصیت کی ہو پس صورت مسئولہ میں زید نے جس شخص سے اپنی نابالغہ لڑکی کے نکاح کر دینے کی وصیت کی تھی وہ شخص اپنی ولایت میں زید کی نابالغہ لڑکی کا نکاح نہیں کر سکتا ہے۔

مسئلہ۔ مسماۃ زاہدہ کا نکاح بحالت نابالغی اس کے باپ نے مسمی نظام الدین کے ساتھ کر دیا رخصتی نہیں ہوئی۔ بعد نکاح آج تک مسمی نظام الدین اپنی منکوحہ کو اپنے گھر نہیں لے گیا اور نہ نان و نفقہ دیا بلکہ اس نے دوسرا نکاح بھی کر لیا ایسی صورت میں مسماۃ زاہدہ اپنا نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں مسماۃ زاہدہ اپنا نکاح ثانی نہیں کر سکتی ہے البتہ مسماۃ زاہدہ عدالت مجازہ میں اپنے شوہر مسمی نظام الدین پر اپنے نان و نفقہ اور مہر کا دعویٰ کر سکتی ہے حاکم مجاز مسمی نظام الدین سے اس کی زوجہ مسماۃ زاہدہ کے لئے حسب حیثیت نان و نفقہ کی رقم مقرر کر سکتا ہے۔ حاکم کی مقرر کی ہوئی رقم مسماۃ زاہدہ اپنے شوہر مسمی نظام الدین سے ماہ بماہ وصول کر سکتی ہے۔ اگر مسماۃ زاہدہ یہ سمجھتی ہو کہ اس کا شوہر ماہ بماہ وہ رقم مقررہ نہیں دے گا اور اس کے وصول کرنے میں دشواری ہوگی تو مسماۃ زاہدہ حاکم مجاز سے درخواست کر سکتی ہے کہ اس کو اس کے شوہر مسمی نظام الدین سے طلاق دلا دی جائے۔ حاکم مجاز کے کہنے پر اگر مسمی نظام الدین اپنی منکوحہ مسماۃ زاہدہ کو طلاق دیدے تو طلاق ہو جائے گی اور اس کے بعد مسماۃ زاہدہ کو نکاح ثانی کا حق حاصل ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ مسماۃ امیر النساء کا شوہر رنگون میں تھا ۱۹۴۲ء کے ابتدائی حملہ کے بعد رنگون سے مسماۃ امیر النساء اور اس کے شوہر کے اعزہ واپس آگئے اور اس کا شوہر واپس نہیں آیا۔ رنگون سے آنے والے لوگوں سے امیر النساء نے اپنے شوہر کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے وہاں کے حملہ کے تفصیلی واقعات بیان کئے۔ ان میں سے بعضوں نے یہ بھی کہا کہ تمہارا شوہر ہلاک ہو گیا ہے

دریافت طلب یہ ہے کہ کیا مسماۃ امیر النساء اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے جب کہ اس نے عدت گزار کر عدالت مجاز سے بھی اپنا نکاح فسخ کرا لیا ہے۔

جواب۔ اگر امیر النساء کے اعزہ رنگون پر ابتدائی حملہ کے بعد ۱۹۴۲ء میں آ گئے اور مسماۃ مذکورہ کا شوہر واپس نہیں آیا اس کے بعد مسماۃ مذکورہ کو رنگون پر دیگر حملوں کی اور اس کی تباہی و بربادی کی خبر موصول ہوئی اور اس کو یہ معلوم ہوا کہ رنگون کے رہنے والے ہلاک ہو گئے جن میں اس کا شوہر بھی تھا پس اگر ان اخبار سے اس کو اپنے شوہر کی موت کا ظن غالب ہو گیا تو جس وقت سے اس کو اپنے شوہر کی موت کا ظن غالب حاصل ہوا ہے اس وقت سے مسماۃ مذکورہ کو عدت کے دن گزارنا جائز ہے۔ اور بعد ختم عدت اس کو نکاح ثانی کرنا جائز ہے۔ پس صورت مسئولہ میں جب کہ مسماۃ امیر النساء سے اس کے اور اس کے شوہر کے اعزہ نے رنگون کی تباہی و بربادی کے اخبار کے ساتھ اس کے شوہر کے مرنے کی بھی اطلاع دی تھی تو اگر مسماۃ مذکورہ کو ان کی اس خبر سے ظن غالب اپنے شوہر کی وفات کا حاصل ہو گیا تھا تو اس کو اس وقت سے عدت موت گزارنے اور بعد عدت نکاح ثانی کر لینے کا حق حاصل تھا۔ پس اگر اس نے قانونی مفاسد سے بچنے کے لئے عدت موت گزار کر عدالت مجاز سے بھی فسخ نکاح کرا لیا تو اس کو شرعاً اور قانوناً نکاح کر لینا جائز ہو گا۔

مسئلہ۔ اہل کتاب مرد یا عورت کے ساتھ مسلمان مرد یا عورت کا نکاح صحیح ہے یا نہیں

جواب۔ اہل کتاب مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح صحیح نہیں ہے۔ اور اہل کتاب عورت کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ جو فرقہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عزیر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا مانتا ہے اس کے ساتھ مناکحت درست نہیں ہے اور نہ اس کا ذبیحہ درست ہے۔ اور جو فرقہ یہ عقیدہ نہیں رکھتا ہے اس کے ساتھ بلا شرط مناکحت جائز ہے۔ اور بعض علما کے نزدیک اگر یہ عقیدہ نہ بھی رکھتا ہو تو اس کے ساتھ مناکحت بکراہت تنزیہ جائز ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی

Marfat.com

اللہ عنہا کے نزدیک اہل کتاب سے مناکحت مطلقاً جائز نہیں۔

مسئلہ۔ ہندہ اور زید ایک مدت تک زن و شو کی حیثیت سے جائز اسلامی زندگی بسر کرتے رہے ایک عرصہ کے بعد ہندہ دین اسلام سے روگردانی کر کے مرتدہ ہو گئی ہے۔ کیا اب بھی ہندہ زید سے کسی قسم کا تعلق رکھ سکتی ہے۔ یا زید کو یہ حق ہے کہ وہ بجبر ہندہ کو اپنی بیوی بنائے اور اسے الگ نہ کرے ایسا کہنے میں زید مصیب ہوگا؟

بعض علماء بلخ و سمرقند کا ایک شاذ اور خلاف اجماع قول کتابوں میں مروی ہے کہ مرتدہ بجبر لونڈی بنا کر رکھی جائے گی۔ کیا واقعی ایسا جائز ہے؟

کیا ایک حرّہ بجبر لونڈی بنائی جا سکتی ہے یہ فعل نص قرآنی کے خلاف تو نہ ہوگا؟

کیا ایک حنفی المذہب مسلمان مذہباً مجبور و مکلف ہے کہ ائمہ ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ اور محمدؒ کے ساتھ علماء بلخ و سمرقند کا بھی مقلد ہو؟

صورت مذکورہ بالا میں ہندہ کا مہر زید پر واجب الادا ہے یا نہیں۔

اگر مرتدہ چھ ماہ تک الگ زندگی بسر کر کے تائبہ ہو جائے اور ایمان لے آئے تو قدیم شوہر کے ساتھ صرف تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا حلالہ بھی ضروری ہے۔

اگر ہندہ ارتداد کے بعد دوبارہ اسلام لا کر سابقہ شوہر سے تجدید نکاح پسند نہ کرے تو کیا ہوگا

جواب۔ زوجہ اگر مرتد ہو جائے تو ظاہر الروایۃ کے لحاظ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس فتنہ کے استیصال کے لئے علماء نے مختلف صورتیں اختیار کی ہیں بعض علما کی رائے ہے کہ جب زوجہ اپنے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام لانے اور شوہر اوّل ہی کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کی جائے گی۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ ارتداد کی وجہ سے تفریق نہ ہوگی بلکہ شوہر اس پر زوجہ یا لونڈی کی طرح تصرف کر سکتا ہے۔ پس اگر دار الاسلام ہے تو امام ابو حنیفہ کی اس روایت کی بنا پر جو نوادر میں مذکور ہے کہ زوجہ مرتدہ دار الاسلام میں بھی لونڈی بنائی جا سکتی ہے، ان علماء کے نزدیک اس کا لونڈی بنانا جائز ہے اور اگر کوئی

مفتی اس فتنہ کے استیصال کے لئے اس قول پر فتویٰ دے تو جائز ہے۔ اور اگر دار الحرب ہے تو جب شوہر کا غلبہ اس پر ہو جائے گا شوہر اس کو لونڈی بنا سکتا ہے۔ اس صورت میں اس کا لونڈی بنانا بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر دار الاستیلا ہے تو بھی جب شوہر کا اس پر استیلاء ہو جائے گا تو شوہر اس کا مالک ہو گا! اور اس کو لونڈی بنانا جائز ہو گا۔ جیسا کہ فتنۂ تاتار کے زمانے میں خوارزم وغیرہ کے علمانے یہی فتویٰ ان ممالک کے لئے دیا تھا جن پر استیلا تاتاریوں کا ہو گیا تھا پس اسی مسلک پر اگر یہاں بھی فتویٰ دیا جائے تو جائز ہے۔

جواب نمبر اول سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے دار الاسلام ہونے کی صورت میں زوجہ مرتدہ کے استرقاق کا فتویٰ جو بعض علمانے دیا ہے وہ امام ابوحنیفہ کے ایک قول کی بنا پر دیا ہے اور دار الحرب یا دار الاستیلا ہونے کی صورت میں جو فتویٰ استرقاق کا دیا گیا ہے اس کو قیاس مقتضی بھی ہے اس لئے کہ دار الحرب کے احکام میں سے ہے کہ جب مسلم کسی حربی کو گرفتار کرلے یا اس پر مستولی ہو جائے تو اس کو رقیق بنا سکتا ہے اور دار الاستیلا کے احکام میں سے یہ بھی حکم ہے کہ مسلمان جس چیز پر مستولی ہو جائے گا وہ اس کی ملک میں آجائے گی۔ بنا بریں دار الحرب اور دار الاستیلا کی صورت میں استرقاق کا فتویٰ دینا روایت شاذہ اور خلاف اجماع نہ ہو گا۔ دار الحرب اور دار الاستیلا میں جن حربیوں کو رقیق بنایا جاتا ہے وہ خاندانی رقیق نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ حربی ہوتے ہیں۔ غلبۂ مسلمین کی وجہ سے وہ رقیق بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ زوجہ مرتدہ بھی شوہر مسلم کی غلبہ کی وجہ سے رقیق بنائی جا سکتی ہے یہ فعل نص قرآنی کے خلاف نہیں ہے۔

کوئی حنفی المذہب مسلمان مذہبًا مجبور و مکلف نہیں ہے کہ آئمہ کے ساتھ ساتھ علمائے بلخ و سمرقند کا بھی مقلد ہو۔ البتہ ان علماء کا مسلک اگر قواعد شرعیہ کے موافق ضرورت زمانہ کے لحاظ سے انسب ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

مرتدہ کے رقیق بنانے میں ان علماء کا مسلک اپنے ائمہ کے اقوال کے خلاف نہیں ہے۔

Marfat.com

جو فرقت زوجہ کی وجہ سے ہو تو زوجہ کو مہر نہیں ملے گا۔
علمائے بخارا کے مسلک پر وہ شوہر اوّل کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کی جائے گی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے اور جن علماء کے نزدیک ارتداد باعث تفریق نہیں ہے ان کے مسلک پر نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ۔ ایک شخص نے اپنی شادی ایک بیوہ سے کی اور بیوہ کے دو لڑکے پہلے شوہر کے تھے ہمراہ بیوہ کے آئے۔ چند سال کے بعد بیوہ کا بقضائے الٰہی انتقال ہو گیا پہلے شوہر کے جو لڑکے تھے دونوں کی شادی ہو گئی۔ ایک لڑکے نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اگر وہ عورت منکوحہ مطلقہ اپنے خسر کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو شرع حکم دیتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں شخص مذکور کا نکاح اپنی زوجہ کے لڑکے کی مطلقہ بی بی کے ساتھ درست ہے

مسئلہ۔ مسمی نظام الدین کو رنگون گئے دس بارہ سال ہو چکے تھے باوجود تلاش وجستجو اس کے زندہ ہونے کا پتہ نہیں لگتا تھا تو اس کی زوجہ مسماۃ بتول نے دس بارہ برس انتظار کرنے کے بعد اپنا نکاح ثانی کر لیا۔ آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں۔ مسماۃ بتول نکاح کرنے کے بعد عرصہ تک اپنے شوہر ثانی کے پاس رہی اور میاں بیوی کے تعلقات حسب دستور قائم رہے۔ تین چار سال کے بعد یہ شوہر ثانی مر گیا۔ نکاح کے کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا شوہر اوّل زندہ ہے آیا مسماۃ بتول اپنے شوہر ثانی کے مرنے کے بعد اپنا نکاح کسی تیسرے شخص سے کر سکتی ہے یا نہیں یا وہ اپنے شوہر اول کے نکاح میں رہے گی۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں اگر مسمی نظام الدین رنگون جانے کے بعد دس بارہ برس تک بالکل لاپتہ رہا اور باوجود تلاش وجستجو کے اس کا پتہ نہیں لگا اور ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اس کی عورت مسماۃ بتول نے اپنا عقد ثانی کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہو گا۔ عورت کے نکاح ثانی کر لینے کے بعد اگر شوہر اول آجائے یا اس کی حیات کا علم ہو جائے اور نکاح ثانی کے بعد دوسرے شوہر نے اس عورت سے وطی اور صحبت بھی کر لی ہو تو شوہر اول کو اس عورت پر کچھ حق باقی

Marfat.com

نہیں رہتا۔ پس جب کہ شوہر اول کا کوئی حق اس عورت پر نہیں رہا تو یہ عورت شوہر ثانی کے مرنے کے بعد اور عدت موت گزارنے کے بعد اپنا نکاح تیسرے شخص سے کر سکتی ہے۔

مسئلہ۔ زید اپنا مذہب بدل کر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے مگر اس کے ساتھ اس کی بیوی اپنا مذہب بدلنے پر آمادہ نہیں ایسی صورت میں زید سے اس کی بیوی (منکوحہ) مہر لے سکتی ہے یا نہیں اور مہر شوہر پر واجب الادا ہے یا نہیں۔ بیوی کے ساتھ دو معصوم بچے ہیں دو بچے کس کی پرورش میں دیئے جائیں۔ شوہر کی جائداد پر بیوی کے حقوق ہیں یا نہیں۔ نیز زید کی جائداد پر بچوں کا حق ہے یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں اگر شوہر (معاذ اللہ) مرتد ہو گیا اور اس نے مذہب اسلام چھوڑ دیا تو اس کی عورت مسلمہ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی لیکن وہ اپنا کل مہر اپنے شوہر سے وصول کر سکتی ہے۔ اور شوہر پر عورت کا نفقہ بھی واجب ہے اور معصوم بچے اپنی ماں کی پرورش میں رہیں گے پس اگر یہ مرتد (معاذ اللہ) ارتداد ہی پر مر گیا اور توبہ کر کے اسلام نہیں لایا تو اس کی وہ جائداد جو اس نے حالت اسلام میں حاصل کی تھی اس کے مسلمان ورثا پر ان کے حصص شرعی کے لحاظ سے تقسیم کر دی جائے گی۔ پس اگر وہ مرتد ایسے وقت مرے کہ اس کی زوجہ کی عدت تمام نہ ہوئی ہو تو اس کی زوجہ بھی اپنا حصہ شرعی پائے گی اور اس کے مسلمان لڑکے بھی اس کی جائداد میں حصہ پائیں گے مرتد نے جو جائداد ارتداد کی حالت میں حاصل کی ہے اس جائداد میں مرتد کے ورثا کے حصہ پانے میں اختلاف ہے۔ صاحبین کے نزدیک اس جائداد میں بھی مسلمان ورثا حصہ پائیں گے اور امام صاحب کے نزدیک وہ جائداد بیت المال میں داخل کی جائے اور چوں کہ فی زمانہ بیت المال منتظم نہیں ہے اس لئے اس جائداد کو بھی ورثا پر تقسیم کر دیا جائے گا لہذا اس جائداد سے بھی اس کے مسلمان لڑکے حصہ پائیں گے اور اگر اس کی زوجہ عدت میں ہوگی اور شوہر مرتد مرے گا تو اس کی زوجہ بھی حصہ پائے گی۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ۔ نکاح کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے یا بیٹھ کر۔

Marfat.com

جواب ۔ شریعت میں کوئی خطبہ بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہی نہیں ہے بلکہ تمام خطب کا کھڑے ہو کر پڑھنا مشروع ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد فی ھدی خیر العباد میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کی عادت شریفہ جس فصل میں لکھی ہے اس میں تحریر فرمایا ہے ۔ ان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی عادت مستمرہ خطبہ دینے کے وقت قیام کی تھی اور الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ الحدیث تا فقد فاز فوزاً عظیما خطبۂ نکاح ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ادب خطبہ نکاح میں یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے اور حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ مخزومی کے نکاح کے متعلق جو حدیث حاکم نے مستدرک میں لکھی ہے اور علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد ابن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۶ھ نے اس کی تصحیح کی ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے عمر ابن ابی عبد اللہ بن عبد الاسد المخزومی نے اپنی والدہ کے ارشاد کے مطابق ان کا نکاح کھڑے ہو کر کیا جس میں خطبہ بھی داخل ہے ۔ علاوہ بریں اعلان نکاح کا مامور بہ ہے اور خطیب کے قیام کی صورت میں نکاح کا اعلان زائد ہوتا ہے بہ نسبت اس کے قعود کے فلہٰذا کھڑے ہو کر خطبہ نکاح پڑھنا اولیٰ ہو گا ۔ پس صورت مسئولہ میں چوں کہ ادب خطبہ کا یہی ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دیا جائے فلہٰذا خطبۂ نکاح بھی کھڑے ہو کر پڑھنا موافق ادب خطبہ ہے اور مستحب ہے ۔

مسئلہ ۔ خطبۂ نکاح کس وقت پڑھنا چاہئے ؟ اور بغیر خطبے کے نکاح درست ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ خطبۂ نکاح نکاح کے ایجاب و قبول کے پہلے پڑھنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث ہے جس کو دارمی نے روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے پس خطبۂ نکاح ایجاب و قبول کے بعد پڑھنا استحباب کے خلاف ہے ۔ اگر ایجاب و قبول کے پہلے تسمیہ و تحمید آہستہ سے بھی نہیں کی گئی تھی تو ایجاب و قبول سے برکت جاتی رہی اور نکاح ہو گیا اس لئے کہ خطبہ نکاح نکاح کے وقت مستحب ہے ۔ اگر نکاح کے وقت خطبہ نہ پڑھا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے ۔

مسئلہ ۔ مسماۃ مومنہ کا عقد بحالت صغر سنی محمد شریف سے ہوا۔ حالت نابالغی میں مومنہ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ لڑکی میکہ میں وقت گزارتی رہی مگر محمد شریف نے کوئی توجہ کرنا ضروری نہیں سمجھا نہ تو مسماۃ کو خرچ ہی دیتا تھا نہ طلاق اور نہ گھر لے جاتا تھا۔ مومنہ نے عدالت مجازمیں درخواست فسخ نکاح دے کر نکاح فسخ کرا لیا۔ چوں کہ عدالت غیر مسلم تھی اس لئے جماعت مسلمین میں کہ جس میں ایک عالم صاحب بھی شریک تھے اس طرح کہ معاملہ کا ہر پہلو ان کے سامنے پیش ہوا اور عالم صاحب نے فسخ نکاح کا حکم صادر فرما دیا۔ بعد ازاں مومنہ نے عقد ثانی کر لیا۔ برادری کے کچھ لوگ معترض ہوئے اور اس نکاح کو ناجائز سمجھ کر ترک تعلق کر لیا۔ کیا صورت متذکرۂ بالا کے تحت عوام کا یہ ترک تعلق شرعاً جائز ہے۔ مطابق شریعت اسلامیہ جو حکم ہو بیان فرما کر داخل حسنات ہوں۔

محمد شریف ان دنوں ایام میں ترک وطن کر کے پاکستان چلا گیا ہے۔

جواب ۔ اگر مسماۃ مومنہ اور مسمی محمد شریف نے اپنے معاملات کے فیصلہ کے لئے اس جماعت کو اپنی طرف سے پنچ مقرر کیا تھا یا مسماۃ مومنہ اور محمد شریف کے اولیا اور اعزا نے یا ان دونوں کی برادری کے لوگوں نے اس جماعت کو میان مومنہ اور محمد شریف کے معاملات کے فیصلہ کرنے کے لئے پنچ مقرر کیا تھا اور ان پنچوں نے معاملات کو غور کرنے کے بعد یہی فیصلہ کر دیا کہ مسماۃ مومنہ اور محمد شریف میں تفریق کرا دی اور مسمی محمد شریف کی طرف سے اس کی منکوحہ کو طلاق دے دی تو یہ فیصلہ احناف کے نزدیک اس وقت نافذ ہوگا کہ محمد شریف نے اس جماعت کو طلاق دینے کا اختیار اپنی طرف سے دیا ہو اور اگر محمد شریف نے اس جماعت کو اپنی طرف سے طلاق دینے کا مجاز نہیں کیا تھا تو اس جماعت کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ منکوحہ محمد شریف کو طلاق دے دے اور اس وقت اس جماعت کے طلاق دینے سے محمد شریف کی عورت مسماۃ مومنہ کو طلاق نہ ہوگی۔ لیکن امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک ہے کہ اگر مقرر کردہ پنچ مسماۃ مومنہ اور مسمی محمد شریف کے درمیان کوئی صورت اصلاح کی نہ دیکھیں

تو وہ پنچ شوہر کی طرف سے طلاق دیکر زوجین میں باہمی تفریق کرا سکتے ہیں۔ اور چونکہ ضرورت شدیدہ کے وقت دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے پس اگر مومنہ کے فتنہ و فساد میں پڑ جانے کا ظن غالب تھا اور اس کو نان و نفقہ ملنے کی کوئی سبیل نہ تھی اور پنچان مذکورہ نے تفریق کا فیصلہ کر دیا تھا تو ان پنچان کے فیصلہ کے بعد مسماۃ مومنہ کا عدت کا زمانہ گزار کر اپنا نکاح کر لینا درست ہو جائے گا اور مسماۃ مذکورہ اور اس کے شوہر کو برادری سے خارج کرنا غلطی ہوگی

مسئلہ۔ زید اور اس کی زوجہ میں بہت زمانے سے تعلقات کشیدہ تھے۔ اس زمانے میں ان دونوں کا معاملہ پنچائت میں پیش کیا گیا۔ پنچائت کے چودھری نے زید کی طرف سے اس کی منکوحہ کو طلاق دیدی کیا چودھری کے طلاق دینے سے طلاق ہو جائے گی۔ اگر نہیں ہوگی تو زید سے اس کی توقع نہیں کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دیدے اور نہ وہ اپنی بیوی کے نان و نفقہ ہی کی خبر لے گا۔ کیا کوئی ایسی صورت نکل سکتی ہے کہ زید کی بیوی کا زید سے چھٹکارا ہو جائے۔

جواب۔ عورت کی طلاق کی یہ صورت نہیں کہ چودھری اس کو طلاق دیدے بلکہ اس کی صورت شرعاً یہ ہے کہ اگر زوجین میں باہمی اس طرح کا نفاق پیدا ہو گیا ہو کہ ایک دوسرے کی صورت سے بیزار ہوں تو حاکم شرع اور والی اسلام کو چاہیئے کہ وہ زوجہ و زوج سے کہے کہ وہ اپنے اپنے اعزا میں سے کسی کو حکم اور سرپنچ مقرر کردیں تاکہ وہ دونوں حکم (جن میں سے ہر ایک زوجین کے خاندانی حالات سے بوجہ قرابت واقف ہوگا) ان دونوں میں کوئی ایسی صورت نکال دیں جو مصالحت کی ہو وہ دونوں حکم جس اصلاحی صورت پر فیصلہ کر دیں گے وہ نافذ ہوگا۔ اور اگر وہ کوئی اصلاحی صورت نہ دیکھیں اور تفریق کرا دیں تو احناف کے نزدیک ان کا تفریق کرا دینا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ زوج نے اپنے حکم کو طلاق دینے کا بھی مجاز کر دیا ہو۔ اور امام مالک کے نزدیک ان کا تفریق کرا دینا بہر صورت جائز ہے۔ پس فی زماننا چونکہ قاضی و حاکم شرعی موجود نہیں ہیں اس لئے ان اقوام میں جن میں فیصلہ چودھری کیا کرتا ہے یا ان لوگوں نے اپنے معاملات میں فیصلہ کرنے کے لئے کسی کو حکم مقرر کر لیا ہے تو وہ بمنزلۂ حاکم

Marfat.com

شرعی کے ہوگا تو اگر وہ چودھری یا حکم زوجین میں عداوت ہونے کی صورت میں زوجین کے قرابت داروں میں سے ایک ایک شخص ان دونوں کے باہمی فیصلہ کرنے کے لئے حکم مقرر کردے تو دونوں حکم جو اصلاحی فیصلہ کردیں گے وہ باتفاق نافذ ہوگا اور اگر دونوں حکموں کے خیال میں اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلے اور وہ زوجین میں تفریق کرادیں تو بر مذہب امام مالکؒ وہ تفریق صحیح ہوگی اور ضرورت شدیدہ کے وقت دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے لہذا صورت مسئولہ میں اگر پنچائت میں چودھری مذکورہ بالا طریقہ پر دو حکم مقرر کردے اور وہ دونوں زوجین میں (بوجہ ان کی عداوت شدیدہ کے) تفریق کرادیں تو تفریق ہوجائے گی اور اس تفریق کے بعد عدت طلاق ختم ہونے پر اس عورت کا نکاح ثانی کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ۔ مسماۃ ہندہ منکوحۂ زید نے جب کہ زید اس کو مسئلہ شرعی (تعدد نکاح کا جواز) بتا رہا تھا اور اس سے یہ کہہ رہا تھا کہ شریعت اسلامیہ میں اس کا یہی حکم ہے یہ کہا کہ (معاذ اللہ) شریعت دریعت گئی چولھے بھاڑ میں۔ آیا یہ کلمات کفر ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو زید کا نکاح ہندہ سے قائم رہا یا نہیں اور دونوں میں افتراق ہوگیا یا نہیں۔ اگر نکاح ٹوٹ گیا تو ہندہ کے لئے عدت اور عدت کا خرچ اور مہر واجب ہوگا یا نہیں۔

جواب۔ یہ الفاظ موجب کفر ہیں۔ ان الفاظ سے نکاح فسخ ہوجائے گا۔ ہندہ کو توبہ کرکے تجدید نکاح کرنا چاہئیے۔ مرتدہ مہر پانے کی مستحق ہے۔ مرتدہ پر عدۃ واجب ہے۔ اور نفقۂ عدت لینے کی مستحق نہیں ہے۔

مسئلہ۔ ایک مرد کی شادی ایک عورت سے ہوئی۔ جب وہ اپنی عورت کے پاس جماع کرنے کے لئے گیا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کی عورت کے موضع جماع نہیں ہے اور اس کا وہ مقام عورتوں کی طرح نہیں ہے بلکہ ہجڑوں کی طرح ہے چنانچہ اس عورت کا ڈاکٹری معائنہ ہونے پر ڈاکٹروں نے یہ رائے قائم کی کہ اس عورت کی اصلاح نہیں ہوسکتی ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اگر شوہر طلاق دیدے تو اس کو کیا مہر ادا کرنا ہوگا۔

Marfat.com

جواب۔ جو خلوت کہ احد الزوجین کے مرض اور عورت کے حیض ونفاس اور احرام وصوم سے خالی ہو وہ مثل وطی کے ہے۔ پس اگر عورت کی فرج میں ایسی بیماری ہو کہ جس کی وجہ سے مرد اس سے جماع نہ کر سکے یا جماع کرنے میں مرد کو کوئی ضرر پہونچے تو ایسی خلوت مثل وطی کے نہ ہوگی اور اس طرح کی عورت کو ایسی خلوت پر پورا مہر نہیں دلایا جائے گا۔ لہذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر اپنی زوجہ سے موضع جماع نہ ہونے کی وجہ سے جماع نہ کر سکا یا جماع کرنے میں مرد کو ضرر پہونچا تو یہ خلوت، خلوت صحیحہ نہیں ہے۔ اور ایسی خلوت کے بعد اگر شوہر طلاق دے گا تو اس کو نصف مہر دینا ہوگا اور اگر موضع موجود ہے اور شوہر نے اس سے جماع کر لیا اگرچہ اس کو حظ نہ حاصل ہوا تو وہ خلوت خلوت صحیحہ کے حکم میں ہے۔

مسئلہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:-

زید نے ہندہ کو خط لکھا کہ تم کو میرے ساتھ نکاح کرنا منظور ہے؟ ہندہ نے جواب "ہاں مجھے تمہارے ساتھ نکاح کرنا منظور ہے" زید نے دو تین آدمیوں کو یہ خط دکھایا اور ان سے اس خط پر دستخط کرائے تاکہ اگر کسی موقع پر ضرورت پڑے تو یہ لوگ شہادت دیں، اب بھی ہندہ سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اقرار کرتی ہے۔ کیا محض ان دونوں یعنی زید وہندہ کی تحریری ایجاب وقبول اور ان تین آدمیوں کی شہادت انعقاد نکاح کے لئے کافی ہے؟ اور کیا اس طرح نکاح ہونا ثابت ہو جائے گا شرعاً؟ یا جو نکاح مجمع عام میں بحضور قاضی کیا جاتا ہے یعنی گواہ شاہد اور قاضی خطبۂ نکاح پڑھتا ہے اس وقت نکاح منعقد ہوتا ہے اور اس کے خلاف نہیں، خطبۂ نکاح فرض ہے یا واجب یا سنت، بینوا توجروا

جواب۔ صورت مسئولہ میں طرفین کی محض کتابت ایجاب وقبول نکاح ثبوت نکاح کے لئے کافی نہیں ہے۔ علاوہ بریں زوجین کے ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں دو گواہوں کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ صورت مسئلہ میں اس تحریر پر گواہوں کی گواہی عورت کے یہاں سے جواب آنے پر کرائی گئی لہذا ایک ہی مجلس میں زوجین کے ایجاب وقبول ہونے پر گواہی بھی نہیں ہے

Marfat.com

اس لئے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ خطبۂ نکاح پڑھنا مستحب ہے۔

مسئلہ۔ آج کل عام رواج یہ ہو گیا ہے کہ بوقت شادی مہر پندرہ بیس ہزار کا تقرر کیا جاتا ہے۔ **تمثیل**۔ مسمی محمود کی شادی مسماۃ انوری کے ساتھ ہوئی ہے جس وقت نکاح ہوتا ہے تو محمود کے والد ہر چند اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ مہر شرع کے مطابق ہو تاکہ نقد ادا کر دیا جائے مگر انوری کے وارثان نہیں مانتے اور وہ پندرہ ہزار کا مہر تقرر کراتے ہیں۔ نکاح ہو جاتا ہے۔ اب لڑکی رخصت ہو کر شوہر کے مکان آتی ہے شوہر کی اتنی حیثیت نہیں ہے کہ وہ مسماۃ انوری کا مہر نقد ادا کر سکے اور مسماۃ انوری کسی صورت سے بھی مہر معاف نہیں کرتی ہے اور محمود نقد ادا بھی نہیں کر سکتا ہے۔ اب ایسی صورت میں محمود اور انوری طریقۂ زن و شوہری اختیار کرتے ہیں یعنی مباشرت کرتے ہیں تو کیا شرعاً درست و جائز ہے۔

جواب۔ محمود کو اس مقدار مہر کے ادا کرنے کی نیت رکھنا چاہیئے اور اپنے اوپر اتنی رقم کو دین سمجھنا چاہیئے تاکہ اس کی مباشرت زنا کے حکم میں نہ ہونے پائے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ۔ عموماً آج کل بیاہ شادی میں یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ قبل شادی لڑکی والے لڑکے کے وارثان کے سامنے چند شرائط لکھ کر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی تحریری کرا دو تب شادی ہوگی۔ چند اقسام شرائط یہ ہیں کہ لڑکی خود مختار رہیگی۔ جہاں وہ جانا چاہے وہ تمام جا سکتی ہے۔ ہر خوشی لڑکی کی شوہر کو پوری کرنی ہوگی۔ بوقت شکر رنجی زن و شوہر لڑکی کو اختیار رہوگا کہ وہ اپنے والدین کے پاس بیٹھ کر کھانا، کپڑا یا نقد روپیہ مبلغ پندرہ یا بیس روپیہ لے سکتی ہے۔ اور لڑکی جہاں چاہے گی وہاں رہ سکتی ہے۔ شوہر کو کوئی حق نہ ہوگا کہ وہ کسی قسم کا جبر و تشدد کرے۔ تو اس قسم کے شرائط لکھ دینے یا لکھا لینے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر شوہر اس قسم کا اقرار نامہ لکھ دے تو فیما بینہ وبین اللہ اس کا پورا کرنا شوہر پر لازم ہے اور اگر ایفائے وعدہ نہیں کرتا تو قاضی اس پر جبر نہیں کرے گا اس لئے کہ محض وعدہ

Marfat.com

کر لینے سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:۔

عورت شافعی مذہب کی ہے شوہر عرصہ گیارہ سال سے نہیں لے گیا ہے میکے میں ہے جوان عورت ہے۔ شافعی مذہب میں عورت کب تک راستہ دیکھ سکتی ہے اور دوسرا نکاح کب کر سکتی ہے مدت کیا ہے؟

جواب۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا معتمد علیہ اور اصح مذہب یہ ہے کہ جب شوہر اس طور سے تنگ دست ہو کہ اسے اس کی زوجہ کو نان نفقہ حاصل کرنا متعذر ہو تو اس کی زوجہ فسخ نکاح کرا سکتی ہے یعنی زوجہ کو فسخ نکاح کا حق شوہر کی تنگ دستی اور محتاجی اور غریبی کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ خواہ شوہر موجود ہو یا غائب اور لاپتہ ہو لیکن شوہر کی خوش حالی کی صورت میں جب کہ اس سے یا اس کی جائداد سے نان نفقہ دلایا جا سکے تو اس کی زوجہ کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگر قاضی اور حاکم مجاز عورت کو اس کے شوہر کی محتاجی کی وجہ سے نان نفقہ نہیں دلا سکتا ہے تو عورت کے فسخ نکاح کے دعویٰ پر نکاح کو فسخ کر سکتا ہے اور اگر قاضی شافعی شوہر سے یا اس کی جائداد سے اس کی منکوحہ کا نان نفقہ دلا سکتا ہے تو نکاح فسخ نہ کرے بلکہ نان نفقہ مقرر کر دے۔ البتہ بعض شوافع نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر شوہر غائب ہو اور اس سے نان نفقہ دلانا متعذر ہو تو عورت کے فسخ نکاح کے دعویٰ پر قاضی شافعی فسخ نکاح کرا سکتا ہے۔ لیکن یہ فتویٰ امام شافعیؒ کے معتمد علیہ قول کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ۔ کیا شیخ، مغل اور پٹھان کو ایک سیدزادی سے عقد کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ اس مسئلہ کی چند صورتیں ہیں (۱) سیدانی کا نکاح غیر کفو میں حالت نابالغی میں ولی جابر یعنی باپ یا دادا کر دے وہ نکاح نافذ ہو جاتا ہے۔ بلوغ کے وقت فسخ کا اختیار سیدانی کو نہیں ہے۔ (۲) نابالغی میں سیدانی کا نکاح غیر کفو میں ولی جابر کے علاوہ کوئی دوسرا ولی کرے تو اس صورت میں وہ نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے (۳) بالغ سیدانی اپنی رضا سے بغیر ولی

رضامندی کے اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو اس میں دو قول ہیں۔ (الف) یہ کہ تا ولادت اولیا
فسخ نکاح کرا سکتے ہیں (ب) یہ کہ ایسا نکاح ہی صحیح نہیں ہے اور اسی کو مفتی بہ بھی لکھا ہے
(۴) بالغ سیدانی اپنی رضامندی اور اولیا کی اجازت سے اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو
اس صورت میں کسی کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے۔ سیدانی کے کفو تمام قریشی ہیں جن میں شیخ
صدیقی و فاروقی و عثمانی سب داخل ہیں۔

مسئلہ۔ ہندہ غیر شادی شدہ بالغ لڑکی سے اس کے والدین نے زید کے ساتھ نکاح کر دینے
کے متعلق دریافت کیا تو ہندہ نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا لیکن بوقت عقد ہندہ سے دریافت
کیا گیا تو وہ اس خیال سے خاموش رہی کہ نہ میں ہاں کروں گی نہ نکاح ہو سکے گا۔ ایسی صورت میں
نکاح ہوا یا نہیں۔

جواب۔ باکرہ عورت کا ایجاب و قبول کے وقت سکوت اختیار کرنا بمنزلہ رضا کے ہے۔ پس
جب کہ ہندہ نے نکاح کے ایجاب کے وقت سکوت اختیار کیا تو مفتی بہ قول پر اس کا سکوت اس
کی رضامندی اور اجازت ہو گی اور نکاح صحیح ہو جائے گا۔ لیکن علامہ ابن ہمام صاحب فتح
القدیر کی ذاتی رائے یہ ہے کہ جب کہ مسماۃ ہندہ نے استیذان نکاح کے وقت صاف طور
سے نکاح کو نامنظور کر دیا تھا تو اس کا یہ انکار صریح اس کے اس سکوت کے مقابل جو رضا
پر دلالت کرتا ہے قوی ہے لہذا یہ نکاح صحیح نہ ہو گا اور صاحب بحر نے اس رائے کو پسند کیا ہے
پس ان دونوں حضرات کے نزدیک ہندہ کا نکاح صحیح نہ ہو گا۔ لہذا مفتی بہ قول پر ہندہ کا نکاح
صحیح و درست ہے۔ لیکن ہندہ اور اس کے شوہر کے لئے مناسب یہ ہے کہ رخصتی کے قبل تجدید
نکاح کر لیں تاکہ نکاح کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

مسئلہ۔ مسماۃ فتح بیگم کا شوہر مسمی پہلوان خاں عرصۂ دراز سے باہر تھا تھوڑا زمانہ ہوا کہ
اس کے شوہر کی جائے سکونت سے بذریعہ تار اس کو اس کی اطلاع ملی کہ اس کا شوہر قضا
کر گیا نیز اس کے شوہر کی جائے سکونت سے دو تین اشخاص آئے اور انھوں نے بھی مسماۃ

Marfat.com

فتح بیگم کو اس کے شوہر کے مرجانے کی اطلاع دی۔ مساۃ فتح بیگم نے عدت کے بعد اپنا نکاح ثانی مسمی اصغر علی سے کرلیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں جب کہ مساۃ فتح بیگم کو تار اور دیگر اطلاعات سے اپنے شوہر مسمی پہلوان خاں کے مرجانے کی تصدیق ہوگئی تو عدت موت گزارنے کے بعد مساۃ فتح بیگم کو نکاح ثانی کرلینا جائز تھا۔ لہذا مساۃ فتح بیگم کا نکاح مسمی اصغر علی سے جائز تھا۔ اور یہ دونوں اس نکاح کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوں گے۔

مسئلہ۔ مسماۃ ہندہ کو جو عمرو کی مطلقہ ہے عرصہ تقریباً تین سال کا ہوا جب طلاق ہوئی تھی۔ طلاق کے ایک سال بعد ہندہ نے زید کے پاس سکونت اختیار کرلی۔ دوران قیام ہندہ کی طرف سے کچھ اظہار محبت ہوتا رہا۔ دس گیارہ ماہ کے بعد زید نے ہندہ سے کہا کہ بروے شرع شریف اگر عورت و مرد ہنسی مذاق میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا قبول کرلیں تو نکاح ہو جاتا ہے، عورت پر مرد کے حقوق شوہری اور مرد پر عورت کے حقوق زوجیت پیدا ہو جاتے ہیں اس کے دو چار روز بعد مذاق ہی مذاق میں زید نے ہندہ سے سوال کیا "پھر وہ بات تم قبول کرتی ہو؟" ہندہ نے جواب میں کہا "ہاں میں نے قبول کیا" زید نے کہا "اچھا تو پھر ہم نے بھی قبول کیا" ہندہ نے پھر کہا "ہاں قبول کیا"، یہ بات دو عورتوں اور ایک مرد کے سامنے ہوئی ان میں سے ایک عورت نے دریافت کیا کہ کیا قبول کرایا جا رہا ہے؟ زید نے جواب میں کہا کہ ان کا قبول کرنا تم نے سن لیا بس اب تفصیل کی ضرورت نہیں۔ یہ معاملہ یہاں پر ختم ہوگیا اور اس کے بعد زید و ہندہ کے تعلقات ازدواجی پیدا ہوگئے اب ہندہ انکار کرتی ہے کہ میں نے نکاح نہیں کیا تعلقات کی مقر ہے۔

سوال یہ ہے کہ حالات مندرجہ بالا میں شرعاً ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ منعقد ہوگیا یا نہیں اور اب ہندہ کو انکار کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ دونوں عورتوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد موجود ہے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہاں اس قسم کی بات ہوئی تھی۔ بروے فقہ حنفی جو فتوی شرعی

Marfat.com

ہو تحریر فرمائیے۔ ممنون ہوں گا۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں جب کہ ہندہ اور زید کا ایجاب وقبول صریحی الفاظ کے ساتھ نہیں تھا اور گواہ بھی نکاح کے ایجاب وقبول کو نہیں سمجھے تھے اس لئے زید اور ہندہ کا نکاح منعقد نہیں ہوا۔

مسئلہ۔ زید نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا تھا بکر انتہا کا شرابی اور جواری ہے۔ زید کی لڑکی بالغ ہونے پر اس نکاح سے راضی نہیں ہے اور کہتی ہے کہ بکر کے یہاں نہیں جاؤں گی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس لڑکی کے انکار کرنے کی وجہ سے اس کا نکاح فسخ ہو جائیگا یا نہیں۔

جواب۔ اگر نابالغہ کے باپ زید نے یہ جانتے ہوئے کہ بکر بداطوار ہے اپنی لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا تو لڑکی کو فسخ نکاح کا حق بالغ ہونے پر نہیں ہے۔ اور اگر نابالغہ کے باپ نے یہ جان کر نکاح کیا تھا کہ بکر بوقت نکاح فاسق اور بداطوار مشہور نہیں تھا بعد نکاح کر دینے کے یہ معلوم ہوا کہ وہ حد درجہ بداطوار تھا جس کا علم نابالغہ کے باپ کو نہ تھا تو نابالغہ کو بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ اور اگر بکر بوقت نکاح بداطوار اور فاسق نہ تھا بعد نکاح کے فاسق ہوا تو نکاح فسخ کرانے کا حق کسی کو نہیں ہے اس لئے کہ کفائت اور ہمسری کا اعتبار اول عقد نکاح کے وقت ہوتا ہے۔ پس اگر نکاح کے بعد کسی وجہ سے شوہر اپنی منکوحہ کا ہمسر اور کفو نہ رہے مثلاً نکاح کے بعد اس سے فسق وفجور کی باتیں سرزد ہوں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور فسخ نکاح کا بدون قضاء قاضی نہیں ہوتا یعنی جن صورتوں میں لڑکی کو بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ان میں نکاح کو فسخ کر کے لڑکی حاکم مجاز کے یہاں فسخ نکاح کا دعویٰ کرے جب حاکم مجاز اس کے دعوی پر نکاح فسخ کر دیگا تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

مسئلہ۔ عبدالرحمن نے مسماۃ شفیقن سے اپنا نکاح خفیہ طور پر کیا تھا۔ نکاح کے وقت گواہ بھی موجود نہیں تھے۔ اس نکاح کے بعد عبدالرحمن اور شفیقن سے ایک لڑکا عبدالمجید پیدا

Marfat.com

ہوا۔ اس کے پیدا ہونے کے کچھ دنوں بعد عبد الرحمان کا انتقال ہو گیا (۱) کیا عبد المجید کا نسب اس کے باپ عبد الرحمان سے ثابت ہو گا؟ (۲) کیا عبد المجید کو عبد الرحمان کے متروکہ سے حصہ ملے گا؟ (۳) کیا مساۃ شفیق زانیہ کہلائے گی؟ (۴) کیا مساۃ شفیق کو عبد الرحمان کی جائز زوجہ ہونے کی حیثیت سے حصہ ملے گا۔ جواب مدلل مرحمت ہو

جواب ۔ اگر نکاح کا ایجاب وقبول مسمیان عبد الرحمان شفیق نے دو گواہوں کے سامنے نہیں کیا تھا تو یہ نکاح فاسد ہو گا اور نکاح فاسد میں وطی کے بعد جو لڑکا پیدا ہو گا اس کا نسب عبد الرحمان سے ثابت ہو گا۔ (یعنی وہ لڑکا حلالی ہو گا) پس صورت مسئولہ میں نمبر (۱) عبد الرحمان اور شفیق کے نکاح کے بعد وطی سے جو لڑکا مسمّی عبد المجید ہوا وہ حلالی ہو گا (۲) عبد المجید کو اپنے باپ عبد الرحمن کا ترکہ ملے گا (۳) مساۃ شفیق کو زانیہ نہیں کہیں گے۔ (۴) مساۃ شفیق زوجہ ہونے کی حیثیت سے جائز عبد الرحمن سے اپنا حصہ شرعی نہیں پائے گی۔

مسئلہ ۔ ہندہ کا شوہر مر گیا تھا اس نے عدت موت میں بکر سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور اس سے وہ حاملہ بھی ہو گئی شوہر کے مرنے کے ساڑھے مہینے کے بعد اس نے بکر سے نکاح کر لیا۔ یہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں۔

جواب ۔ اگر عورت عدت وفات میں زنا سے حاملہ ہوئی تو اس کی عدت بر مذہب صحیح چار مہینے دس دن گزرنے پر تمام ہو جاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ میں ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ درست ہے۔

مسئلہ ۔ ہندہ بالغہ کا عقد اس کی رضا اور استمزاج کے بغیر اس کے والد کی وکالت میں کر دیا گیا ہندہ سے کچھ پوچھا گچھا نہیں گیا اور وہ رخصت کر دی گئی ہندہ نے سسرال کے گھر جانے سے پہلے بھی انکار نہیں کیا۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں۔

جواب بالغ لڑکی اگر بعد خطبہ نکاح اپنی رضا سے شوہر کے گھر چلی جائے تو وہ بھی رضائے حکمی ہوتی ہے اگرچہ بوقت نکاح رضامندی کو الفاظ سے نہ ادا کیا ہو۔

مسئلہ ۔ ایک عورت کا شوہر لاپتہ ہے تو اس کو نکاح ثانی کرنا درست ہے یا نہیں۔

Marfat.com

جواب۔ اگر کسی عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے تو اسکو اپنے خاوند کی تلاش و جستجو کرنا چاہیے۔ اگر عورت کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا شوہر زندہ ہے لیکن اس کے جائے قیام کا پتہ نہیں تو اس کو نکاح ثانی کا حق نہیں ہے۔ اور اگر عورت کو تلاش جستجو کرتے چار سال گزر جائیں اور اس کو اپنے شوہر کی موت و زیست کا بالکل پتہ نہ چلے تو چار سال کے بعد عدت موت گزار کر اس عورت کو مفتی بہ قول پر نکاح ثانی کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ عورت عدالت مجازسے اجازت حاصل کر کے اپنا نکاح ثانی کر سکتی ہے

مسئلہ۔ غیر مقلد کے ساتھ کسی سنّی لڑکی کا نکاح درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ غیر مقلدین جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں فرقۂ اہل اسلام سے ہیں ان کے ساتھ مناکحت وغیرہ درست ہے۔ البتہ اگر غیر مقلدین خوارج و معتزلہ کے ایسے عقائد رکھتے ہوں تو وہ مبتدع ہیں اور فرقۂ ضالّہ سے ہیں ایسے غیر مقلدین اہل سنت و جماعت کی لڑکی کے ہمسر اور ہم مرتبہ اور کفو نہ ہوں گے پس اگر باکرہ بالغہ سنّی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح ایسے غیر مقلد سے کرلے جو عقیدۃً خارجی یا معتزلی ہو تو ظاہر الروایۃ کے اعتبار سے اس کے ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم مجاز سے نکاح کو فسخ کرا لے اور مفتی بہ قول پر یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ سیّدہ بنی فاطمہ و علویہ کا عقد غیر سیّد کے ہمراہ جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ قال علیہ السلام الا لا یزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الا من الاکفاء دوسری حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنکحوا النساء الا من الاکفاء ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عورت کو اپنے ہم رتبہ اور ہم سر مرد کے ساتھ نکاح کرنا چاہیے۔ پس اگر عورت سیدانی ہے تو اس کو اپنے ہمسر اور برابر والے مرد سے نکاح کرنا چاہیے اس عورت کے ہم رتبہ سادات ہیں اور تمام قریش ہیں۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان سے کیا تھا جو قریشی تھے۔

مسئلہ۔ اگر سید زادی کے واسطے غیر سید اور سید کے پیغامات ہوں تو آیا سید کو ترجیح دینا بہتر ہے یا نہیں

جواب۔ اگر دوسرے لوگ قریش سے ہیں تو وہ درجہ میں سادات کے ہیں اور اگر اولاد قریش سے نہیں ہیں تو وہ نسب کے اعتبار سے سیدانی سے کم ہیں۔ لیکن اگر وہ لوگ دین داری اور علم وغیرہ میں

Marfat.com

فضیلت رکھتے ہیں تو وہ بھی سیدانی کے کفو شمار ہوں گے۔ واللہ اعلم

مسئلہ ۶ ۔ مسلمانوں میں عموماً رواج ہو گیا ہے کہ دو شخص باہم لڑکوں لڑکیوں کی شادی ادل بدل کے اصول پر کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی اشخاص مل کر اس طرح کا ادل بدل کرتے ہیں مثلاً زید بکر کے لڑکے کے ساتھ بکر عمرو کے لڑکے کے ساتھ اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔ ان صورتوں میں عموماً مہر کی ایک ہی مقدار ہوتی ہے۔ بعض علمائے دین اس طریقہ کو شغار کہتے ہیں۔ اور بتایا جاتا ہے کہ شغار کو نبی صلعم نے منع فرمایا ہے بلکہ حرام قرار دیا ہے۔ بحالت موجودہ ایک غریب آدمی یہ طریقہ اختیار کرنے پر مجبور بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ جس آسانی سے دوسرے لوگ اس کی لڑکی کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں اس آسانی سے اس کے لڑکے کو رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتے۔ براہ کرم اس مسئلہ کی حقیقت واضح فرمائیں۔

جواب ۔ شرعاً شغار یہ ہے کہ ایک لڑکی کا ولی اپنی مولیہ کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا شخص اپنی مولیہ کا نکاح اس کے بدلے میں کرے اور دونوں شخص یہ بھی شرط لگائیں کہ اس طرح ادلا بدلی کا نکاح کرنا ہی ان کی مولیہ کا مہر ہوگا۔ یعنی ادلا بدلی میں نکاح کرنے والوں میں ہر ایک اس نکاح میں یہ شرط بھی لگائے کہ اس طور پر نکاح کرنا ہی ہماری مولیہ کا مہر ہوگا تو اس طرح کا نکاح شغار کہا جائے گا۔ یہ نکاح امام شافعی کے مسلک پر صحیح نہیں ایسا نکاح فسخ کرایا جائے پس اگر شوہر نے بعد نکاح جماع کیا تو اس کو مہر مثل دینا ہوگا اور عورت کو عدت گزارنا لازم ہوگی نکاح فاسد کی طرح۔ اور امام ابوحنیفہ کے مسلک پر یہ نکاح صحیح ہے اور ان میں سے ہر لڑکی کے شوہر کو اپنی منکوحہ کا مہر مثل دینا ہوگا۔ اور اگر ادلا بدلی کے نکاح میں ہر ایک اس نکاح کو نکاح کا مہر مقرر کرنے کی شرط نہ لگائے یا ادلا بدلی کے نکاح کے ساتھ مہر مقرر کر دیا جائے تو وہ نکاح شغار نہیں ہے جو منہی عنہ ہو بلکہ صحیح ہے۔ اور اس صورت میں امام شافعی کے نزدیک لڑکیوں کے شوہروں کو مہر مثل دینا ہوگا اور احناف کے نزدیک پہلی صورت میں مہر مثل دینا ہوگا اور دوسری صورت میں مہر مقرر دینا ہوگا۔ پس صورت مسئولہ میں شغار کی

Marfat.com

ایک ہی صورت ہے کہ نکاح ادلا بدلی کی شرط کے ساتھ ہو اور یہ بھی شرط طرفین کی طرف سے ہو کہ اس طور پر نکاح کرنا ہی ہر ایک لڑکی کا مہر ہے تو یہ نکاح امام شافعی کے نزدیک صحیح نہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک صحیح ہے اور دونوں لڑکیوں کے شوہروں کو اپنی اپنی زوجہ کا مہر مثل دینا ہوگا۔ اور اگر ادلا بدلی کے نکاح میں دونوں طرف سے مہر مقرر کر دیا جائے یا ادلا بدلی کی شرط کے ساتھ نکاح کیا جائے لیکن دونوں مولیہ کے اولیا میں سے ہر ایک ولی نکاح کے وقت یہ شرط نہ لگائے کہ یہ نکاح ہی ہماری مولیہ کا مہر ہے بلکہ اس شرط سے دونوں کے ولی سکوت اختیار کریں تو اس طرح کا نکاح شرعاً شغار نہیں ہوگا بلکہ ان دونوں صورتوں کا نکاح نکاح صحیح ہے واللہ اعلم

بَابُ المَهر

مسئلہ۔ مہر مؤجل اور مہر معجل کسے کہتے ہیں اور اگر نکاح نامہ میں مہر معجل عند الطلب لکھا ہو تو شوہر کو کس وقت مہر دینا ہوگا۔ اگر مہر معجل ہو تو شوہر کو وطی سے روکنے کا حق زوجہ کو حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اگر زوجہ نے وطی کر لینے کے بعد اپنے شوہر کو وطی کرنے سے اس وجہ سے روک دیا کہ جب تک وہ مہر نہ ادا کرے صحبت نہ کرے تو کیا زوجہ کو اس کا حق حاصل ہے؟ اگر مہر معجل مقرر کیا گیا اور شوہر سے اس کی منکوحہ نے اس کا مطالبہ نہیں کیا تو میاں بیوی کو تعلقات زن و شو قائم رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر زوجہ مہر معجل کے نہ ادا ہونے کی وجہ سے اپنے شوہر کو صحبت سے روکتی ہے اور شوہر اس کو نہیں مانتا صحبت کرتا ہے تو اس کا صحبت کرنا درست ہے یا نہیں مہر معجل کی صورت میں عورت کی رضامندی اور نارضامندی کی صورت میں شوہر کے صحبت کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور شوہر کو مہر معجل نہ ادا کرنے کی صورت میں اپنی زوجہ کے ساتھ تعلقات زن و شو رکھنا درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ مہر مؤجل وہ مہر ہے جس کے ادا کرنے کے لئے کوئی مدت بوقت ایجاب و قبول نکاح بیان کر دی جائے اس مہر کا مطالبہ اس مدت کے قبل نہیں کیا جا سکتا اور مدت تمام ہونے پر

Marfat.com

زوجہ کو مطالبہ کا حق حاصل ہوتا ہے اور اس وقت اس کی ادائی شوہر پر واجب ہوتی ہے۔
مہر معجل یا "مہر معجل عند الطلب" ایک ہیں۔ اس میں نکاح کے بعد زوجہ کو ہر وقت مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مہر معجل کا ادا کرنا وطی کے قبل مستحب ہے۔ اگر مہر معجل ادا نہیں کیا اور نہ اس کی منکوحہ نے طلب کیا تو وطی اور صحبت میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر اس کی منکوحہ مہر معجل کا مطالبہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ جب تک مہر نہ ادا ہوگا وطی نہیں ہوگی تو شوہر کو زبردستی وطی کرنا امام صاحب کے نزدیک درست نہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے۔ اور اگر زوجہ وطی پر راضی تھی یعنی طلب مہر کی وجہ سے مانع نہ تھی تو شوہر کا وطی کرنا سب کے نزدیک جائز ہے لیکن اگر ایک مرتبہ وہ راضی ہوگئی تو دوبارہ طلب مہر معجل کے لئے وطی سے امام صاحب کے نزدیک روک سکتی ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں روک سکتی ہے۔ تعلقات زن و شو پر کوئی اثر نہیں پڑتا خلوت اور صحبت کرنے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب کے مسلک پر طلب مہر معجل کی بنا پر عورت وطی اور صحبت سے روک سکتی ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں روک سکتی ہے۔ عورت کی رضامندی کے صورت میں خلوت اور صحبت کرنا بالاتفاق درست ہے۔ اور اگر عورت صحبت و وطی سے مانع ہو تو امام صاحب کے نزدیک وطی حلال و درست نہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے تعلقات زن و شوہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مسئلہ۔ بیوۂ قدرت اللہ کے مرنے کے بعد اس کے پاس جو زیورات تھے ان پر ورثائے بیوۂ قدرت اللہ اور ورثائے قدرت اللہ میں جھگڑا پیدا ہو گیا ہے قدرت اللہ کے ورثاء ان زیورات کو قدرت اللہ کا مال کر اپنے قبضہ میں لانا چاہتے ہیں اور بیوۂ قدرت اللہ کے ورثا مدعی ہیں کہ وہ زیورات بیوۂ قدرت اللہ کے ہیں لہذا ان میں ان کے شوہر کے ورثا کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسی طرح جو ظروف بیوۂ قدرت اللہ کے پاس تھے ان میں بھی دونوں کے ورثا اپنا اپنا حق بتاتے ہیں اور دونوں کے پاس کوئی شرعی ثبوت اپنے دعوی پر نہیں ہے

Marfat.com

بیوہ قدرت اللہ نے اپنے چچیرے بھائی عبداللہ اور اپنے بھانجے اور بھانجیوں اور چچیرے بھائی کی اولاد کو چھوڑا ہے تو بیوہ قدرت اللہ کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔
بیوہ قدرت اللہ نے وصیت کی تھی کہ اس کا کل متروکہ مسجد میں لگا دیا جائے وہ اپنے عزیزوں سے خفا تھیں اور ان کو اپنی جائداد سے نہیں دینا چاہتی تھیں۔ قدرت اللہ کے ورثا میں ان کے دو بھائی تھے اور منے موجود ہیں

جواب۔ صورت مسئولہ میں بیوہ قدرت اللہ کے مرنے کے بعد اس کے مقبوضہ زیورات میں بیوہ مذکورہ کے ورثا اور قدرت اللہ کے ورثا میں اختلاف پیدا ہوا ہے اور ان میں کوئی وارث بھی بینۂ شرعی نہیں رکھتا ہے تو بیوہ مذکورہ کے ورثا کا قول مقبول ہوگا اور قدرت اللہ کے ورثا کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ زیورات بیوہ قدرت اللہ کے متروکہ میں شمار ہوں گے اور اگر بیوہ مذکورہ کے مقبوضہ ظروف میں اس کے انتقال کے بعد بیوہ مذکورہ کے ورثا اور اس کے شوہر کے ورثا میں اختلاف پیدا ہوا ہے اور ان میں سے کوئی بھی بینۂ شرعی نہیں رکھتا تو وہ ظروف قدرت اللہ کے متروکہ سے شمار ہوں گے اور ان میں شوہر کے ورثا کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر بیوہ قدرت اللہ کی زندگی میں ان ظروف اور زیورات کی ملکیت کے متعلق ورثائے قدرت اللہ نے بلا بینۂ شرعی بیوہ قدرت اللہ سے اختلاف کیا تھا اور اس وقت بیوہ قدرت اللہ نے ان ظروف و زیورات کو اپنی ملک بتایا تھا تو وہ زیورات و ظروف بیوہ قدرت اللہ کے قول کے موافق اس کے مملوکہ ہو جائیں گے۔ ورثائے قدرت اللہ کا زیورات بیوہ قدرت اللہ کے متعلق بلا بینۂ شرعی یہ دعویٰ کرنا کہ وہ قدرت اللہ کے متروکہ سے ہیں قابل قبول نہیں۔ خواہ انھوں نے یہ دعویٰ بیوہ مذکورہ کی حیات میں کیا ہو یا مرنے کے بعد پس وہ زیورات بیوہ قدرت اللہ کے متروکہ سے ہوں گے۔ بیوہ مذکورہ کے مرنے کے بعد ان زیورات سے تجہیز و تکفین شرعی کے مصارف نکالنے کے بعد ما بقی کے ایک ثلث سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور دو ثلث اس کے چچازاد بھائی عبداللہ کو ملیں گے اس کے بھانجے اور بھانجیاں اور چچازاد بھائی کے لڑکے محروم ہوں گے۔

Marfat.com

اور ظروف کے متعلق اگر ورثائے قدرت اللہ بیوہ مذکور کی حیات میں دعویٰ کر چکے تھے اور اس وقت بیوہ مذکور نے ان ظروف کو اپنا بتایا تھا تو ان ظروف کی تقسیم بھی زیورات کی طرح ہوگی۔ اور اگر بیوۂ قدرت اللہ کی حیات میں ورثائے قدرت اللہ نے ظروف کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ اور بیوۂ مذکور کے مرنے کے بعد بیوہ کے ورثا اور قدرت اللہ کے ورثا میں اختلاف بلا بیّنہ پیدا ہوا تو وہ ظروف قدرت اللہ کے متروکہ سے شمار ہوں گے۔ ان میں چوتھائی حصہ بیوۂ قدرت اللہ کا ہوگا اور اس چوتھائی حصہ کی تقسیم بھی زیورات کی طرح ہوگی اور ۳/۴ حصہ ورثائے قدرت اللہ یعنی منے اور بچے کو ملے گا۔

مسئلہ - جہیز کی کوئی مقدار شریعت نے مقرر کی ہے یا نہیں۔ جہیز میں لڑکی کو کیا کیا سامان دیا جائے نکاح کے بعد چھوہارے تقسیم کرنا، نکاح نامہ لکھوانا کیسا ہے۔ مہر معجّل مقرر کیا جائے یا مؤجل، اور مہر کی کیا مقدار ہونا چاہیے۔ عقد نکاح میں شریک ہونے والوں کو کھانا کھلانا اور دعوت ولیمہ کرنا کیسا ہے

جواب جہیز کی کوئی مقدار اور تعیین حضرت شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے منقول نہیں ہے یہ والدین وغیرہا کی طرف سے تبرع اور احسان ہوتا ہے۔ لہٰذا والدین وغیرہا کو جہیز دینے میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ سامان جہیز کے دینے کی وجہ سے کسی وارث کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، ان پر قرض کا بار نہ ہو جائے۔ دکھاوے کی نیت نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ کم از کم اتنا جہیز دے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگر گوشہ حضرت بی بی فاطمۂ زہرا رضی اللہ عنہا کو مرحمت فرمایا تھا تاکہ سنت کی پیروی ہو جائے حضرت بی بی فاطمہ زہرا علیہا وعلی ابیہا الف الف تحیۃ وسلام کا جہیز دو چادریں، دو چاندی کے زیور جو بہو نٹوں میں تھے اور ایک مخملی کپڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمہ کی شاخیں بھری تھیں اور ایک چھلنی اور ایک پیالہ، اور چکی اور مشکیزہ اور دو مرتبان تھا۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک پلنگ بنا ہوا تھا۔ اس فہرست سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہیز میں ضروریات زندگی کا سامان اور زیور اور ظروف جن کی ضرورت پڑتی ہے مرحمت ہوا تھا۔ پس والدین وغیرہا کو اس نیت سے سامان جہیز اپنی لڑکی کو دینا چاہیئے کہ سنت پوری ہو جائے اور لڑکی اپنی سسرال میں بقدر اپنی

Marfat.com

عیش کی زندگی بسر کر سکے۔ نکاح کے بعد چھوہارے تقسیم کرنا حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے۔ تاریخ خمیس میں حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تحت لکھا ہے۔ فلما تم النکاح[1] دعا بطبق من بسر فوضعه بين يديه ثم قال انتهبوا نکاح نامہ لکھوانا مستحب ہے۔ مہر معجل مسنون ہے۔ مہر احناف کے نزدیک کم سے کم دس درہم ہے اور زائد کی کوئی مقدار نہیں ہے، بہتر ہے کہ مہر وہ مقرر کیا جائے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو دیا تھا۔ چناں چہ حضرت بی بی خدیجہ کا مہر تین سو پچاس دینار یعنی اکیانوے تولے چھ ماشہ ایک رتی سونا تھا۔ حضرت بی بی ام حبیبہ کا مہر چار سو دینار یعنی ایک سو چار تولے دو ماشہ سونا تھا۔ اور بقیہ ازواج مطہرات کا مہر چار سو درہم یعنی بہتّر تولے گیارہ ماشہ چاندی تھی۔ مہر مؤجل بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جز مہر معجل مقرر کیا جائے اور کچھ مؤجل۔ دولہن والوں کی طرف سے کھانا کرنا بھی ثابت ہے تاریخ خمیس میں ہے وعن جابر[2] قال حضرنا عرس علی وفاطمة فما رأينا عرسا كان احسن منه حشا هيئ لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم زبيبا وتمرا فاكلنا۔ دعوت ولیمہ کرنا مستحب ہے جیسا کہ عینی شرح بخاری میں باب ولو بشاة کے تحت لکھتے ہیں۔ لا خلاف[3] بين اهل العلم في ان الوليمة في العرس سنة مشروعة وليست بواجبة في قول اكثر اهل العلم۔

مسئلہ۔ حضرت ام المومنین بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر کیا تھا۔ مروجہ تولے کے حساب سے کتنا ہوتا ہے۔

جواب۔ مہر حضرت ام المومنین بی بی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چار سو دینار (مثقال) تھا جس کا وزن ایک سو چار تولے دو ماشے سونا ہوتا ہے۔ ایک مثقال یا دینار ۲۰ قیراط کے برابر ہوتا ہے اور ایک قیراط پانچ جو کے برابر، لہٰذا ایک مثقال یا دینار سو جو کے برابر ہوا اور چار جو کی ایک رتی اور آٹھ رتی کا ایک ماشہ اور بارہ ماشہ کا ایک تولہ ہوتا ہے لہٰذا ایک مثقال یا دینار تین ماشہ ایک رتی کے برابر ہے۔ پس چار سو مثقال یا دینار برابر ہوں گے ایک سو چار تولے دو ماشے سونے کے۔

[1] جب نکاح ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کا ایک طباق منگوا کر اپنے روبرو رکھا اور فرمایا اسے لوٹو۔

[2] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عقد میں شریک ہوئے ہم نے ایسی اچھی شادی نہیں دیکھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اور روغن زیتون کا انتظام فرمایا اور ہم نے کھایا۔

[3] علماء کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ شادی میں دعوت ولیمہ کرنا سنت اور شرعی ہے واجب نہیں ہے اکثر علماء کے نزدیک۔

Marfat.com

مسئلہ ۔ بحالت تن درستی ایک عورت نے اپنا دین مہر اپنے شوہر کے روبرو اور ایک عورت کی موجودگی میں معاف کر دیا ہو اور اس معافی مہر کی اطلاع اپنی نانی کو بھی دے دی ہو۔ اس کے بعد مرض الموت میں بیسیوں عورتوں کے سامنے بھی مہر معاف کر دیا ہو۔ ایسی صورت میں مہر معاف ہو گیا یا ابھی شوہر بدستور ادائے دین مہر کا ذمہ دار ہے مرض الموت کی معافی کے وقت میرے ایک عزیز بھی دروازے میں سن رہے تھے۔ عدالت حقیقی کے نزدیک مہر معاف ہو گیا یا نہیں۔

جواب ۔ چونکہ حالت تن درستی میں زوجہ نے اپنا مہر معاف کر دیا تھا (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) اس لئے اب شوہر پر دین مہر کی ادائگی واجب نہیں ہے اور اگر مرض الموت ہی میں معاف کیا تو وہ معافی صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۔ احناف جو یہ کہتے ہیں کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہونا چاہیے ان کے مسلک کا ماخذ کیا ہے جب کہ دارقطنی والی حدیث [۱] لاتنکحوا النساء الا للاکفاء ولا یزوجھن الا الاولیاء ولا مھر دون عشرۃ دراھم " کو محدثین ضعیف کہتے ہیں۔

جواب صورت مسئولہ میں دس درہم اقل مہر کی حدیث کو دارقطنی اور بیہقی وغیرہما نے بشر ابن عبید کی وجہ سے اگرچہ ضعیف ٹھہرایا ہے لیکن جب حدیث ضعیف کثرت طرق سے روایت کی جائے تو قابل حجت ہو جاتی ہے تو چوں کہ بیہقی نے اس حدیث کو جس میں اقل مہر دس درہم بتایا گیا ہے کثرت طرق سے روایت کیا ہے لہذا یہ حدیث بھی قابل حجت ہے۔ اور احناف کا مسلک صحیح ہے۔

[۱] نہ نکاح کرو عورتوں کا مگر ہم سروں کے ساتھ اور عورتوں کا نکاح ولی کریں اور دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔

بَابُ الرَّضَاعَۃ

مسئلہ ۔ زید نے اپنی حقیقی خالہ کا دودھ اس کی لڑکی ہندہ کے ساتھ پیا اور ہندہ کے بعد اس خالہ کے دو بچوں کی پیدائش کے بعد صالحہ ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس لڑکی صالحہ کا نکاح زید کے ساتھ درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ زید نے جب اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے تو اس کی خالہ اس کی رضاعی ماں ہوگئی اور اس کی خالہ کی سب لڑکیاں زید کی رضاعی بہنیں ہوگئیں۔ خواہ ان لڑکیوں کی پیدائش اس کی خالہ کے بطن سے زید کے دودھ پینے کے بعد ہوئی ہو یا دودھ پینے کے پہلے فلہذا زید کا نکاح اس کی خالہ کی کسی لڑکی کے ساتھ درست نہیں ہے۔

مسئلہ۔ زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا تھا۔ نکاح کے بعد ہندہ کی ماں یہ کہتی ہے کہ ہندہ نے اپنے شوہر زید کی بہن کا دودھ پیا یا تھا اور اس پر وہ مصر ہے لہذا زید کو کیا کرنا چاہیے۔

جواب۔ اگر لڑکی کی ماں پہلے سے متہم بالکذب نہ تھی اور وہ اپنے اس بیان میں "لڑکی نے دولہا کی ہمشیرہ کا دودھ پیا ہے" بھی سچی ہے اور شوہر یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ساس جھوٹ نہیں کہتی ہے تو شوہر کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی منکوحہ کو طلاق دیدے اگرچہ طلاق دینا شوہر پر واجب ولازم نہیں اور جب شوہر طلاق دیدے تو اس کو نصف مہر دینا بہتر ہوگا۔ اور عورت کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ نصف مہر بھی نہ لے

مسئلہ۔ نورجہاں کا نکاح بنیاد الحق کے ساتھ ہوا تھا نکاح کے بعد بہت سے عینی گواہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ نورجہاں نے بنیاد الحق کی بہن کا دودھ پیا تھا۔ لہذا بنیاد الحق کا نکاح نورجہاں کے ساتھ قائم رہا یا نہیں۔ اور بنیاد الحق کو اب کیا کرنا چاہئے۔

جواب۔ اگر عینی گواہ عادل ہیں اور وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نورجہاں نے اپنے شوہر بنیاد الحق کی حقیقی بہن کا دودھ پیا ہے تو نورجہاں اپنے شوہر بنیاد الحق کی رضاعی بھانجی ہوئی جو بنیاد الحق پر حرام ہے۔ لہذا بنیاد الحق کو نورجہاں سے قطع تعلق کرنا چاہیے۔ اگر رخصتی کے بعد بنیاد الحق نے اپنی منکوحہ بہ نکاح فاسد کے ساتھ صحبت کی ہے تو بنیاد الحق کو اپنی زبان سے ایسے کلمات کہنا چاہئے جن سے یہ مفہوم ہوتا ہو کہ اس نے نورجہاں کو چھوڑ دیا اور اگر بنیاد الحق زبان سے چھوڑ دینے کے کلمات نہیں کہتا ہے تو نورجہاں حاکم مجاز سے تفریق کرالے۔ حاکم مجاز کے تفریق کردینے یا بنیاد الحق کے الفاظ ترک زبان سے کہہ دینے کے بعد نورجہاں کا نکاح فسخ

Marfat.com

ہو جائے گا۔ اور وہ بنیاد الحق کے نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ اور اگر بنیاد الحق نے صحبت نہیں کی ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ رہے ہیں تو نور جہاں کو اپنے شوہر کے مکان سے چلا آنا چاہیے اور یہی تفریق ابدان نکاح کو فسخ کر دیگا۔

مسئلہ۔ مسماۃ بلقیس نے بتول زوجۂ زید کا دودھ پیا تھا اب بلقیس کا نکاح زید کی اس لڑکی کے لڑکے مسمی بکر کے ساتھ جائز ہے جو زید کے منکوحۂ اولیٰ کے بطن سے تھی یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں جب کہ مسماۃ بلقیس نے بتول زوجۂ زید کا دودھ (جو زید ہی سے تھا) پیا ہے تو زید کی اولاد خواہ اس کی منکوحہ بتول کے بطن سے یا دوسری عورت کے بطن سے ہو مسماۃ بلقیس کے بھائی اور بہن رضاعی ہو جائیں گے اور زید اس کا رضاعی باپ ہو گا فلہٰذا بلقیس کا نکاح بکر پسر دختر زید کے ساتھ درست نہ ہو گا۔

مسئلہ۔ دودھ پلانے والی عورت کے نسبی لڑکے پر اس لڑکے کی لڑکی جس نے دودھ پیا ہے حرام ہوتی ہے یا نہیں۔ وہ کون رشتے ہیں جن کے ساتھ رضاعت کی وجہ سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ فتح القدیر کی عبارت، وکذا المرأۃ تحل لھا ان تتزوج بابن ختھا من الرضاع سے معلوم ہوتا ہے کہ رضاعی بہن کے لڑکے سے نکاح جائز ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔

جواب۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ رواہ البخاری (مشکوٰۃ) کے تحت علامہ ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں فاذا ارضعت المرأۃ رضیعاً یحرم علی الرضیع وعلی اولادہ من اقارب المرضعۃ کل من یحرم علی ولدھا من النسب۔

یعنی مرضعہ کے جو رشتہ دار اس کے نسبی لڑکے پر حرام ہیں وہ رضیع پر اور رضیع کی اولاد پر بھی حرام ہیں۔ پس جب کہ مرضعہ کے نسبی لڑکے پر مرضعہ کی نسبی پوتی اور نسبی پوتی پر نسبی لڑکا حرام ہے مرضعہ کے نسبی لڑکے پر رضیع کی لڑکی اور اس کے رضیع کی لڑکی پر مرضعہ کا نسبی لڑکا حرام ہو گا۔

اور فتح القدیر میں تخصیصات و مستثنیات نمبر کے متعلق لکھا ہے والمحققون علی انہ لیس

Marfat.com

تخصیصاً لانہ احال ما یحرم بالرضاع علی ما یحرم بالنسب وما یحرم بالنسب ھو ما تعلق بہ خطاب تحریمہ وقد تعلق بما عبر عنہ بلفظ الامھات والبنات واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت فما کان من مسمی ھذہ الالفاظ متحققا فی الرضاع حرم فیہ۔

یعنی قرآن مجید میں محرمات نسبیہ کو جن الفاظ سے بیان کیا گیا ہے وہ امہات (مائیں) اور بنات (لڑکیاں) اور تمہاری بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں ہیں لہٰذا ان رشتوں کا مصداق جب رضاعت کی وجہ سے پایا جائے تو حرمت متحقق ہوگی اور ان رضاعی رشتہ داروں کے ساتھ نکاح حرام ہو جائے گا۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں بتا دیا گیا ہے کہ رضاعت کی وجہ سے ان ہی رشتوں اور قرابتوں میں حرمت پائی جاتی ہے جن قرابتوں اور رشتوں میں نسبی حرمت بیان کر دی گئی ہے۔ فلہٰذا رضیع، مرضعہ اور شوہر مرضعہ، (جس کا دودھ رضیع نے پیا ہے) کا لڑکا اور مرضعہ اور شوہر مرضعہ رضیع کے ماں باپ اور ان دونوں کے اصول رضیع اور اولاد رضیع کے اصول ہوں گے اور رضیع کی اولاد مرضعہ اور شوہر مرضعہ کے ولد کی اولاد ہوگی اور مرضعہ اور شوہر مرضعہ کی اولاد رضیع کے بھائی بہن ہوں گے اور رضیع کی اولاد مرضعہ اور شوہر مرضعہ کی نسبی اولاد کے بھتیجے اور بھانجے اور مرضعہ اور شوہر مرضعہ کی اولاد کی اولاد رضیع کے بھتیجے اور بھانجے ہوں گے اور مرضعہ کے بہن اور بھائی رضیع کی خالہ اور ماموں اور شوہر مرضعہ کی بہن رضیع کی پھوپھی ہوگی اور شوہر مرضعہ کا بھائی رضیع کا چچا ہوگا۔ پس ان رضاعی رشتہ داروں میں جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ایک کا دوسرے کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

اور بخاری شریف میں ہے عن[1] ابن عباس قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تتزوج ابنۃ حمزۃ قال انھا ابنۃ اخی من الرضاعۃ علامہ عینی انھا ابنۃ اخی کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔ ای[2] ان بنت حمزۃ بنت اخی من الرضاعۃ لان ثویبۃ ارضعت

[1] حضرت ابن عباس سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر لیتے آپ نے فرمایا کہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے۔

[2] یعنی حضرت حمزہؓ کی لڑکی میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے۔ اس لیے کہ ثوبیہ نے حضرت حمزہؓ کو دودھ پلانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما کانت ارضعت حمزۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ، رضاعی بھائی پر رضاعی بھائی کی لڑکی حرام ہے۔ خواہ رضاعی بھائی مرضعہ کا نسبی لڑکا ہو یا مرضعہ کا رضاعی لڑکا ہو فلہذا رضیع کی لڑکی مرضعہ کے نسبی لڑکے پر حرام ہوگی۔

رضیع کی لڑکی کے نکاح کا حرام ہونا اس کی مرضعہ کے نسبی لڑکے پر فقہ کی تمام کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہر کتاب میں یہ مرقوم ہے ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب الا ام اختہ واخیہ الخ اور عبارت مذکورہ کا مطلب اوپر لکھا جاچکا کہ محرمات نسبیہ کا جو مسمیٰ رضاعت کی وجہ سے پالیا جائے وہ حرام ہو جائے گا۔ مگر اخ اور اخت رضاعی کی ماں وغیرہ وغیرہ کہ ان مستثنیٰ قرابتوں میں محرمات نسبیہ کے کسی مسمیٰ کا تحقق نہیں ہوتا اس لئے حرمت بھی نہیں پائی جائے گی۔ البتہ ان مستثنیات میں اگر کسی صورت میں وہ رشتہ متحقق ہو جائے جو نسباً حرام ہو تو نکاح بھی حرام ہو جائے گا۔ مثلاً ام اختہ میں ایک صورت ایسی بھی نکلتی ہے جس میں رضاعی بہن کی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہو مثلاً زید نے خالدہ کی ماں ہندہ کا دودھ پیا تو خالدہ کی ماں مسماۃ ہندہ زید کی رضاعی بہن خالدہ کی ماں ضرور ہے لیکن زید پر حرام ہے۔ اس لئے کہ رضاعت کی وجہ سے وہ زید کی خود ماں ہوگئی اور ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے اس لئے زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ حرام ہوگا اور اگر زید اور خالدہ (جن کے ماں باپ جدا جدا ہوں) نے ہندہ ایک غیر عورت کا دودھ پیا تو زید اور خالدہ ہندہ مرضعہ کی وجہ سے رضاعی بھائی اور بہن ہوگئے اب اگر زید خالدہ کی نسبی ماں سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کرسکتا ہے اس لئے کہ زید اور خالدہ کی نسبی ماں میں اس رضاعت کی وجہ سے کوئی ایسا رشتہ نہیں پایا جاتا جو نسباً حرام ہو۔

عبارت مذکورہ شرح وقایہ میں بھی ہے لہذا مسئلہ مذکورہ میں حرمت شرح وقایہ سے بھی معلوم ہوتی ہے البتہ صدر الشریعۃ شارح وقایہ نے جو عبارت مختصر کی ہے اس سے یہ مسئلہ صاف طریقہ سے ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ شارح وقایہ نے جو لکھا ہے اس سے بھی یہ مسئلہ نکل

Marfat.com

آتا ہے کہ رضیع کے فروع شیر دہ (یعنی مرضعہ) کے اپنے رشتہ دار ہو جاتے ہیں پس مرضعہ کے نسبی فروع اور اس کے رضیع کے فروع میں اگر حرمت کا رشتہ پایا جائے گا تو نکاح حرام ہو گا ورنہ حرام نہیں ہو گا پس رضیع کی حقیقی اولاد کا نکاح اس کی مرضعہ کے نسبی لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ حرام ہو گا اور مرضعہ کے نسبی پوتے اور پوتیوں کے ساتھ درست ہو گا۔

فتاویٰ سراجیہ میں جو اصل اور قاعدہ لکھا ہے وہ ان مسائل کا ہے جن کا ذکر اوپر صاحب سراجیہ نے کیا ہے یعنی رضیع پر مرضعہ کے آبا و اجداد اور مرضعہ کی اولاد اور مرضعہ کا شوہر اور مرضعہ کے شوہر کے آبا و اجداد اور شوہر مرضعہ کی اولاد حرام ہے اس قاعدہ سے کہ مرضعہ اور شوہر مرضعہ کے قرابت دار رضیع کے قرابت دار ہیں اور اقربائے رضیع مرضعہ کے قرابت دار نہیں ہیں اس عبارت میں جمع کی نفی سے ہر ہر قرابت کی نفی نہیں سمجھی جاتی اور فتح القدیر میں وکذا المرأۃ تحل لھا ان تتزوج بابن اختھا من الرضاع۔ میں ابن کبھی رضاعی ہونا چاہیے اور اخت کو بھی رضاعی ہونا چاہیے ورنہ نکاح حرام ہو گا۔

مسئلہ۔ زید کی پھوپھی نے زید کی ماں کے پستان اس زمانے میں منھ میں لے کر دودھ کھینچ کر تھوک دیا تھا جب کہ اس کا دودھ چھوڑایا جا چکا تھا تو کیا زید کے بھائی کے ساتھ اس کی اس پھوپھی کی لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے؟

جواب۔ اگر زید کی پھوپھی کی رضاعت یعنی دودھ پینے کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور اس نے زید کی ماں کے پستان سے دودھ کھینچ کر اگل دیا تھا تو زید کے بھائی کی شادی اس کی پھوپھی کی لڑکی کے ساتھ ہو سکتی ہے اور اگر زید کی پھوپھی کے دودھ پینے کا زمانہ تھا یعنی رضاعت کی مدت کے اندر اس نے زید کی ماں کے پستان منھ میں لے کر دودھ کھینچا تھا تو اس کا اس طرح دودھ کھینچنا مستلزم ہے دودھ کے حلق سے اتر جانے کو جیسا کہ نہر میں ہے لہذا زید کے بھائی کا نکاح اس کی پھوپھی کی لڑکی کے ساتھ نہ کرنا چاہیئے۔

مسئلہ۔ زید کی نسبت ہندہ کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ لیکن ہندہ کی ماں صرف اس کی مخالف

Marfat.com

ہے اور کہتی ہے کہ میں نے زید کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ آیا صرف ہندہ کی ماں کے قول کا اعتبار کیا جائے گا؟ اور ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ درست نہ ہوگا؟

جواب۔ صورت مسئولہ میں اگرچہ مفتی بہ قول متون کا ہے اور محض عورتوں کی گواہی سے ثبوت رضاعت نہیں ہوتا۔ لیکن ایک عورت کی گواہی کے اعتبار کرنے یا نہ کرنے میں چونکہ علمائے احناف میں اختلاف ہے لہذا مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ زید اور ہندہ کا نکاح نہ کیا جائے۔ اور حدیث صحیح میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کیف وقد قیل اسی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ علامہ عینی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ الثالث[1] احتج بظاہرہ من اجاز شہادۃ المرضعۃ وحدہا ومن منع حملہ علی الورع دون التحریم۔

مسئلہ عبدالحمید کی زوجہ اولی سے ایک لڑکی آسیہ اور ایک لڑکا عبدالحی ہے۔ آسیہ کی ایک لڑکی سیدہ ہے۔ اور عبدالحی کا ایک لڑکا مقبول ہے۔ عبدالحمید کی زوجہ ثانیہ خدیجہ بی بی کا دودھ سیدہ نے پیا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ عبدالحی کے لڑکے مقبول کا نکاح سیدہ کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ جبکہ مسماۃ سیدہ نے خدیجہ بی بی زوجہ ثانیہ عبدالحمید کا دودھ پیا ہے تو جس طرح خدیجہ بی بی مسماۃ سیدہ کی ماں ہوئیں اسی طرح عبدالحمید اس کے باپ ہوگئے اور عبدالحی پسر عبدالحمید اس کے بھائی ہوئے۔ اور مقبول پسر عبدالحی اس کا بھتیجا ہوا اور مسماۃ سیدہ مسمی مقبول کی پھوپھی ہوئی۔ بس صورت مسئولہ میں مسماۃ سیدہ کا نکاح مسمی مقبول کے ساتھ درست نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ محمد حسین کی بیوی نے کسی غیر کے بچہ کو یعنی رسول احمد کو اپنے شوہر کے حکم سے دودھ پلایا۔ محمد حسین نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور فارغ خطی کر دی۔ محمد حسین نے دوسری شادی جمیلہ سے کر لی ہے۔ اب اس دوسری بیوی جمیلہ سے بھی ایک لڑکی ہے اس کا نام خاتون ہے۔ کیا رسول احمد کے ساتھ خاتون کی شادی جائز ہے۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں محمد حسین رسول احمد کے رضاعی باپ ہیں، محمد حسین کی بیٹی

[1] جن لوگوں نے اکیلی دودھ پلانے والی کی گواہی کو مانا ہو انھوں نے حدیث کے ظاہر سے دلیل لی ہو۔ اور جن لوگوں نے اکیلی گواہی کو کافی نہیں سمجھا ہو ان کے نزدیک حدیث کا مطلب احتیاط ہے نہ کہ حرمت سے۔

Marfat.com

کی رسول احمد کی رضاعی بہن ہو گی پس محمد حسین کی لڑکی خاتون کے ساتھ رسول احمد کا نکاح درست نہیں ہے۔

باب المحرمات

مسئلہ۔ مسمیٰ سراج الحق ولد جھنگر قوم عصار سکنہ موضع مسمیٰ جوگا ڈاک خانہ کٹرہ بازار ضلع گونڈہ کا ہے اور اس کے نکاح میں مسماۃ محمود النسا بانو موجود ہے۔ بنا بر آمد رشد سراج الحق تعلق ناجائز اپنی ساس خوش دامن سے ہو گیا جو محمود النسا بانو کی حقیقی ماں ہے اور ایک لڑکی بھی اسی والدہ محمود النسا بانو سے پیدا ہوئی تھی جو فوت ہو گئی ہے اور اب سراج الحق اپنی خوش دامن سے قطع تعلق کر کے اپنی منکوحہ محمود النسا بانو کو لے کر اپنے مکان میں رہتا ہے برادری کے لوگ اور دیگر مسلمانوں نے سراج الحق سے قطع تعلق خورد و نوش کا کر دیا ہے لہذا ایسے شخص سے ہم لوگوں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔

جواب۔ اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو سراج الحق پر محمود النسا حرام ہو گئی۔ سراج الحق کو محمود النسا سے قطع تعلق کر کے توبہ کرنا چاہیے اور جب تک سراج الحق اس عورت سے قطع تعلق کر کے توبہ نہ کرے مسلمانوں کو ان دونوں سے قطع تعلق کرنا درست ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد عبد القادر

جواب الجواب مع خط) مسئلہ مندرجہ پرچہ مسلکہ کی بابت عند الحنفیہ جواب استفتا وہی ہے جو دیا گیا۔ لیکن امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک حرمت مصاہرت صرف نکاح یا شبہ نکاح سے ثابت ہوتی ہے زنا سے نہیں ثابت ہوتی ہے۔ پس شئے حرام (زنا) سے حلال چیز حرام نہیں ہو گی تحقیق سے قول ہذا صحیح ثابت ہوتا ہے جیسا کہ فرمان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شاہد عدل ہے اخرج البیہقی عن عائشۃ قالت سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل یتبع المرأۃ حراما ثم ینکح ابنتہا او البنت ثم ینکح امہا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحرم الحرام الحلال (رحلی شرح مؤطا مالک)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ساس سے زنا کرنے کی وجہ سے سراج الحق کی منکوحہ اس پر حرام نہیں ہوئی وہ بدستور سابق اپنی منکوحہ محمود النسا

لہ بیہقی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے ناجائز تعلقات رکھتا ہو پھر اسی عورت کی لڑکی سے نکاح کر لیتا ہو یا لڑکی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہو اور پھر اسی کی ماں سے نکاح کر لیتا ہو، آپ نے فرمایا حرام کام حلال کو حرام نہیں کرتا ہے۔

Marfat.com

کو بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے البتہ حد شرعی، توبہ اسلامی برادری کا کوڑا لگنا ضروری ہے

خادم الاسلام عبد العزیز صدر انجمن اصلاح المسلمین جولاہن پور ضلع گونڈہ

نقل خط۔ ناچیز کے سامنے مسئلہ ہذا پیش ہوا سابق فتوائی فرنگی محل کے مطابق مسلمانوں نے سراج الحق کو اسلامی برادری سے بالکل خارج کر دیا اور ابھی تک وہی برتاؤ ہے مگر اس کے بعد سراج الحق اپنی بیوی منکوحہ محمود النسا کو ساتھ لے کر علحدہ چلا گیا اور اس سے قطع تعلق نہیں کیا آباد و شاد رکھا ہے بچے بھی موجود ہیں۔ صوم و صلوٰۃ ادا کرتا ہو مگر اسلامی برادری اس کو ٹاٹ میں شامل نہیں کر رہی ہے اب سراج الحق کئی سال انتظار کرنے کے بعد علحدگی سے عاجز ہو گیا ہے اور شدہی ہو کر غیر مسلم بن جانے کو تیار ہے۔ اس اطراف میں آریہ سماجوں کا فتنہ بھی زوروں سے چل رہا ہے ایسی بری حالت میں ناچیز نے تمام معاملات پر غور کر کے اس کو ارتداد سے بچانے کا راستہ نکالا ہے جو جناب کی خدمت میں پیش ہے۔ جس طرح سے مفقود الخبر شوہر والی عورت اور دیگر اہم مسائل کے بارے میں علما نے دوسرے ائمہ کا فتویٰ عملاً لیا ہے اسی طرح مسئلہ مندرجہ بالا کے بارے میں جب کہ ایسا زبردست فتنہ درپیش ہے دوسرے ائمہ کرام کے فتویٰ سے فیصلہ فرما کر مہر تصدیق ثبت فرمائیں تو میرے خیالِ ناقص میں عند اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم کے مستحق قرار پائیں گے چونکہ فرنگی محل کے فتوی پر اس علاقہ کے مسلمان یقین و اعتبار رکھتے ہیں اور سند مانتے ہیں لہذا آپ ضرور تصفیہ فرمائیں تاکہ ایک مسلمان پورے خاندان کے ساتھ ارتداد کے فتنہ سے بچ جائے۔ اللہ ہم سب کو ایسے فتنۂ عظیم سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

خادم الاسلام و صدر انجمن اصلاح المسلمین مقام ہذا ناچیز عبد العزیز ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا جواب مندرجہ بالا اور آپ کا خط ملا۔ جواباً عرض ہے واقعی یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی میں مختلف فیہ ہے۔ میرے نزدیک امام ابو حنیفہ کا مسلک حق ہے ان کے نزدیک زوجہ کے اصول و فروع کی حرمت زوج پر حقیقۃً اس لڑکے کی وجہ سے ہوئی ہے جو زوج اور زوجہ یا واطی و موطوئہ سے پیدا ہوا اس لئے کہ یہ لڑکا واطی و موطوئہ کا جزو ہے

Marfat.com

اور واطی وموطوئہ کے اصول وفروع اس لڑکے کے جزو ہیں اس لئے کہ لڑکا مجموعہ ہے واطی وموطوئہ اور اصول وفروع واطی وموطوئہ کا اور جزو اور جزو کے جزو سے استمتاع حرام ہے۔ اس لئے فروع پر زوجہ کے اصول وفروع اور زوجہ پر زوج کے اصول وفروع حرام ہو گئے اور واطی وموطوئہ سے لڑکے کا پیدا ہونا بندہ کے اختیار سے باہر ہے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے پس یہ لڑکا جب کہ مخلوق بخلق اللہ ہو تو اس میں کوئی قبح اور وجہ حرمت نہیں پائی جائے گی لہذا اصول وفروع زوجہ کی حرمت حقیقۃً اس لڑکے کی وجہ سے ہوئی جو حرام ومحظور نہیں ہے بلکہ معظم ومحترم ہے اور چونکہ سبب ولد وطی ہوتی ہے اس لئے وطی کو قائم مقام ولد قرار دے دیا اور وطی اس لحاظ سے کہ سبب ولد ہے حرام نہیں ہے اس لئے کہ یہ وطی سبب بقا ہے اور اسباب بقا مشروع ہوتے ہیں تو زنا اس حیثیت سے کہ سبب تضیع ما ہے اور مفسد فراش ہے نسب کا ضائع کرنے والا ہے حرام ہے اور اس حیثیت سے کہ سبب ولد ہے حرام نہیں ہے پس جب کہ زنا (یعنی وطی) جو سبب ولد ہو محظور نہیں ہوئی تو وہ حرمت مصاہرت کا سبب بن سکتی ہے علاوہ اس کے دوسرے احادیث بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا سے مصاہرت حرام ہوتی ہے۔ (فلیراجع کتب الاحناف) پھر امام شافعی خود اس کے قائل ہیں کہ اگر کسی عورت کو بلا نکاح اپنے گھر میں رکھ لیا اور اس کو نکلنے نہیں دیا اور اس عورت کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی تو یہ لڑکی اس مرد پر حرام ہے جس نے اس کی ماں کو اپنے گھر میں رکھ کر وطی کی تھی پس باوجودیکہ یہ وطی حرام ہے پھر بھی اس کو سبب حرمت مصاہرت قرار دیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی مشترک (بین الشخصین) لونڈی سے وطی کرے تو امام شافعی کے نزدیک یہ وطی حرام ہے۔ پس اگر وطی کے بعد لونڈی حاملہ ہو جائے اور لڑکی جنے تو اس لڑکی کے ساتھ اس شخص کا نکاح کرنا امام شافعی کے نزدیک بھی حرام ہے۔ ان مسائل سے یہ معلوم ہوا کہ امام شافعی بھی وطی حرام کو سبب حرمت نکاح مانتے ہیں۔ پھر یہ حدیث ان الحرام لایحرم الحلال بروایت حضرت بی بی عائشہ و حضرت ابن عمر کی عدم صحت خود آپ کی لکھی ہوئی عبارت سے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ آپ

Marfat.com

لکھتے ہیں۔ لکنھما ضعیفا السند اور اس حدیث کو بروایت حضرت ابن عباس یحییٰ ابن معین نے عثمان بن عبدالرحمٰن الوقاصی کیوجہ سے ضعیف ٹھہرایا ہے اور اس کے متعلق بخاری، امام نسائی اور ابوداؤد نے لیس بشیٔ لکھا ہے پس یہ حدیث مثبت مدعا نہ ہوگی۔

چوں کہ میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کو حق سمجھتا ہوں اور ان کا مقلد ہوں اسی بنا پر میں نے سرج الحق پر محمود النساء کے حرام ہونے کو لکھا۔ کسی حنفی کو یہ جائز نہیں ہے کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اپنے مقتدا اور اپنے امام کے مسلک کے خلاف دوسرے امام کے مسلک کو محض ہوائے نفس کے لئے اختیار کرے اور فی زماننا فتویٰ دینے والے حضرات مفتی (باصطلاح فقہ) نہیں ہیں بلکہ وہ مقلد اور ناقل عبارات کتب ائمہ ہیں۔ ان کو اپنی گردن تقلید کے جوے سے باہر نہیں نکالنا چاہیے اور بلا ضرورت شدیدہ اپنے امام کے مسلک سے عدول نہ کرنا چاہیے۔ کسی مسلمان کے دل میں اس کا خیال آنا کہ اگر یہ بات یوں نہ ہوگی تو معاذ اللہ وہ مذہب اسلام ترک دیگا اس امر کو بتاتا ہے کہ وہ دل سے اسلام کو حق نہیں جانتا ہے اس کے ایمان میں تذبذب ہے اور جس کے ایمان میں تذبذب ہو وہ منافق ہے مومن نہیں ہے۔ آپ پہلے اس کے ایمان کو مستحکم فرمائیے اور تذبذب کو دور کیجئے اس کی ہوس رانی کے لئے اس کی خواہش نفسانی کے مطابق فتویٰ نہ دیجئے اور اسلام کو اس کی ہوس رانی کے لئے سپر نہ بنائیے۔ فقط محمد عبدالقادر ۵ رمارچ ۱۹۴۹ء ۵ ہر جمادی الاولی ۱۳۶۸ھ روز شنبہ

مسئلہ۔ ایک ہندو نے ایک مسلمان عورت سے نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی تو کیا اس اولاد کا نسب باپ سے ثابت ہوگا؟

جواب۔ نکح کافر مسلمۃ فولدت منہ لا یثبت النسب منہ ولا تجب العدۃ لانہ نکاح باطل۔ (رد المحتار عن مجمع الفتاوی) پس صورت مسئولہ میں اگر کافر مسلمہ سے نکاح کرے اور اس سے ولادت ہو تو مولود کا نسب اس سے نہیں ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ۔ پسر زید نے اپنی سگی پھوپھی کا دودھ پیا ہے تو کیا زید کے لڑکے کا نکاح زید کی بھانجی کے ساتھ درست ہے۔ اگر درست نہیں ہے اور نکاح پڑھا دیا گیا تو اس سے جو اولاد ہوگی وہ جائز

ہوگی۔ یا ولد الزنا۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں اگر زوجین رضاعی بھائی بہن ثابت ہو جائیں تو دونوں ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں اور محرمات سے نکاح باطل ہے۔ لہذا یہ نکاح بھی باطل ہوگا اور جو اولاد پیدا ہوگی اس کا نسب باپ سے ثابت نہ ہوگا جو لوگ ثبوت رضاعت کے بعد بھی تعلقات زن و شو قائم رکھیں گے گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ۔ کیا دلائل عقلیہ پر احکام شرعیہ کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ہندہ زید کی بیٹی ہے ہندہ نے اپنے ننہیال میں پہونچ کر اپنے باپ کی شکایت کی کہ میں سو رہی تھی میرے اوپر بحالت شہوت حملہ کر دیا اور زنا کیا۔ یہ بھی بیان کیا کہ یہ واقعہ میں نے اپنے دادا اور دادی سے بھی بیان کیا تھا مگر بوقت شہادت دونوں منکر ٹھہرے۔ ہندہ کے پاس کوئی ثبوت باپ کے زنا کرنے کا اور نہیں ہے سوائے خود کے۔ عقل خود کہتی ہے کہ ہندہ اپنے باپ کو جھوٹا الزام نہیں لگا سکتی اور الزام بھی کیسا جو کہ عرض السماء و الارض سے کم نہیں۔ باپ کو جرم سے انکار ہے۔ ہندہ کے الزام کے اسباب زید بہت بیان کرتا ہے منجملہ ان کے غیر سے انسیت کا سبب ہے آیا یہ بات زید کی قابل تسلیم ہے یا نہیں کیوں کہ عشق میں بقول محقق دو ذاتی زوال عقل شرط ہے اور یہ فعل بھی غیر اختیاری ہے۔ ایسی صورت میں آیا ہو سکتا ہے کہ زید نے ہندہ کو اپنی توہین سے بچنے کے لئے ایسی حرکتوں سے روکا ہو اور ہندہ نے اپنے باپ کو الزام لگا دیا ہو۔ خیر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زید نے اپنی بیٹی ہندہ کے ساتھ زنا کیا۔ زید کو جرم سے انکار ہے اور ہندہ کے پاس سوائے خود کے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ آیا ایسی صورت میں ماخوذ عند اللہ ہوگا یا عند الناس اور دریں صورت مسلمان اس کو خدا کے انصاف پر چھوڑ دیں یا خود کوئی سزا دے سکتے ہیں۔ برادری کے لوگ زید کے باپ عمرو کو برادری سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ باوجودیکہ عمرو زید کے گناہ سے اغماض کرتا ہے۔ اور دونوں کے واقعات سے لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔ اگر بفرض محال سنا بھی ہو چشم دید عمرو نے زید کو ہندہ کے ساتھ نہ دیکھا ہو۔ دوسرے گناہ کا اظہار کرنا گناہ ہے یا نہیں۔ اور قادر مطلق کے کلام کیا اس بات پر دلیل

Marfat.com

نہیں ہو سکتے لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں لادا جا سکتا یعنی ایک شخص کا گناہ دوسرے شخص پر نہیں عائد ہو سکتا۔ اس صورت میں عمرو گناہ سے مبرا ہے یا نہیں اور اگر مبرا ہے تو برادری والے خارج کرنے کے الزام میں گنہ گار ہوں گے یا نہیں۔ دلائل کے ساتھ جواب عنایت ہو۔

جواب ہندہ کے متعلق زید پر جھوٹا اور غلط الزام اور اتہام نہ لگا سکنے کی عقل ضرور مقتضی ہے لیکن محض اقتضائے عقلی شرعاً غیر معتبر ہے کیونکہ احکام شرعیہ کا دلائل عقلیہ محضہ پر ترتب نہیں ہوتا[۱] مالم تقم بینۃ معتبرۃ فی الشرع، فتاوی عالمگیری میں ہے۔ ویثبت[۲] الزنا عند الحاکم ظاھرا بالشھادۃ اربعۃ یشھدون علیہ بلفظ الزنا۔ انتھی۔ پس جب زید کو جرم سے انکار ہے اور ہندہ کے پاس کوئی ایسا ثبوت جو شرعاً اس کے دعوی کے لئے کافی ہو موجود نہیں، دریں صورت زید کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس معاملہ کو مفوض الی علم اللہ کریں۔ اگر فی الواقع زید اس جرم کا مرتکب ہو تو عند اللہ سخت مواخذہ کا مستحق ہے۔ عمرو سے اگر ہندہ نے اپنے باپ کی شکایت کی اور عمرو نے اپنی یا اپنے لڑکے زید کی بدنامی مدنظر رکھتے ہوئے لاعلمی ظاہر کی تو کتمان حق کے باعث گنہگار ہے لیکن اسکا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ فی الواقع ہندہ نے شکایت کی تھی لہذا بلا ثبوت عمرو کو برادری سے خارج کرنا اور قطع تعلق عمرو پر ظلم ہے اور ایسے کرنے والے گنہگار ہیں کسی کے گناہ کرنے سے دوسرا ماخوذ نہ ہو گا۔ لہذا زید کے فعل کا عمرو پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ ہندہ کو اگر اس کا دعوی اور الزام صحیح ہے اگرچہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں، چاہیے کہ زید سے ہرگز نہ ملے نہ اس کے گھر آئے۔ واللہ اعلم محمد رضوان الرحمن مدرس مدرسۂ عالیہ قدیمہ لکھنؤ۔

ھو المصوب واقعی صورت مسئلہ میں جب کہ مسماۃ ہندہ بلا بینۂ شرعی اس امر کی مدعی ہے کہ اس کے باپ مسمی زید نے اس کو بشہوت مس کیا یا زنا کیا اور مسمی زید اس کا منکر ہے تو زید کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔ پس مسمی زید کو مجرم قرار دینے کی کوئی وجہ شرعی نہیں ہے بلکہ

[۱] جب تک شرعی اعتبار سے کوئی قابل قبول دلیل نہ ہو۔
[۲] یعنی حاکم کے سامنے چار ایسے آدمیوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے جو زنا کے لفظ کے ساتھ گواہی دیں۔

اس کو اور اس کے باپ عمرو کو برادری سے خارج کرنا سخت غلطی ہے۔ بلا وجہ شرعی کسی مسلمان سے مقاطعہ کرنا گناہ ہے۔ واللہ اعلم محمد عبدالقادر۔

مسئلہ۔ زید نے اپنے لڑکے خالق نابالغ کا خالدہ نابالغہ کے ساتھ عقد نکاح کر دیا۔ خالق بیمار تھا اور خالدہ اس کی بیماری کے زمانے میں رخصت ہو کر زید کے گھر آئی خالق انتقال کر گیا۔ خالدہ کا اپنے خسر سے ناجائز تعلق ہو گیا۔ زنا سے بچہ پیدا ہوا خالدہ اور خالق کے مابین نابالغی کی بنا پر خلوت قطعی نہیں ہوئی تھی۔ بچہ ناجائز پیدا ہونے کے بعد خالدہ اور زید مرتد ہو گئے پھر مسلمان ہوئے۔ کیا اب اسلام لانے کے بعد دونوں کا نکاح جائز ہے اور ایک دوسرے کے لئے حلال ہو سکتے ہیں۔

جواب۔ زید کا نکاح مسماۃ خالدہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا ہے۔ لڑکے کی منکوحہ عورت لڑکے کے باپ پر حرام ہو جاتی ہے خواہ لڑکے نے وطی کی ہو یا نہ کی ہو۔ زید و خالدہ مرتد ہو جانے کی وجہ سے سخت گناہ گار بھی ہوئے۔

بَابُ اللعان

مسئلہ۔ زید تین سال کے بعد پردیس سے واپس آیا اس کی زوجہ ہندہ نے اس کی غیابت کے نفقہ میں خرچہ طلب کیا زید نے خرچہ دینے سے انکار کیا اور بہتان زنا کا دیا۔ ہندہ نے اپنا تعلق زن وشو قطع کر کے بہتان زنا کا دعویٰ حاکم وقت کے سامنے پیش کیا۔ حاکم نے فریقین کے دعوے جواب اور شہادت سننے کے بعد نکاح کے فسخ کا حکم صادر فرمادیا اس لئے کہ زید نے خرچہ طلب کرنے پر جھوٹا بہتان زنا کا لگایا ہے۔ اس لئے قانون محمدی کے رو سے ہندہ فسخ کی مستحق ہے۔ زید عدالت العالیہ میں اپیل داخل کر کے پردیس دوسری سلطنت میں چلا گیا تین سال کے بعد حاکم نے اپیل خارج کر کے پہلا فیصلہ بحال رکھا۔ ہر دو حاکم غیر مسلم تھے۔ فسخ نکاح کی نسبت چند عالموں سے دریافت کیا گیا تو یہی جواب ملا کہ شرعی قاضی شرط ہے

Marfat.com

یہاں کے حاکم کا فیصلہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک شخص نے یہ بھی صلاح دی کہ اس ملک میں تبدیل مذہب سے نکاح فسخ کیا جاتا ہے۔ فیصلہ کو نو سال کا زمانہ ہو گیا اور چودہ سال سے زید نے نان و نفقہ نہیں دیا اور ہندہ عقد ثانی کی خواہش رکھتی ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ علاوہ تبدیل مذہب کے کوئی صورت فسخ نکاح اور اجازت عقد ثانی کی نکل سکتی ہے تو ارقام فرمائیے

جواب - یہ صورت لعان کی ہے۔ لعان میں صرف لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ شرط ہے نیز یہ کہ وہ قاضی مسلمان ہو اور دارالاسلام میں ہو البتہ شوافع کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے۔ اور قضائے قاضی کی ضرورت نہیں (دیکھیے شامی صفحہ ۹۱۰ مصر) ہندوستان کی جو صورت ہے اس میں اس وقت تک نظام شریعت قائم نہیں۔ حاکم وقت کا فیصلہ بمجبوری مان لیا جائے گا اس لئے صورت مسئولہ میں اگر حاکم نے تفریق کا فیصلہ کر دیا ہے تو عورت نکاح کر سکتی ہے

سید سلیمان ندوی

واقعی صورت مسئولہ میں عورت اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے دفعاً للحرج وانسداد للفتنۃ۔ محمد شفیع محبت اللہ الانصاری فرنگی محل لکھنؤ۔

خط بنام مولانا سید سلیمان صاحب ندوی دار المصنفین، اعظم گڑھ

معظم و محترم دام بالمجد والکرم۔ السلام علیکم، بعد تسلیم عرض ہے کہ یہ استفتا بنارس سے آیا تھا، آپ نے جو جواب تحریر فرمایا ہے وہ صحیح ہے لیکن احناف اور امام شافعی کا اختلاف ملاعنت کے بعد ہے اور صورت سوال میں زوجین کا ایک دوسرے پر لعان کرنا نہیں لکھا گیا ہے شوہر کا اپنی منکوحہ پر زنا کی تہمت لگانا نفس لعان نہیں ہے بلکہ سبب لعان ہے اور لعان میں زوجین کا اپنے قول کو لفظ شہادت سے ذکر کر کے مؤکد بالیمین واللعان کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے۔ سببہ قذف الرجل امرأته قذفا يوجب الحد فی الاجانب فیجب به اللعان بین الزوجین اور در مختار میں ہے ورکنہ

Marfat.com

شہادات موکدات بالیمین واللعن۔ اور اسی درمختار میں ہے فان التعنا بانت بتفریق الحاکم۔ اور رد المحتار میں ہے وعند الشافعی یقع الفرقۃ بنفس اللعان۔ اور امام شافعی کی کتاب الام میں ہے ولا لعان بقذف الرجل امرأتہ بالزنا صریحا فاذا فعل فعلیہ اللعان ان طلبتہ۔ بناءً علیہ آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ یہ صورت لعان کی ہے میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ کی شفقت بزرگانہ سے امید ہے کہ میری اس گستاخی کو معاف فرمائیں گے اور فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون پر محمول فرمائیں گے

محمد عبدالقادر

بَابُ النَّفقہ

مسئلہ۔ ایک پوتا بعمر سات سال اپنے حقیقی دادا کے ساتھ رہتا ہے اور وہ محجوب الارث ہے کیوں کہ اس کا باپ اپنے باپ کی زندگی میں مرگیا ہے اس کی ماں بھی مرگئی ہے۔ اس کا کچھ زر نقد اور کچھ زیور اس کے دادا کے پاس بطور اس کی امانت کے ہے۔ اس لڑکے کا معمولی کھانا، پینا، نائی، دھوبی اور بھنگی کا خرچ دادا اپنے ذمہ لیے ہے مگر اس سے زیادہ اگر دادا خرچ کرے تو دادا کو تنگی ہوگی۔ لڑکا روزانہ کچھ دودھ بھی مانگتا ہے، دو چار پیسے روزانہ اپنے خرچ کو بھی طلب کرتا ہے۔ کپڑے، جوتے اور تعلیم کا صرف بھی ضروری ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ بروئے شرع حنفی اہل سنت کے دودھ، جیب خرچ، کپڑے، جوتے اور تعلیم کے مصارف اس لڑکے کی امانت سے دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ دادا اپنے اوپر یا دیگر متعلقین پر انشاء اللہ اس امانت سے کچھ بھی نہیں خرچ کرے گا۔

جواب۔ اگر دادا اپنے نابالغ پوتے کے لئے اپنے پاس سے دودھ خریدے گا یا روزانہ اس کے لئے دو چار پیسے دے گا یا اس کے تعلیمی مصارف ادا کریگا یا اس کے کھانے اور پہننے کا سامان مہیا کرے گا تو لڑکے کے بالغ ہونے پر اس کا دادا اپنے ان مصارف کو اپنے پوتے کے مال سے مجرا نہیں لے سکتا ہے بلکہ دادا اپنی طرف سے پوتے پر احسان کرنے والا سمجھا

Marfat.com

جائے گا۔ اور اگر دادا نے اپنے نابالغ پوتے کے ضروریات مذکورہ بالا اس کے مال سے پورے کئے اور ضروریات پورے کرتے وقت اس نے اس پر دوسروں کو گواہ نہیں بنایا تھا کہ یہ ضروریات یتیم کے مصارف میں اس کے مال سے مجرا لے لوں گا تو بھی دادا کو پوتے کے بالغ ہونے کے بعد پوتے کے مال سے اپنا خرچ کیا ہوا روپیہ مجرا لینا درست نہیں ہے اور اگر دادا نے اپنے پوتے کے مصارف دیتے وقت دوسرے لوگوں کو گواہ بنالیا تھا کہ یہ مصارف اپنے پوتے کے مال سے مجرا لے لے گا تو پوتے کے بالغ ہونے کے بعد وہ اپنے کیے ہوئے مصارف کا روپیہ مجرا لے سکتا ہے۔

Marfat.com

کتاب الطلاق

مسئلہ۔ شوہر نے اپنی منکوحہ کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں اس کو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اپنے والدین کے یہاں سے ایک مہینے کے اندر چلی آئے۔ اور اس خط کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ نہ آنے پر طلاق، طلاق، طلاق، سمجھنا۔ آیا شوہر کی اس تحریر سے طلاق ہوگی یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں جبکہ شوہر نے اپنی منکوحہ کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں اس کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے والدین کے یہاں سے ایک مہینے کے اندر چلی آئے اور اسی خط کے آخر میں اس نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ نہ آنے پر طلاق، طلاق، طلاق سمجھنا۔ تو ان الفاظ میں اگرچہ شوہر نے طلاق کی اضافت صراحۃً اپنی منکوحہ کی طرف نہیں کی ہے۔ لیکن عرف عام میں طلاق کی اضافت منکوحہ کی طرف سمجھی جاتی ہے، اس لیے کہ جن لوگوں کے نکاح میں کوئی عورت ہوتی ہے وہ لوگ جب طلاق دیتے ہیں یا طلاق کو کسی بات پر معلق کرتے ہیں تو عادۃً اپنی منکوحہ کی طلاق کا ارادہ کرتے ہیں غیر منکوحہ کی طلاق کا ارادہ نہیں کرتے۔ پس جبکہ شوہر کی اس تحریر سے غیر کی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں معلوم ہوتا لہذا قضاءً اس کی منکوحہ کو طلاق ہو جائے گی۔ اور چونکہ شوہر نے لفظ طلاق کی تکرار کی ہے اس لیے تین طلاقیں ہوں گی جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔

مسئلہ۔ زید نے اپنی منکوحہ سے یہ کہا کہ تجھ کو طلاق ہے، اب مجھ سے کوئی واسطہ اور غرض

نہیں۔ اس سے ایک طلاق ہوگی یا طلاق بائن ہوگی۔

جواب۔ اگر زید نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے اور مجھ سے کوئی واسطہ اور غرض نہیں، اس سے طلاق رجعی ہوگی۔

مسئلہ۔ زید نے اپنی زوجہ کی نافرمانی کی وجہ سے بطور تنبیہ یہ کہا کہ تجھ کو چھوڑ دیں گے، طلاق دے دیں گے، اس پر بھی زوجہ کچھ نہ بولی۔ زید نے مارنا شروع کیا اور خوب مارپیٹ کر اندر سے باہر نکال دیا جب وہ اندر سے سائبان میں چلی آئی تب زید نے یہ کہتے ہوئے کہ جا ہم تجھ کو چھوڑ دیں گے۔ طلاق دے دیں گے، ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، اس طور سے کہہ کر کواڑ بند کر لیا۔ تو طلاق ہوگی یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں طلاق ہوگئی۔

مسئلہ۔ شوہر نے چند آدمیوں کے سامنے اس کا اقرار کیا کہ اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی ہے لہذا اس کے اقرار سے طلاق ہوگی یا نہیں۔

جواب۔ اگر شوہر نے طلاق دینے کا اقرار کیا تھا تو اس کا اقرار ثبوت طلاق کے لیے کافی ہے[1] لان حجج الشرع الشریف ثلثۃ البینۃ والاقرار والنکول اسی بنا پر صاحب بحر فرماتے ہیں الاقرار بالطلاق یقع قضاءً لا دیانۃ[2] اور تنقیح[3] فتاوی حامدیہ میں ہے فی العلائی عن شرح نظم الوھبانیہ قال انت طالق او انت حر وعنی به الاخبار کذبا وقع قضاءً الا اذا اشھد علی ذلک۔ پس شوہر کے اقرار طلاق سے اس کی منکوحہ کو طلاق ہو جائے گی۔

[1] اس لیے کہ شرع شریف میں تین طرح کی دلیلیں ہوتی ہیں ایک ثبوت پیش کرنا۔ دوسری اقرار کرنا۔ تیسری انکار کرنا
[2] طلاق کے اقرار سے قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی (یعنی قاضی طلاق کا فیصلہ دے دے گا) دیانۃً نہ ہوگی۔
[3] شوہر نے کہا تجھ کو طلاق ہے یا تو آزاد ہے اور اس سے اس کا مطلب جھوٹی اطلاع دینا تھا تو قاضی طلاق کا فیصلہ دے گا۔ البتہ اگر پہلے سے اس نے اس جھوٹی اطلاع دینے پر گواہ کر لیے تھے تو طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ الخُلع

مسئلہ۔ شوہر نے ایک تحریر خلع نامہ اپنے دستخط سے لکھ دی اور اس پر گواہوں کے دستخط کرالیے۔ شوہر اس تحریر خلع کے بعد اپنی زوجہ سے اس روپیہ کا دعویٰ کرتا ہے جس کے عوض

Marfat.com

۔۔۔ہر نے خلع نامہ پر خلع لکھی تھی۔

زوجہ کہتی ہے کہ میں نے روپیہ کے عوض خلع نہیں مانگی تھی اور نہ اس سے طلاق چاہی تھی۔ ۔۔۔رے شوہر نے مجھ پر زبردستی کر کے میرے دستخط خلع طلب کرنے کے کاغذ پر ثبت کرالیے تھے، میں ۔۔۔چند دستخط کرنے سے انکار کرتی رہی مگر اس نے نہ مانا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ اس خلع نامہ کی وجہ سے زوجہ کو طلاق ہوئی یا نہیں اور کیا شوہر اپنی ۔۔۔وجہ سے رقم خلع کا مطالبہ کر سکتا ہے اور کیا زوجہ کو وہ رقم خلع دینا ہوگی یا نہیں۔

جواب۔ درمختار میں ہے وادعی الخلع علی مال وھی تنکر یقع الطلاق باقرارہ[۱] ۔۔۔رشامی میں باقرارہ کی شرح میں تحریر ہے ای الطلاق البائن[۲] وان لم تثبت المال لانہ ۔۔۔بقی لفظ الخلع المقر بہ ھو کنایۃ فیقع بہ البائن۔

پس صورت مسئولہ میں اگر وہ تحریر شوہر ہی کی ہے تو چونکہ اس تحریر میں اس نے خلع دینے کا اقرار کیا ہے لہٰذا بموجب اس کی تحریر کے طلاق ہو جائے گی، اور اگر زوجہ اس کو ثابت کر دے کہ اس سے خلع نامہ جبراً لکھوایا گیا تو اس کو عوض خلع نہیں دینا ہوگا۔ اور اگر اس کو وہ ثابت نہ کر سکی تو اس کو بدل خلع دینا ہوگا۔

مسئلہ۔ مساۃ ہندہ کی عمر تقریباً نو[۳] سال کی تھی اور بحالت نابالغی اس کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا گیا، زید کی عمر اس وقت بیالیس[۴] سال کی تھی، علاوہ ازیں زید عورت کے قابل بھی نہیں ہے اب مساۃ ہندہ بالغ ہو گئی ہے اور زید کو ناپسند کرتی ہے اور اپنا نکاح فسخ کرتی ہے۔

جواب۔ نابالغ عورت اپنی رضامندی سے نکاح نہیں کر سکتی ہے، بلکہ ولی کا نکاح کرنا نابالغہ کا نکاح کرنا ہوتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگر مساۃ ہندہ کا نکاح اس کے باپ دادا نے کیا تھا تو وہ بالغ ہونے کے وقت اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی ہے، اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کیا تھا مثلاً چچا یا ماں نے تو بوقت بلوغ ہندہ فسخ نکاح کر سکتی ہے اور عدالت مجاز میں درخواست دے کر اپنا دوسرا نکاح بھی اپنے اعزہ میں کر سکتی ہے۔

---

[۱] شوہر بعوض مال خلع دینے کا مدعی ہے اور بیوی انکار کرتی ہے تو شوہر کے کہنے کی بنا پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

[۲] یعنی طلاق بائن سمجھی جائے گی اگر مال کا نیج ثابت بھی ہو اس لیے کہ عورت کے مال دینے کے عہد کو تسلیم نہ کرنے سے شوہر کے خلع دینے کے اقرار پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور خلع کنایۃً طلاق ہے پس طلاق بائن واقع ہوگی۔

اگر ہندہ کا نکاح حالت نابالغی میں باپ یا دادا نے کیا ہو تو وہ عدالت مجاز میں درخواست دے کر کہ میرا شوہر عنین (نامرد) ہو میرا نکاح فسخ کرادیا جائے۔ حاکم اس کے شوہر کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے اس مہلت میں اگر صحت ہوجائے تو نکاح قائم رہے گا، اگر صحت نہ ہو تو وہی حاکم نکاح فسخ کر دے۔

یہ واضح رہے کہ بلوغ کے ساتھ ہی عورت کو فسخ نکاح کا حق رہتا ہے جبکہ اس کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے کیا ہو۔ اگر کچھ بھی توقف فسخ نکاح میں کرے گی تو فسخ کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔

اس استفتے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلوغ کے بعد ہندہ اپنے شوہر کے پاس گئی تھی لیکن اس نے اپنے شوہر کو عورت کے قابل نہیں پایا، اس کے اس فعل سے اس کی رضامندی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور نکاح غیر الاب والجد نے کیا ہے تو فسخ کا حق بھی باقی نہ رہے گا، لیکن شوہر کی نامردی کی وجہ سے فسخ نکاح کرانے کا دعویٰ عدالت مجاز میں اس وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ۔ شوہر نے اپنی زوجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس اندھی کو طلاق ہو تو شوہر کے اس قول سے طلاق ہوگی یا نہیں جبکہ اس کی زوجہ اندھی نہیں ہے۔

جواب۔ جب شوہر اپنی منکوحہ کی طرف اشارہ کر کے طلاق دے تو طلاق ہو جائے گی اگرچہ شوہر اس عورت کے نام یا اوصاف میں غلطی کرے۔ قاضی خاں میں ہے لو کان له امرأة بصیرة فقال امرأته هذه العمیاء طالق واشار الی البصیرة تطلق البصیرة ولا تعتبر التسمیة والصفة مع الاشارة۔ پس اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے شوہر کے اس کہنے سے "اس اندھی کو طلاق ہے" طلاق ہو جائے گی اگرچہ وہ بینا ہو۔

مسئلہ۔ عورت مطلقہ بعد طلاق وقتاً فوقتاً شوہر سے نان و نفقہ عدت طلب کرتی رہی لیکن جب اس نے باوجود نوٹس رجسٹری شدہ پانے کے بھی ادائی نہیں کی تب مجبوراً عورت نے

له آنکھوں والی بیوی کی طرف شوہر نے اشارہ کر کے کہا "اس اندھی کو طلاق ہو" تو آنکھوں والی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اشارے کی موجودگی میں نام یا صفت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

دعویٰ دائر عدالت کیا کہ تاریخ طلاق سے تا ایام عدت کل گزارہ دلایا جائے تو مدعا علیہ یعنی شوہر عذر کرتا ہے کہ تاریخ دعویٰ عدالت سے مدعیہ مستحق ہے۔ تاریخ طلاق سے تاریخ دعویٰ عدالت تک زمانہ طلب باہمی میں گزرا اس کا نان و نفقہ مدعیہ نہیں پا سکتی ہے۔ ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے بحوالہ کتاب مع عبارت جواب ملنا چاہیے۔

جواب۔ تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے۔ سئل فی رجل طلق زوجته الحامل منه و مضی بعض مدة العدة وترید مطالبته الآن بالنفقة الماضیة فی المدة المزبورة من غیر فرض قاض ولا تراض فهل سقطت المدة الماضیة الجواب نعم وفی المجتبی او نفقة العدة کنفقة النکاح وتسقط بمضی المدة الا لفرض او صلح الخ

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں اگر حاکم نے پہلے سے کوئی نان و نفقہ مقرر نہیں کیا تھا یا شوہر سے کوئی مصالحت دربارۂ نفقہ نہیں ہوئی تھی تو گزرے ہوئے زمانہ کا نفقۂ عدت شوہر سے نہیں دلایا جائے گا۔

مسئلہ۔ مسماۃ ہندہ کا شوہر مجنون اور پاگل ہے اور وہ ایک نوجوان عورت ہے اس کے فسق و فجور میں مبتلا ہو جانے کا ظن غالب ہے لہذا کوئی صورت اس کے شوہر سے تفریق کرانے کی شرعاً نکل سکتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ اگر شوہر کو ہر وقت جنون رہتا ہے کسی وقت افاقہ نہیں ہوتا اور اس حالت کو عرصہ گزر گیا ہو تو اس کی منکوحہ امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک قاضی کے یہاں شوہر کے عیب جنون کی وجہ سے فسخ نکاح کی درخواست دے سکتی ہے اور قاضی اس درخواست پر جنون ثابت ہو جانے کے بعد تفریق کرا سکتا ہے۔ پس جبکہ یہاں کوئی قاضی نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان آنریری مجسٹریٹ یا مجسٹریٹ ہونے کی حیثیت سے عورت کی درخواست پر شوہر کے عزیزوں سے جنون کا ثبوت پانے کے بعد تفریق کرا دے گا تو تفریق ہو جائے گی۔

اگر اس طرح تفریق نہ ہو سکے تو چونکہ ضرورت شدیدہ کے وقت دوسرے ائمہ کے قول پر

Marfat.com

فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور صورت مسئولہ میں مسلمان عورت کی جان و آبرو کا بچانا ضرورت ش[رعی]
ہے اس لیے امام مالک رحمۃ اللہ کے مسلک پر تفریق کرائی جا سکتی ہے۔ ان کا یہ مسلک ہے کہ زو[جہ]
کے خاندان یا محلہ کے متدین مسلمان ایک حَکَم زوجہ کی طرف سے جو اس کی برادری سے ہو اور متد[ین]
ہو اور ایک حَکَم شوہر کی طرف سے جو شوہر کی برادری سے ہو اور متدین ہو اصلاح ذات البین [کے]
لیے مقرر کریں اگر یہ دونوں حَکَم کوئی اصلاحی صورت نہ نکال سکیں اور شوہر کا حَکَم شوہر کی طر[ف سے]
طلاق دے دے تو یہ طلاق جائز ہو جائے گی اور تفریق ہو جائے گی۔ اور اگر زوجہ کا [حَکَم]
زوجہ کی طرف سے مہر اور عورت کا نان و نفقہ معاف کر دے گا تو یہ دونوں رقم بھی معا[ف]
ہو جائیں گی۔

زمانۂ عدت موت میں بیوہ عورت اگر حاملہ ہو گئی ہو تو مسلک صحیح کے اعتبار سے زمانۂ عدت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

مسئلہ۔ زید کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ جو حمل سے نہیں تھی زنا کی وجہ سے حاملہ [ہو گئی]
ہے لہٰذا اس کی عدت کب تمام ہوگی۔

جواب۔ اگر عورت اپنے شوہر کی موت کے وقت حاملہ نہ تھی اور عدت موت میں زنا [سے]
حاملہ ہو گئی تو اس کی عدت مذہب صحیح پر چار مہینے دس دن ہیں۔ یعنی شوہر کے مرنے کے چا[ر ماہ]
دس دن کے بعد اس کی عدت تمام ہو جائے گی۔ شامی میں ہے اما لو حبلت فی العدۃ [بعد]
موتہ فلا تتغیر فی الصحیح۔

مسئلہ۔ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو تین مرتبہ طلاق دے دی تھی لیکن زید ہندہ کو اور [ہندہ]
زید کو چھوڑنے پر راضی نہیں۔ زید نے علماء کے پاس استفتاء روانہ کیا کہ ہم دونوں کس طرح [ایک]
دوسرے کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ تمام علماء نے یہ جواب دیا کہ بدون حلالہ کے زید ہندہ [کے]
ساتھ نکاح نہیں کر سکتا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ ہندہ کے ساتھ کسی شخص کا نکاح کر د[یا جائے]
اور یہ دوسرا شخص صحبت کے بعد طلاق دے دے تو بعد ختم عدت ہندہ زید کے ساتھ نکاح کر [سکتی]
ہے۔ چنانچہ زید نے اپنے چھوٹے بھائی بکر کے ساتھ اپنے اور اپنے باپ کی موجودگی میں ہندہ کا
نکاح کر دیا اس کا بھائی بکر اس نکاح پر راضی نہ تھا لیکن باپ کے دباؤ سے اس نے نکاح

...ل کر لیا۔ آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ بکر نے نکاح کے بعد ہندہ کی فرج میں دخول کیا اور انزال ہونے
...بل حشفہ کو داخل فرج سے نکال لیا اور اس کے بعد طلاق دے دی تو اس طلاق کی عدت کے
...ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں۔

...اب۔ صورت مسئولہ میں جبکہ بکر کو احتلام اور انزال ہوتا ہے تو وہ شرعاً بالغ ہے پس اس کا نکاح
بغیر ولایت ولی کے درست ہے اور اس کا طلاق دینا بھی صحیح ہے لہذا اگر بکر (جو شرعاً بالغ ہو)
...وُسے بھی نکاح قبول کرلے گا تو نکاح ہو جائے گا۔

اگرچہ صورت سوال سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ بکر پر نکاح قبول کرنے کے لیے جبر و تشدد
کیا تھا پس جبکہ بکر نے زید اور اس کے باپ کے سامنے نکاح کو قبول کیا (اگرچہ دباؤ اور تشدد
کی وجہ سے قبول کیا ہو) تو یہ نکاح صحیح ہے اور نکاح کے بعد بکر کا اس طرح ہندہ سے وطی کرنا کہ اس کا
...نہ ہندہ کی فرج میں غائب ہو گیا تو یہ وطی اور صحبت حلالہ کے لیے کافی ہے۔ پس اگر کچھ
...ادگی کے ساتھ دخول حشفہ کا ہوا تو بہ اتفاق علمائے احناف یہ صحبت تحلیل کے لیے کافی ہے۔
...اگر استادگی اور انتشار آلہ میں نہ تھا لیکن دخول ذکر فرج کے اندر اس طرح ہو گیا کہ حشفہ فرج کے
...ر غائب ہو گیا تو یہ صحبت بھی بعض علماء کے نزدیک حلالہ کے لیے کافی ہے خواہ انزال ہوا ہو یا
...ہوا ہو۔ پس بکر نے اس صحبت کے بعد طلاق دے دی تو ہندہ اپنے شوہر اول پر حلال ہو جائے
یعنی اس طلاق کی عدت کے بعد ہندہ زید کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔

...سئلہ۔ زید نے اپنی خوشدامن سے غصہ کی حالت میں یہ الفاظ کہے تھے کہ تم خسر صاحب سے
...ر اسلام کہہ دینا اور کہہ دینا طلاق طلاق طلاق۔ ان الفاظ سے زید کی منکوحہ کو طلاق ہو گی یا نہیں۔

...جواب۔ چونکہ عام دستور یہ ہے کہ جس شخص کی منکوحہ بیوی موجود ہوتی ہے وہ لفظ طلاق
...اپنی منکوحہ ہی کے لیے استعمال کرتا ہے اور طلاق دیتے وقت یا طلاق کی خبر بیان کرتے وقت
اپنی منکوحہ ہی کو طلاق دیتا ہے اور اسی کے طلاق کی خبر بیان کرتا ہے پس صورت مسئولہ میں زید
...اپنی خوشدامن سے غصہ کی حالت میں یہ کہنا کہ تم خسر صاحب سے میرا سلام کہہ دینا اور کہہ دینا

طلاق طلاق طلاق"۔ اس امر کا قرینہ ہو سکتا ہے کہ زید اس لفظ کو اپنی منکوحہ کے لیے استعمال کر رہا ہو لہذا زید سے دریافت کر لیا جائے کہ اس نے اس لفظ کو اپنی منکوحہ کے لیے استعمال کیا تھا یا نہیں اگر زید یہ کہے کہ اس نے اس لفظ کو اپنی منکوحہ کے لیے استعمال کیا تھا تو زید کے اس قول سے طلاق ہو جا گی۔ اور اگر وہ کہے کہ اس نے اپنی زوجہ کے لیے اس لفظ کو استعمال نہیں کیا تھا تو طلاق نہ ہو گی او اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔ علامہ شامی بحر سے نقل کرتے ہیں۔ لو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته ولو قال امرأة طالق او قال طلقت امر ثلاثا وقال لم اعن امرأتی یصدق۔

۵ شوہر نے کہا "طلاق ہو" اس سے پوچھا گیا "کس کو طلاق ہو تم نے کس کو مراد لیا ہو؟" شوہر نے جواب دیا "اپنی بیوی کو" تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ اور اگر شوہر نے کہا "عورت کو طلاق ہو یا عورت کو تین طلاقیں دی گئیں" اور یہ کہا کہ عورت سے میں نے اپنی بیوی کو مراد نہیں لیا تھا تو شوہر کا کہا سچ مانا جائے گا۔

مسئلہ۔ زید نے اپنی عورت کو بحالت حیض طلاق دی تھی آیا یہ طلاق واقع ہو گی یا نہیں

جواب۔ اگر کوئی شخص حالت حیض میں اپنی مدخولہ عورت کو طلاق دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے پس اگر شوہر نے طلاق رجعی دی ہو تو اندرون حیض رجوع کر واجب یا مستحب ہے۔ رجوع کا واجب ہونا اکثر احناف کا مسلک ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ کی ع سے واضح ہوتا ہے۔ اور اگر شوہر نے طلاق بائن دی ہو تو رجوع کا حق نہیں ہے اگرچہ شوہر حیض میں طلاق دینے کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔ شوہر طلاق بائن دے یا طلاق مغلظہ دے تو طلاق وا ہو جائے گی اور شوہر کو رجوع کا حق نہ ہو گا۔ اور اگر شوہر نے طلاق رجعی کے بعد رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ عدت کا تمام ہو گیا تو یہ طلاق بائن ہو جائے گی۔ بدون نکاح ثانی اس مطلقہ کو زوجیت میں نہیں لا سکتا۔

مسئلہ۔ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دے دی۔ اس سے طلاق ہو یا نہیں۔

جواب۔ اگر شوہر اپنی منکوحہ سے کہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دے دی تو طلاق ہو جائے گی

مسئلہ۔ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو میرے ہمراہ نہیں چلے گی تو تو میری ماں کے اس کی زوجہ اس کے ہمراہ نہیں گئی تو کیا اس صورت میں اس کی زوجہ کی طلاق ہو جائے گی۔

Marfat.com

جواب ۔ اگر شوہر نے اپنے اس قول (اگر تو میرے ہمراہ نہ چلے گی تو تو مثل میری ماں کے ہے) سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی ۔

مسئلہ ۔ حامد علی نے اپنے لڑکے راحت علی کو خط بھیجا تھا جس میں اس نے اپنی منکوحہ خیر النسا کا نام لکھ کر تین مرتبہ اس کو طلاق لکھی تھی اور اس کو قلم زد کر دیا تھا ۔ وہ خط جب راحت علی کے پاس آیا تو اس میں حامد علی کے الفاظ طلاق جو قلم زد تھے پڑھے جاتے تھے ۔ آیا حامد علی کے اس خط سے اس کی منکوحہ خیر النسا کو طلاق ہو گی یا نہیں ، اور مسماۃ خیر النسا اپنا مہر اور عدت کا نان و نفقہ اپنے شوہر سے لے سکتی ہے یا نہیں ۔

جواب ۔ جو خط حامد علی نے اپنے لڑکے راحت علی کے نام بھیجا ہے اس کے درمیان اس نے اپنی منکوحہ خیر النسا کا نام لکھ کر تین مرتبہ طلاق لکھی تھی اور لکھنے کے بعد الفاظ طلاق کو قلم زد کر دیا تھا (اگرچہ وہ الفاظ طلاق قلم زد کرنے کے بعد بھی پڑھے جاتے ہیں) لہذا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ مرسلہ خط حامد علی کا ہے تو بوقت تحریر طلاق اس کی منکوحہ پر طلاق مغلظہ ہو جائے گی اس لیے کہ اس طرح کے خطوط میں اپنی منکوحہ کے لیے طلاق لکھنا منکوحہ کو زبانی طلاق دینے کی طرح ہے اور منکوحہ کو زبانی طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے لہذا اس طرح طلاق لکھنے سے بھی قضاءً طلاق ہو جائے گی خواہ اس مکتوب کو برقرار رکھا ہو یا برقرار نہ رکھا ہو ۔ اگر عورت نے اپنا مہر معاف نہیں کیا ہے تو عورت اپنے مہر اور عدت کے نان نفقہ کا دعویٰ کر سکتی ہے ۔

بَابُ العِدَّۃ

مسئلہ ۔ طلاق کے بعد مطلقہ کو زمانۂ عدت شوہر کے یہاں گزارنا چاہیے یہ تصریح تو قرآن مجید میں ہے ۔ لیکن طلاق اگر اس وقت ملتی ہے کہ عورت شوہر کے یہاں نہیں بلکہ اپنے میکہ میں ہو تو کیا اس صورت میں بھی یہ ضروری ہے کہ وہ وہاں سے چل کر اپنے شوہر کے یہاں آئے ، خصوصاً ایسے موقع پر جبکہ اس میں مزید مفاسد کا ظن غالب ہو ۔ مجھے یہ جزئیہ کہیں نہیں ملا ۔ پھر اگر شوہر ہی کے یہاں

Marfat.com

قیام بہرحال لازمی ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ شوہر بجائے اپنے ذاتی مکان کے اپنے کسی عزیز کے مکان کو حکماً اپنا گھر قرار دے کر اس میں مطلقہ کو رکھ سکے۔
(مولانا عبدالماجد دریابادی)

جواب۔ عورت قبل طلاق جس مکان میں سکونت پذیر تھی اسی مکان میں اس کو عدت کا زمانہ گزارنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی ضرورت شرعی نہ پیش آجائے۔ اگر ضرورت کی وجہ سے انتقال مکانی کرنا پڑے تو بمشورہ شوہر کسی دوسرے مکان میں بقیہ زمانہ عدت بسر کرے۔ بحرالرائق میں ہے۔ و تعیین المنزل الثانی للزوج فی معتدۃ الطلاق واما فی الوفاۃ کما فی فتح القدیر انتہی۔ پس صورت مسئولہ میں اگر عورت کا مسکن اور جائے سکونت قبل طلاق اس کا میکہ ہی تھا تو اس کو زمانہ عدت بھی وہیں گزارنا چاہیے۔ اور اگر عورت اپنے میکہ اپنے اہل بیت سے ملنے ملانے کے لیے گئی تھی تو اس کو اپنے مسکن میں آکر زمانۂ عدت پورا کرنا چاہیے۔ اگر واپسی کے بعد اس مسکن میں عورت کے جان و مال وغیرہا کا خطرہ ہے تو اس مسکن سے کسی دوسرے مکان میں جس کو شوہر نے مہیا کیا ہو زمانۂ عدت گزارنا چاہیے۔

مسئلہ۔ شوہر کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اس کی عورت اس کے ایک دور کے عزیز سے محبت کرتی ہے، اس نے اپنی زوجہ کو اپنی اس بدظنی پر بہت سمجھایا اور فہمائش کی۔ اس کی زوجہ اس امر سے بالکل انکار کرتی رہی اور کہتی رہی کہ مجھ کو اس شخص سے محبت نہیں ہے۔ شوہر نے اس کے انکار کو صحیح نہیں سمجھا اور یہ کہا کہ اگر تو اس کے ساتھ محبت کرتی ہے تو تجھ کو طلاق ہے۔ شوہر کے اس قول سے طلاق ہو گی یا نہیں جبکہ زوجہ محبت سے انکار کرتی ہے۔

جواب۔ جبکہ شوہر نے طلاق کو اپنی زوجہ کی غیر مرد کے ساتھ محبت پر معلق کیا تھا اور زوجہ اس محبت سے قطعی انکار کرتی ہے تو طلاق نہیں ہوئی اگرچہ شوہر بدظنی سے یہ خیال کرتا ہو کہ اس کی زوجہ کو غیر مرد سے محبت ہو اس لیے کہ کسی کی محبت کا پتہ کسی دوسرے کو نہیں چل سکتا جب تک محبت کرنے والا زبان سے اقرار محبت نہ کرے۔ پس جبکہ زوجہ غیر مرد سے محبت کرنے کا انکار کرتی ہے تو اس کا یہ انکار شرعاً معتبر ہوگا۔

Marfat.com

مسئلہ - زید نے ایک اقرارنامہ اس مضمون کا لکھا کہ اگر میں کسی دوسرے شہر چلا جاؤں اور تین برس تک نہ آؤں، خواہ روٹی کپڑا حسب حیثیت شرعی و عرفی نہ دوں یہاں تک کہ چھ مہینے کا نان و نفقہ میرے ذمہ ہو جائے تو ہر ایک صورت میں میری طرف سے میری زوجہ کو ایک ایک طلاق ہو گی۔ زید اس اقرارنامے کے بعد باہر چلا گیا اس کو گئے ہوئے سات آٹھ مہینے ہو گئے ہیں اور اس نے چھ مہینے کا نان و نفقہ نہیں دیا اس اقرارنامے کی رو سے اس کی زوجہ کو طلاق ہو گی یا نہیں۔

جواب - جبکہ شوہر مسمی زید نے طلاق رجعی کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ "اگر میں کسی دوسرے شہر چلا جاؤں اور تین برس تک نہ آؤں خواہ روٹی کپڑا حسب حیثیت شرعی و عرفی نہ دوں یہاں تک کہ چھ مہینے کا نان و نفقہ میرے ذمہ ہو جائے" تو اگر خود شوہر نے نان و نفقہ کے لیے کوئی رقم مقرر کی تھی یا قاضی اور حاکم مجاز نے کوئی رقم زید کے اوپر نان و نفقہ کے لیے مقرر کر دی تھی تو اس وقت زید کے ذمہ وہ رقم لازم و واجب ہو گی ورنہ نہیں، پس صورت مسئولہ میں زید کے ذمہ چھ مہینے کے روٹی کپڑے کا لزوم قضائے قاضی یا زید کے مقرر کرنے کے بعد ہو گا، اور اگر زید نے کوئی رقم روٹی کپڑے کے لیے مقرر نہیں کی ہے اور نہ قاضی ہی نے مقرر کی ہے تو زید کے ذمہ چھ مہینے کا روٹی کپڑا بھی شرعاً لازم نہ ہو گا۔

فلہٰذا جب زید نے یا حاکم مجاز نے کوئی رقم نان و نفقہ کے لیے مقرر نہیں کی تھی تو چھ مہینے کا نان و نفقہ بھی زید کے ذمہ لازم نہ ہو گا اور شرط طلاق کے نہ پائے جانے کی وجہ سے طلاق بھی نہ ہو گی۔

مسئلہ - زید نے اپنی بیوی سے غصہ میں کہا کہ اب بغیر ہماری اجازت کے تم کہیں برادری میں جاؤ گی تو تم کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے۔" اس دن سے بیوی بلا اجازت نہیں جاتی ہے۔ اب زید کو کیا کرنا چاہیے۔

جواب - زوجہ اگر بلا اجازت زید برادری میں جائے گی تو اس کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ زید کو چاہیے کہ وہ برادری میں جانے کی عام اجازت اپنی طرف سے دے دے اس اجازت

Marfat.com

کے بعد اگر زوجہ برادری میں جائے گی تو طلاق نہیں ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر زید کی بیوی نے سنجیدگی کی حالت میں اپنے شوہر سے (بوجہ اس کے ضعیف ہونے کے) کہا کہ تم مجھ کو طلاق دے دو۔ اس کے جواب میں زید نے کئی بار یہ الفاظ کہے "میں نے تمھیں آزاد کیا۔ اب ہمارا کوئی زور تم پر نہیں رہا۔" اولاً زید نے زبانی کئی بار کہا اس کے بعد تحریر دے دی جس کی عبارت یہ ہے "تم جو اللہ کا واسطہ دلاتی ہو تو ہم نے تم کو آزاد کیا۔ اب ہمارا تم پر کوئی زور نہیں رہا۔" لہٰذا طلاق کا حکم بموجب زید کی تحریر کے عائد ہوا یا نہیں۔ اگر طلاق کا حکم نہیں عائد ہوتا ہے تو کسی کفارہ کی ضرورت ہے یا نہیں۔

۵ آزاد کرنے کے الفاظ سے اگر نیت ہو یا قرینہ پایا جاتا ہو تو طلاق ہو جائے گی

جواب۔ صورتِ مسئولہ میں طلاق ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے۔ ویقع الطلاق بلفظ العتق بنیۃ او دلالۃ الحال۔

مسئلہ۔ زید اور زید کی بیوی میں لڑائی ہوئی، دورانِ گفتگو میں بیوی نے شوہر کو دوزخی بنایا اور گالی بھی دی جس پر زید کو بیحد غصہ آیا اور اس نے یہ کہا کہ اگر میں دوزخی ہوں تو تجھ کو تین طلاق۔ زید کے اس قول سے اُس کی منکوحہ کو طلاق ہوئی یا نہیں۔

جواب۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ زید کی منکوحہ نے اس کو دوزخی بنا کر اپنے شوہر کو گالی دی تھی جس کے جواب میں شوہر نے یہ الفاظ کہے تھے تو ظاہر حال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے تکلیف رساں الفاظ کے جواب میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر تکلیف پہونچانا چاہتا ہے۔ لہٰذا زید کے ان الفاظ سے اس کو طلاق مغلظہ ہو جائے گی۔ اور اگر زید کہتا کہ اس کی نیت ان الفاظ سے تعلیق طلاق کی تھی تو فیما بینہ وبین اللہ اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور کوئی مسلمان جب تک وہ مسلمان ہے دوزخی نہیں ہے۔ اس لیے زید کے اس قول سے طلاق نہیں ہوگی۔

مسئلہ۔ زید کا نکاح بدر النساء کے ساتھ ہوا، زید اپنی سسرال میں دو سال تک قیام پذیر رہا اور اس دوران میں زید اور اُس کی منکوحہ یکجا بھی ہوتے رہے لیکن زید نے بدر النساء سے وطی نہیں کی، دو سال کے بعد زید نے بدر النساء کو تین مرتبہ طلاق دے دی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا زید بدون حلالہ بدر النساء کے ساتھ دوبارہ

Marfat.com

عقد کرسکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں جبکہ زید کا نکاح بدر النساء کے ساتھ ہوا تھا، اور بعد نکاح زید اپنی سسرال میں دو سال تک اپنی منکوحہ کے پاس تنہائی میں بھی رہا یعنی زید کی یکجائی اپنی منکوحہ کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں اس طرح ہوئی کہ اگر زید چاہتا تو اپنی منکوحہ سے صحبت کرلیتا (اگرچہ زید نے اپنی منکوحہ سے صحبت نہیں کی جیسا کہ استفتے سے ظاہر ہوتا ہے) تو ایسی خلوت حکم میں وطی کے ہے، اور ایسی خلوت کے بعد زید کا اپنی منکوحہ کو طلاق دینا اپنی موطوءہ عورت کے طلاق دینے کے حکم میں ہے اور موطوءہ عورت کو تین مرتبہ طلاق دینے سے طلاق مغلظہ ہوتی ہے، اس لیے زید کے ان الفاظ طلاق سے اس کی منکوحہ بدر النساء پر طلاق مغلظہ واقع ہوگی بدون حلالہ زید بدر النساء سے نکاح ثانی نہیں کرسکتا ہے۔

مسئلہ۔ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی۔ زید نے ناخوش ہوکر ہندہ کے باپ کو تحریر کرکے بھیج دیا کہ ہم نے ہندہ کو حرام کردیا جس کو دو سال کا زمانہ گزرا۔ نہ زید آیا اور نہ کچھ خرچ وغیرہ کھانے کپڑے کو دیتا ہے، اور نہ اس کا کوئی خط آتا ہے نہ پتہ ہے۔ ہندہ اپنی شادی کرنا چاہتی ہے۔ اس کے متعلق دریافت طلب ہو کہ کوئی حرج شرعی شادی کرلینے میں تو نہیں ہے۔ زید کی تحریر سے طلاق ہوا یا نہیں۔ تین مرتبہ طلاق طلاق کا لفظ بھی تحریر کرکے بھیجا ہے۔

جواب۔ جب زید نے اپنی زوجہ کو یہ لکھ دیا کہ وہ اس پر حرام ہے تو اسکی اس تحریر سے بمذہب متأخرین طلاق ہوجائے گی۔ اور بعد عدت ہندہ کو نکاح ثانی کا حق ہوجائے گا۔ ہندہ عدالت مجاز کی اجازت کے بعد اپنا نکاح ثانی کرسکتی ہے۔

مسئلہ۔ میں نے ایک مرتبہ اپنی منکوحہ کے رویہ (نافرمانی وخود مختاری) سے تنگ آکر غصہ کی حالت میں ایک خط لکھا جسکی عبارت ذیل میں ہے:۔

"شاید اب تم مجھ سے اکتا گئی ہو۔ تمہارا دل مجھ سے بھر گیا ہے۔ تمہاری جو مرضی ہو کرو اور اپنے لیے کوئی بہتر ساتھی تلاش کرلو۔ مجھ سے تم سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ اب تم میرے لیے حرام ہو۔"

محض اتنی عبارت لکھنے ہی سے فریق ثانی نے طلاق تصور کرلی۔ حالانکہ میرا ارادہ محض خائف کرنے

Marfat.com

کا تھا نہ کہ طلاق دینے کا، میں حلفیہ کہتا ہوں کہ نہ تو میری طلاق دینے کی نیت ہی تھی اور نہ میں شرعی احکام سے باخبر تھا کہ ایسا لکھنے سے طلاق ہو جاتی ہے، میں نے خسر و خوشدامن کے اس خیال کی بہت تردید کی گروہ کسی طرح نہیں مانتے ہیں اور جب بھی میں اپنی منکوحہ کو بھیجنے کی نسبت کہتا ہوں وہ طلاق کا حیلہ لیتے ہیں

اسی کشمکش میں مسجد کے امام صاحب سے اس معاملے کی نسبت رائے لی تو انھوں نے فرمایا کہ میرے لکھے ہوئے الفاظ سے طلاق رجعی ہو جاتی ہے۔ اور انھیں کے حکم کے بموجب میں نے ایام عدت ختم ہونے سے پیشتر ہی ان کو رجوع بھی کر لیا ہے۔ ایسا کرنے پر بھی میرے خسر و خوشدامن اس کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ طلاق ختم ہوگئی۔

میری منکوحہ کے بطن سے ایک بچہ ہے جو تقریباً ۲½ سال کا ہوگا، میری منکوحہ بھی میرے پاس آنے کی خواہش رکھتی ہے مگر اس کے والدین روکے ہوئے ہیں اور آنے نہیں دیتے، کچھ عجیب الجھن میں ہوں۔ اب آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ اس معاملہ میں غور فرمائیں اور شرعی احکام سے باخبر کریں، عین بندہ نوازی ہوگی۔ ساتھ ہی یہ بھی مطلع کرنے کی زحمت کریں کہ اگر واقعی طلاق ہوگئی ہے تو اب پھر سے عقد کس طرح ہو سکتا ہے۔

جواب۔ علماء لکھتے ہیں کہ شوہر کا اپنی زوجہ سے یہ کہنا کہ تو مجھ پر حرام ہوگئی عام طور پر طلاق کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے اس جملہ سے طلاق ہو جائے گی اگرچہ شوہر کی نیت طلاق کی نہ ہو، متقدمین نے اس سے طلاق رجعی کا حکم دیا ہے۔ اور متاخرین نے طلاق بائن کا حکم دیا ہے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی کر لیں۔

Marfat.com

کِتَابُ الطَّہَارَۃ

مسئلہ۔ کنوئیں میں اوپلے کا چار انگشت یا اس سے قدرے زائد کا ایک ٹکڑا گر پڑا، مسلّم نکال لیا گیا صرف نم ہو گیا تھا۔ کنواں نجس ہوا یا نہیں۔

نجس کنوئیں کے پانی سے وضو کیا اس کے قطرات کپڑوں پر ٹپکے اعضائے مغسولہ پر آستین جو چڑھی ہوئی تھی اتاری گئی۔ یہ چیزیں نجس ہوئیں یا نہیں۔

محدث نے بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں انگلی یا ہاتھ ڈال دیا، صاحب بہار شریعت نے لکھا ہے کہ پانی مستعمل ہو گیا، لیکن اس سے اجتناب تو مشکل ہے، تمام پانی بھرنے والے یوں ہی ہاتھ ڈالتے رہتے ہیں۔ جہاں نل نہیں ہیں وہاں تو یہ صورت عامۃ الوقوع ہے۔ آنجناب علمائے فرنگی محل کی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

احادیث شریفہ سے مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ثابت ہے لیکن اس کی کیفیت غیر مذکور ہے، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) ہر فریق اپنی داہنی کف دست دوسرے کی داہنی کف سے ملائے اور بائیں کف دست دوسرے کے ظہر کف پر رکھے جیسا کہ رواج ہے (۲) ہر دو مصافحہ کرنے والے اپنی کف دست دوسرے کی کف دست سے ملائیں، یعنی دونوں ہاتھ پہلی صورت کی طرح جوڑے نہ جائیں بلکہ الگ الگ رہیں۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے: "لیکن کف بر کف باید نہادن و سر انگشتاں نشاید گرفتن کہ بدعت است" اس سے کون صورت ثابت ہوتی ہے۔

جواب۔ وفی التاترخانیۃ ولم یذکر محمد فی الاصل روث الحمار والحثی واختلفوا فیہ فقیل ینجس ولو قلیلا او یابسًا وقیل لو یابسًا فلا واکثرھم علی انہ لو فیہ ضرورۃ و بلوی لا ینجس الا ینجس۔ پس کنوئیں میں اوپلے کا گرنا اُن چیزوں سے نہیں ہے کہ کنواں اس سے محفوظ نہ رکھا جاسکے یا محفوظ نہ رہ سکے اس لیے اوپلے کا ٹکڑا گرنے سے کنواں نجس ہوجائے گا۔ برخلاف جیسے کوّے کی بیٹ یا بکری کی ایک آدھ مینگنی کے، اس سے کنوئیں کی حفاظت ناممکن ہو اس لیے ان کے گرنے سے کنواں نجس نہیں ہوتاہے۔

جبکہ کنوئیں کا پانی یقینی طور پر نجس تھا تو اعضائے وضو اس کے پانی سے دھونے کی وجہ سے نجس ہوجائیں گے اور جس کپڑے پر وہ نجس پانی یا اس کے قطرے پڑیں گے وہ نجس ہوجائے گا۔

محدث اگر پانی کے برتن میں برتن سے پانی نکالنے یا برتن کا پانی یا کوڑا وغیرہ نکالنے یا ڈونگا وغیرہ نکالنے کی ضرورت کی طرح دوسرے ضروریات کے لیے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالے گا تو اس برتن کا پانی ماءِ مستعمل نہ ہوگا اسی طرح اگر صرف انگلیاں یا نصف کفِ دست تک ہاتھ پانی میں ڈالے گا تو بھی پانی مستعمل نہ ہوگا ورنہ مستعمل ہوجائے گا۔ پس گھڑا خالی کرنے کے لیے پن بھرے کا پانی میں ہاتھ ڈالنا یا گھڑا اٹھاتے وقت انگلیوں کا پانی کے اندر چلا جانا پانی مستعمل نہیں بناتا ہو۔ اشعۃ اللمعات کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ مصافحہ کفِ دست سے ہونا چاہیے، صرف انگلیاں پکڑنے اور ملانے سے مصافحہ نہیں ہوتاہے، بلکہ صرف انگلیوں سے دوسرے شخص کی انگلیوں کو ملانا اور کفِ دست کو علیحدہ رکھنا بدعت ہے۔ شامی میں ہے وھی الصاق صفحۃ الکف بالکف واقبال الوجہ بالوجہ والسنۃ ان تکون بکلتا یدیہ وعند اللقاء بعد السلام وان یاخذ الابہام فان فیہ عرقا ینبت المحبۃ یعنی مصافحہ کا طریقہ یہ ہے کہ بعد سلام ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا داہنا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑے اس طرح کہ دونوں مسلمانوں کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلیاں مل جائیں اور ہر ایک کا داہنا ہاتھ دوسرے شخص کے دونوں ہاتھوں کے درمیان آجائے اور ایک انگوٹھے اور سبابہ سے دوسرے شخص کے انگوٹھے کو پکڑے اور تھوڑی جنبش دے۔

مسئلہ۔ غیر مسلم کو قرآن چھونا اور قرآن کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں، اور غیر مسلم کا قرآن کی کتابت

۵؎ تاتارخانیہ میں ہے کہ امام محمد نے گدھے کی لید اور گوبر کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ فقہا کی اس سلسلے میں مختلف رائیں ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ لید اور گوبر کم ہو یا سوکھا ہو تب بھی کنواں نجس ہوجاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ سوکھے سے نجس نہیں ہوتا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی چارہ بچنے کا نہ ہو اور ایسا ہوتا ہی رہتا ہو تو کنواں نجس ہوجاتا ہے ورنہ نہیں۔

Marfat.com

یا قرآن کی کسی سورت کا لکھنا یا قرآن کو ہدیہ کرنا (یعنی بیچنا) جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ غیر مسلم کو بغیر نہائے قرآن کا چھونا جائز نہیں ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے الحربی والذمی اذا طلب تعلم القرآن تعلم لکنہ یمنع من مس المصحف الا اذا اغتسل (حربی اور ذمی جب قرآن کی تعلیم کسی مسلمان سے حاصل کرنا چاہیں تو ان کو قرآن کی تعلیم دی جائے لیکن قرآن کے چھونے سے ان کو روکا جائے جب تک وہ غسل نہ کرلیں۔) اور اسی کتاب میں ہے۔ کافر من اھل الذمۃ طلب من مسلم ان یعلم القرآن والفقہ قالوا لا باس بان یعلم القرآن والفقہ فی الدین لانہ عسی ان یھتدی الی الاسلام فیسلم الا ان الکافر لا یمس المصحف (کافر خواہ حربی ہو یا ذمی جب کسی مسلمان سے قرآن یا فقہ کی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو علماء فرماتے ہیں کہ اُس کے تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ امید اس امر کی ہوتی ہے کہ قرآن اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مسلمان ہو جائے۔ لیکن کافر کو قرآن چھونا درست نہیں اور جن لوگوں کو قرآن چھونا درست نہیں اُن کو قرآن کا لکھنا بھی درست نہیں اسی فتاویٰ میں ہے۔ من لا یباح لہ مس المصحف لا یکتب القرآن وان کانت الصحیفۃ علی الارض لا یمسھا بیدہ وھو قول محمد وبہ اخذ مشائخنا (جن لوگوں کو قرآن کا چھونا درست نہیں اُن کو قرآن کا لکھنا بھی درست نہیں ہے اگرچہ قرآن لکھتے وقت کاغذ زمین پر رکھا ہو اور اس کاغذ پر لکھنے والے کا ہاتھ بھی نہ لگتا ہو۔ یہ قول امام محمد کا ہے جس کو ہمارے مشائخ نے اختیار کیا ہے) اور قرآن کے چھونے اور لکھنے کا جو حکم پورے قرآن کے لیے ہے وہی حکم قرآن کے اوراق کا اور بندھی ہوئی جلد کا بھی ہے جیسا کہ صاحب بحر وقراءۃ القرآن ومسہ الا بغلاف کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں وتعبیر المصنف بمس القرآن اولی من تعبیر غیرہ بمس المصحف لشمول کلامہ ما اذا مس لوحا مکتوبا علیہ آیۃ وکذا الدرھم والحائط لکن لا یجوز مس المصحف کلہ المکتوب وغیرہ شامی میں ہے ویمنع قراءۃ قرآن ومسہ ای القرآن ولو فی لوح او درھم او حائط لکن لا یمنع الا من مس المکتوب بخلاف المصحف فلا یجوز مس الجلد وموضع البیاض وقال بعضھم یجوز وھذا اقرب الی القیاس والمنع اقرب الی التعظیم کما فی البحر والصحیح المنع (یعنی

Marfat.com

کے وقت قرآن کا پڑھنا اور چھونا ممنوع ہے اگرچہ قرآن یا اس کی آیت تختی پر لکھی ہو یا کسی روپیہ یا دیوار پر لکھی ہو) بناءً علیٰ ہذہ الاقوال غیر مسلم کو قرآن کا لکھنا کسی حال میں درست نہیں، خواہ مکتوب میں ہاتھ لگے یا نہ لگے۔ اور قرآن کے چھاپنے اور ہدیہ کرنے میں چونکہ قرآن یا اوراقِ قرآن پر ہدیہ کرنے والے اور چھاپنے والے کا ہاتھ لگے گا اس لیے اس کا چھاپنا اور ہدیہ کرنا بھی غیر مسلم کو بغیر غسل کیے جائز نہیں۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں کی مسجد میں جو حوض چھوٹا سا بنا ہوا ہے اور گھڑے وغیرہ پانی کے رکھے ہوئے ہیں اُن میں بندر اور لنگور اکثر منھ ڈال کر پانی پی جاتے ہیں دریافت طلب یہ ہے کہ اس حوض اور گھڑوں کے پانی سے وضو کرنا درست ہے یا نہیں اور اس پانی کو پیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ عالمگیری میں ہے۔ فذوالناب من سباع الوحش مثل الاسد والذئب والفہد والنمر والضبع والثعلب والسنور البری والسنجاب والسمور والدلق والدب والقرد۔ یعنی بندر اور لنگور سباع بہائم سے ہیں اور سباع بہائم کا جھوٹا پانی نجس ہے جیسا کہ تمام کتب فقہ میں ہے وسور الکلب والخنزیر وسباع البہائم نجس اس لیے بندر اور لنگور کا جھوٹا پانی نجس ہوگا۔

پس اگر بندر لوٹے یا گھڑے یا مٹکے یا چھوٹے حوض کے پانی میں منھ ڈال دے اور اس کا پانی پی لے تو ان ظروف کا پانی نجس ہو جاتا ہے۔ اس کا پانی پینا اور اس سے وضو کرنا درست نہیں، اور نہ اس وضو سے نماز درست ہوتی ہے۔

بندر یا لنگور کے جھوٹے کا قیاس بلی کے جھوٹے پر کرنا درست نہیں، اس لیے کہ بندر گھروں میں بلی کی طرح نہیں پھرتا ہے۔

مسئلہ۔ انگریزی عطر یعنی سنٹ (scent) عام طور پر اسپرٹ (spirit) ڈال کر بنایا جاتا ہے، اسی طرح رنگ بھی اسپرٹ ڈال کر بنایا جاتا ہے۔ پس سنٹ کا بیچنا اور اس کا لگانا جائز ہے یا نہیں، میز اور کرسی وغیرہا جن پر رنگ کرایا گیا ہو پاک ہیں یا نجس، اور رنگے ہوئے میز پر قرآن مجید بغیر جزدان کے رکھ کر پڑھنا درست ہے یا نہیں، ایک الماری پر کتے نے موت دیا تھا، اس کو رنگ

لیا گیا۔ آیا وہ الماری طاہر ہوگئی یا نہیں۔

جواب۔ اسپرٹ چونکہ شراب سے کشید کی جاتی ہے اس لیے وہ نجس ہے۔ پس جس چیز میں اسپرٹ اوپر سے ڈالی جائے وہ بھی نجس ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر سنٹ میں اسپرٹ اوپر سے ڈالی جاتی ہے تو سنٹ کا لگانا جائز نہیں ہے اور اگر کسی خوشبودار چیز میں اسپرٹ ڈال کر سنٹ تیار کیا جاتا ہے تو تبدیل حقیقت کی وجہ سے تیار شدہ سنٹ پاک ہو جاتا ہے اور نجس چیز کا یا اس چیز کا جس میں کسی نجس کی آمیزش ہو ان کی حقیقت اور ان کے عین اور اصل کے بدل جانے سے طاہر ہونے کا فتویٰ اکثر مشائخ نے بر قول امام محمدؒ اس وقت دیا ہے جبکہ عام طور پر ان چیزوں کا استعمال ہو اور ان سے احتراز دشوار ہو۔ پس صورت مسئولہ میں چونکہ سنٹ کے استعمال سے احتراز ممکن ہے اور عام طور پر اس میں ابتلائے مسلمین نہیں ہے لہذا اس کے طاہر ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اور رنگ سے احتراز ممکن نہیں لہذا عموم بلویٰ کی وجہ سے اس کی طہارت کا فتویٰ دیا جائے گا۔ لہذا کپڑوں میں سنٹ لگانا درست نہیں ہے وہ کپڑوں کو نجس کرے گا اس کی بیع درست ہے دیجوز بیع الدھن المتنجس اور موجودہ رنگ سے رنگی ہوئی الماری، اسٹول اور کرسی وغیرہ پاک ہوں گی، ان پر قرآن مجید وغیرہ کا رکھنا بغیر جزدان کے درست ہے، البتہ جس الماری پر کتے نے پیشاب کر دیا تھا اور اس کی طہارت نہیں کی گئی اور اس کو رنگوا لیا گیا تو اس الماری کا وہ حصہ جس پر کتے نے پیشاب کر دیا تھا نجس ہے اس کو دھو کر پاک کر لینا چاہیے۔ بغیر پاک کیے اس حصہ پر قرآن مجید وغیرہ کا رکھنا بے ادبی ہے۔

مسئلہ۔ ہماری مسجد میں ایک حوض چودہ ۱۴ ہاتھ لمبا اور سوا سات ۷¼ ہاتھ چوڑا بنا ہے اور پانی اسی حصہ میں رہتا ہے۔ اس کے چاروں طرف پانی کے اوپر ایک سلیپ (slap) بنا دی گئی ہے جس کی وجہ سے حوض کی لمبائی اوپر سے گیارہ ۱۱ ہاتھ اور چوڑائی سوا چار ۴¼ ہاتھ ہوگئی ہے۔ لوگ اس سلیپ پر بیٹھ کر سلیپ کے نیچے والے پانی سے اس طرح وضو کرتے ہیں کہ ان کے وضو کا پانی حوض کے اندر گرتا ہے۔ آیا اس حوض کا پانی جو سلیپ کے نیچے اس حوض میں ہے جس کی لمبائی چودہ ۱۴ ہاتھ اور چوڑائی سوا سات ہاتھ ہو وہ دردہ حوض والے پانی کے حکم میں ہے یا نہیں، یہ حوض پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ اور اوقات میں بھی استعمال

Marfat.com

کیا جاتا ہے تو اس حوض سے وضو کرنا درست ہو گا یا نہیں۔

کبھی پانی سلیپ کے برابر بھی آجاتا ہے اور لوگ سلیپ پر بیٹھ کر اس پانی سے وضو کرتے ہیں جو سطحِ سلیپ کے برابر ہے ایسی صورت میں اس حوض سے وضو کرنا کیسا ہے، جبکہ وضو کرنے والوں کے وضو کا پانی اسی میں گرتا ہے۔

جواب۔ عامہ مشائخ احناف ماء کثیر کی تحدید اس حوض سے کرتے ہیں جو دس ذراع مربع ہو۔ پھر علماء کا اختلاف اس امر میں ہے کہ ذراع سے مراد ذراعِ مساحت ہے جو سات قبضہ سے کم نہیں ہوتا، یا ذراع کرباس ہے جو چھ قبضہ سے کم نہیں ہوتا۔ صاحب ہدایہ نے ذراع کرباس کا اعتبار کیا ہے اور بعض علماء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ قاضی خاں نے ذراعِ مساحت کا اعتبار کیا ہے اور اسی کو صحیح لکھا ہے اور بعض علماء نے اس قول پر فتویٰ دیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحئی تحریر فرماتے ہیں کہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ قاضی خاں کی تصحیح دوسرے علماء کی تصحیح پر مقدم ہوتی ہے لہٰذا قاضی خاں کے قول پر عمل کرنا بہتر ہے۔

اگر حوض مربع ہو تو اس کے چاروں کنارے دس ذراع کے ہونے چاہئیں اور حول ما چاروں طرف سے چالیس ذراع ہونا چاہیے تاکہ کل حوض کا پانی سو ذراع ہو جائے اور اگر حوض مربع نہ ہو تو اس کل پانی کی مقدار چاروں طرف سے دہ در دہ حوض کے برابر ہونا چاہیے۔

بناءً علیہ حوض مذکور جو چودہ ہاتھ لمبا اور سوا سات ہاتھ چوڑا ہے جس کے اوپر سلیپ بنا دی گئی

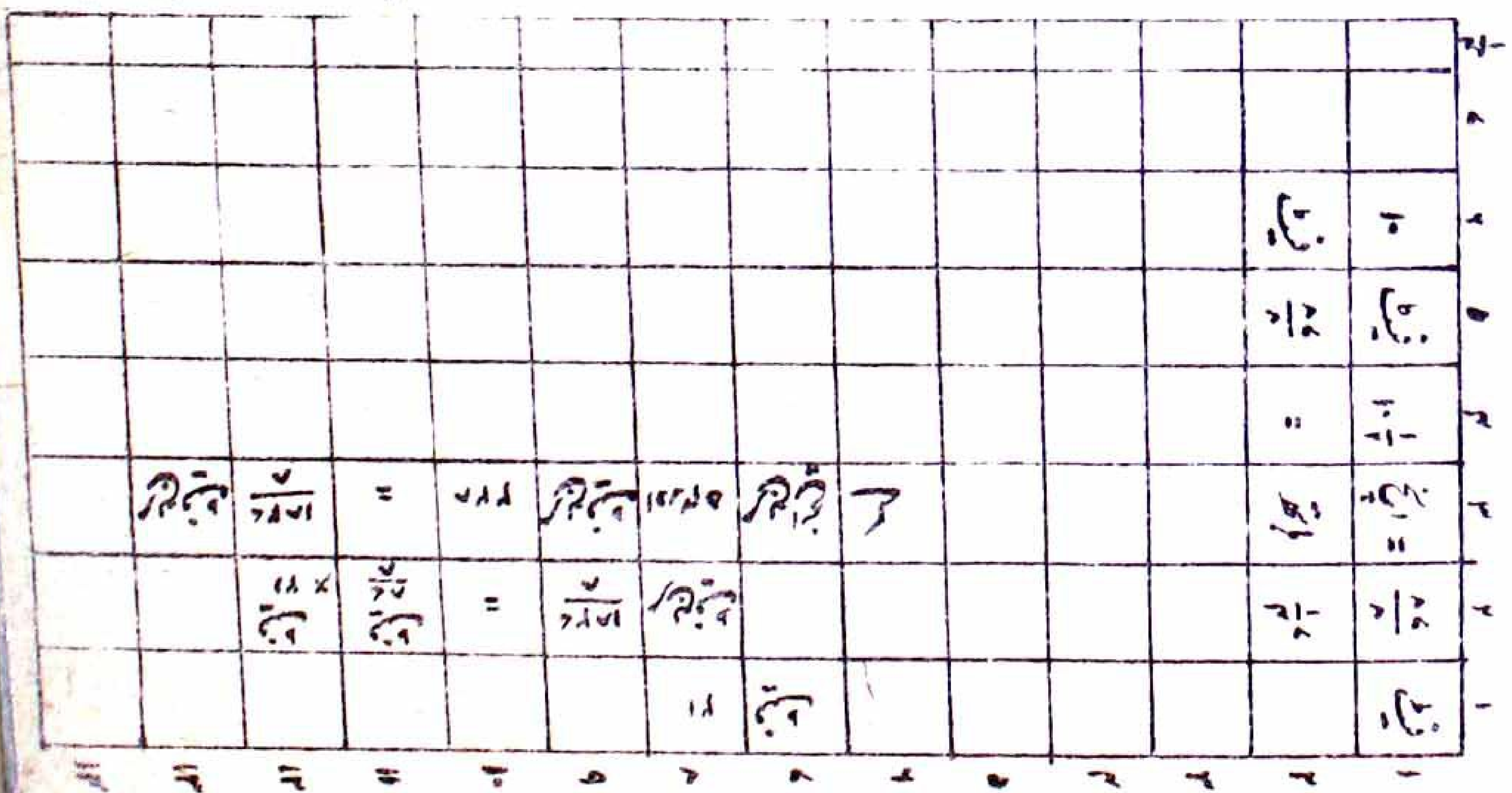

ہو۔ اور پانی سلیپ کے نیچے ہی رہتا ہے، اس کا کُل پانی چاروں طرف سے ۱۴ × ۷ ۱/۴ = ۱۴ × ۲۹/۴ = ۲۰۳/۲ = ۱۰۱ ۱/۲ ہاتھ ہوگا۔ چونکہ دو ہاتھ کا ایک گز انگریزی ہوتا ہے (جو سولہ گرہ کا ہوتا ہے) اور ایک گز انگریزی = ۳ فیٹ کے۔ لہٰذا ایک ہاتھ = ۱ ۱/۲ فیٹ کے ہوگا۔ لہٰذا اس حوض کا کل پانی ۲۲۸ ۳/۸ فیٹ مربع کے ہوا۔ اس لیے کہ ۱۰۱ ۱/۲ یعنی ۲۰۳/۲ ہاتھ × ۳/۲ × ۳/۲ = ۲۰۳/۲ × ۹/۴ = ۱۸۲۷/۸ = ۲۲۸ ۳/۸ فیٹ مربع کے۔ پس جن علماء کے مسلک پر ذراع چھ قبضہ کا ہوتا ہے جو تقریباً ۱ ۱/۲ فیٹ کے برابر ہوتا ہے اُن کے نزدیک دہ در دہ ذراع والے حوض کا کُل پانی ۲۲۵ مربع فیٹ ہونا چاہیے۔ اور اس حوض کا کل پانی ۲۲۸ ۳/۸ مربع فیٹ ہے لہٰذا یہ حوض اُن علماء کے مسلک پر دہ در دہ کے برابر ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ علماء نے تصریح کر دی ہے کہ قاضی خاں کی تصحیح دوسروں پر مقدم ہوتی ہے اور قاضی خاں ذراع مساحت کا اعتبار کرتے ہیں جو سات قبضہ سے کم نہیں ہوتا ہے جس کی مقدار علماء نے دو فیٹ کے برابر لکھی ہے، لہٰذا اس مسلک پر دہ در دہ حوض کا کل پانی ۴۰۰ مربع فیٹ ہوتا ہے اور اس حوض کا کل پانی ۲۲۸ ۳/۸ مربع فیٹ ہی ہے، لہٰذا معتمد علیہ مسلک پر یہ حوض دہ در دہ نہ ہوگا بلکہ حوض صغیر کہلائے گا۔ حوض صغیر میں اگر کوئی نجس چیز نہ پڑے تو اس میں وضو کرنا مفتی بہ قول پر درست ہے بشرطیکہ وضو کرنے والوں کے اعضائے وضو کے غسالہ کا پانی حوض کے پانی پر غالب یا مساوی نہ ہو جائے اور اگر غسالہ کا پانی حوض کے دوسرے پانی کے مساوی یا غالب ہو جائے گا تو اس حوض سے وضو درست نہیں۔ نیز حوض کے گرداگرد ایک جماعت کے وضو کرنے کی صورت میں سب غسالہ جمع کیا جائے گا اگر دوسرے پانی کے مساوی نہیں ہے تو اس حوض سے وضو کرنا درست ہے اگر مساوی ہو جائے گا تو وضو درست نہیں، اسی طرح حوض کا پانی اگر کئی بار استعمال کیا گیا تو بھی مستعمل اگر غیر مستعمل سے کم ہے تو وضو درست ہے ورنہ وضو درست نہیں۔

پس جبکہ یہ حوض معتمد علیہ مسلک پر دہ در دہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ حوض صغیر ہے تو اس حوض میں وضو کے مستعمل پانی کو غیر مستعمل سے جدا کرنا بہت دشوار ہے خاص کر جبکہ حوض پنجوقتہ نماز کے وقت استعمال کیا جاتا ہے بلکہ اس سے زائد وقت میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور مستعمل پانی کو غیر مستعمل پانی کے برابر کرنا یا کم کرنا بھی کثرت استعمال کی وجہ سے دشوار ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ حوض کے گرداگرد ایک نالی بنا دی

Marfat.com

جائے کہ وضو کرنے والے حوض سے پانی لے کر اس نالی میں وضو کریں تاکہ یہ وضو اُن علمار کے نزدیک بھی صحیح ہو جائے جو وضو کے ماء مستعمل کو نجس جانتے ہیں۔

اور ۲ اگر اس حوض میں پانی سلیپ کے برابر ہو جس کی وجہ سے حوض کی لمبائی ۱۱½ ہاتھ اور چوڑائی ۷½ ہاتھ رہ جاتی ہے تو حوض کے اوپر کا حصہ جو سلیپ کی گہرائی کے بقدر ہے کسی مسلک پر بھی دہ در دہ نہیں ہے البتہ سلیپ کے نیچے کا حصہ اگرچہ صاحب ہدایہ کے مسلک پر دہ در دہ ہے اس لیے اگر کوئی نجس چیز اس حوض کے اوپر کے حصہ میں پڑ جائے تو برمذہب صاحب ہدایہ اکثر علمار کے نزدیک یہ حوض طاہر رہے گا اس لیے کہ سلیپ کے بقدر جو پانی حوض میں ہے وہ کم ہے اس پانی سے جو نیچے والے دہ در دہ حوض میں ہے۔ اور بعض علمار کے نزدیک یہ حوض نجس ہوگا۔

اور معتمد علیہ مسلک پر چونکہ سلیپ کے نیچے والا حوض ہی دہ در دہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وہ حوض صغیر ہے اس لیے اگر سلیپ کے اوپر والے حصہ میں کوئی نجس چیز پڑ جائے تو کُل حوض نجس ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ کیا اُن کپڑوں سے نماز پڑھنا درست ہے جن پر ایسے جانوروں کی بیٹ پڑی ہو جن کی بیٹ نجاستِ خفیفہ میں داخل ہے۔

جواب۔ جن جانوروں کی بیٹ نجاستِ خفیفہ میں داخل ہے اگر اُن کی بیٹ نمازی کے کپڑے پر ہو تو بدون طہارت اس کپڑے سے نماز درست نہیں ہے۔

مسئلہ۔ اگر چھپکلی کنوئیں میں گر کر مر جائے تو کنواں نجس ہوتا ہے یا نہیں، اور اگر ریزہ ریزہ ہو کر اس کے اجزار پانی میں مل جائیں تو اس کا پانی پینا چاہیے یا نہیں۔

جواب۔ اگر چھپکلی چھوٹی ہے جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے تو اس کے کنوئیں میں گر کر مر جانے سے کنواں نجس نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ چھوٹی چھپکلی کنوئیں میں گر کر پھول پھٹ گئی اور ریزہ ریزہ ہو گئی کہ اس کے اجزار پانی میں مل گئے، تو چونکہ چھپکلی کا کھانا حرام ہے اس لیے اُس کے اجزا کے منتشر اور پانی میں مخلوط ہو جانے کی وجہ سے اس کنوئیں کا پانی نہ پیا جائے۔

اور اگر چھپکلی بڑی ہے اور اس میں بہتا ہوا خون موجود ہے تو اس کے کنوئیں میں گر کر مر جانے سے

Marfat.com

کنوئیں کا پانی فاسد ہو جاتا ہے۔

پس اگر چھپکلی پھولی پھٹی نہیں تو ظاہر روایت پر اس کنوئیں سے چھپکلی نکالنے کے بعد بیس ڈول پانی نکالنا چاہیے اس کے بعد کنواں پاک ہو جائے گا۔

بَابُ البیرُ

مسئلہ۔ کنوئیں میں چھپکلی گر کر مر جائے تو کتنے ڈول نکالنا چاہیے۔

جواب۔ اگر کنوئیں میں چھپکلی گر کر مر جائے تو بیس ڈول نکال دینا چاہیے۔

مسئلہ۔ کنوئیں میں کبوتر یا طوطے کی بیٹ گر جائے تو کنواں نجس ہوتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ اگر کنوئیں میں کبوتر یا طوطے کی بیٹ گر جائے تو کنواں نجس نہیں ہوتا ہے۔

مسئلہ۔ اگر کنوئیں میں نجاست گر جائے تو کنوئیں کا کل پانی نکالنا چاہیے یا صرف دو سو ڈول سے کنواں پاک ہو جائے گا، فقہ کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ جانور پھول جائے، اس کا کیا مطلب ہے اس کی کوئی حد شریعت میں مقرر ہے یا نہیں۔

جواب۔ جب کنوئیں کا کل پانی نکالنا سخت دشوار ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر آسانی کی وجہ سے بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ کنوئیں میں جتنا پانی پانی نکالنے کے وقت موجود ہو وہ سب نکالا جائے اور اس کا معلوم ہونا کہ وہ سب پانی نکل گیا دو مسلمانوں کی شہادت پر موقوف ہے جن کو کنوئیں میں مہارت حاصل ہو، پس اگر کنوئیں میں مہارت رکھنے والے دو مسلمان یہ بتا دیں کہ پانی نکالتے وقت جتنا پانی کنوئیں میں موجود تھا وہ سب نکل گیا اب یہ پانی نیا ہے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ یہی مسئلہ متون کا ہے۔ یہ امر جان لینا چاہیے کہ اگر کنوئیں کا کل پانی بغیر زحمت اور دشواری کے نکالا جا سکتا ہے تو بالاتفاق کنوئیں کا کل پانی نکالنا چاہیے۔ لیکن اگر کنوئیں کا کل پانی نکالنے میں سخت زحمت ہے مثلاً کنوئیں کا سوتا اس تیزی سے جاری ہے کہ عرصۂ قلیل میں کنوئیں میں اتنا ہی پانی آ جاتا ہے جتنا نکالا جا چکا ہے یعنی اس کا پانی ٹوٹتا ہی نہیں تو اس وقت علماء کے فتوے مختلف ہو گئے ہیں۔ بعض نے امام محمد کے مسلک کو آسانی کی وجہ سے اختیار کیا ہے

Marfat.com

اور بعض نے متون کے مسئلہ پر فتویٰ دیا ہے۔

جانور کے پھول جانے کا مطلب یہ ہو کہ اس کا پیٹ اور دیگر اعضا متورم ہو جائیں دیکھنے والے کو پھولے ہوئے معلوم ہوں اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

مسئلہ۔ تانبے چینی، چینی اور شیشے کے برتن اگر نجس ہو جائیں تو اُن کو کس طرح پاک کیا جائے۔

جواب۔ تانبے چینی، چینی اور شیشے کے برتن اُن برتنوں میں ہیں کہ اگر ان میں کوئی تر رنگیلی، چیز رکھی جائے تو اس چیز کی تری کو یہ برتن اپنے میں جذب نہیں کرتے (یعنی یہ برتن اس چیز کی تری کو سوکتے نہیں ہیں) پس اگر برتن ناپاک ہو جائیں تو ان کی ناپاکی یا تو ایسی نجاست سے ہوگی جو دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً برتن میں غلیظ لگ گیا یا خون بھر گیا تو اس کے پاک کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اس نجاست اور اس کے اثر کو اس برتن سے دور کر دیا جائے خواہ ایک مرتبہ دھونے سے اُس نجاست کا جرم (دل) اور اس کا اثر یعنی زنگ و بو دور ہو جائے، یا ایک مرتبہ سے زائد دھونا پڑے یا ان برتنوں کی ناپاکی ایسی ناپاک چیزوں سے ہو جو خشک ہو جانے پر دکھائی نہیں دیتی ہیں جیسے بے رنگ پیشاب تو ایسے برتن کے پاک کرنے کا طریقہ اس شخص کے لیے جس کو وسوسہ اور شک ہر بات میں نہیں پڑتا یہ ہے کہ اس برتن کو اتنا دھوئے کہ اس کو برتن کے پاک ہو جانے کا یقین یا ظن غالب ہو جائے ایسے شخص کے لیے برتن کے دھونے کی کوئی تعداد نہیں ہے۔ پس اگر اس شخص کو ایک مرتبہ برتن کے دھونے سے یقین یا ظن غالب حاصل ہو گیا برتن کے پاک ہو جانے کا تو ایک ہی مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہو جائے گا۔

اور چونکہ برتن کے پاک ہونے کا ظن غالب عام طور پر تین مرتبہ دھونے سے حاصل ہوتا ہے۔ لہذا بعض علماء نے تین مرتبہ دھونے کی قید لگائی ہے اور اُن کے نزدیک اس برتن کی پاکی تین مرتبہ دھونے سے ہوتی ہے لہذا احتیاط یہ ہے کہ اس کو تین مرتبہ دھوئے۔

اور جس شخص کو ہر بات میں وسوسہ اور شک ہوتا ہو اُس کو ایسے برتن کے پاک کرنے کے لیے برتن کو تین مرتبہ یا سات مرتبہ دھونا چاہیے۔

اور چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے ناپاک برتن کو ایک مرتبہ مٹی سے مانجنا بھی ضروری ہے لہذا ہمارے علماء تحریر فرماتے ہیں کہ اگر برتن میں ایسی نجاست لگ جائے جو خشک ہونے پر دکھائی نہ دے، جیسے بے رنگ

Marfat.com

پیشاب یا کتے کا بھیگا ہوا جسم یا زبان تو برتن کو کم از کم تین مرتبہ دھونا چاہیے اور ایک مرتبہ مٹی سے مانج لینا مستحب ہے۔

پس صورت مسئولہ میں اگر تانبے، چینی اور شیشے کے برتن ایسی نجاستوں سے ناپاک ہو جائیں جو خشک ہونے پر دکھائی دیتی ہیں جیسے غلیظ اور خون وغیرہا تو ان کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان برتنوں کو اس طرح دھوئے کہ وہ نجاست برتن سے دور ہو جائے اور اس نجاست کا رنگ اور اس کی بو اس برتن میں باقی نہ رہے، خواہ یہ چیزیں ایک مرتبہ دھونے سے دور ہو جائیں یا تین مرتبہ سے زائد دھونا پڑے۔ صابون یا مٹی وغیرہ سے دھونے کی ضرورت نہیں۔

اور اگر یہ برتن ایسی نجاستوں سے ناپاک ہو جائیں جو خشک ہو جانے پر دکھائی نہیں دیتی ہیں جیسے بے رنگ پیشاب، کتے کا لعاب دہن، تو ان برتنوں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو تین مرتبہ پانی سے اچھی طرح دھوئیں اور ایک مرتبہ مٹی سے مانج کر صاف کرلیں خواہ پیلی مٹی ہو یا راکھ وغیرہ ہو۔ چینی یا تانبے چینی کا برتن ان برتنوں سے ہے جو نجاست کی تری کو سوکتا نہیں ہے خواہ اس کی چینی اکھڑ جائے یا ثابت ہو۔ اور ان برتنوں کے پاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو اوپر لکھا جا چکا۔

Marfat.com

کِتَابُ الصَّلوٰۃ

بَابُ المَسْجِدِ

مسئلہ۔ [1]مسجد میں یا اُس کی چھت پر پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا۔ [2]مسجد میں ناپاک عورتوں کا جانا یا نجاست لے جانا۔ [3]مسجد کو گزرگاہ یا راستہ بنا لینا، [4]مسجد میں نجس تیل جلانا، [5]مسجد کی کہگل نجس مٹی سے کرنا یا ایسی چیز سے جس میں کوئی نجس چیز ڈالی گئی ہو، [6]مسجد میں جوتا پہن کر جانا، [7]مسجد کے اندر کسی ظرف میں پیشاب کرنا، [8]مسجد میں بچوں اور مجانین کا لے جانا، [9]پیشہ وروں کا مسجد میں اپنا کام کرنا، [10]مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا، [11]مسجد میں تھوکنا یا ناک صاف کرنا، [12]مسجد میں بدبودار چیزیں کھانا، [13]مسجد میں کلام کرنا، [14]مسجد میں اشعار پڑھنا، [15]مسجد میں وضو کرنا، [16]مسجد میں سونا، اور کھانا، [17]مسجد کی دیواروں سے پیروں کو صاف کرنا، [18]مسجد میں کنواں کھودنا یا درخت لگانا، [19]مسجد میں گم شدہ کو پکارنا اور سوال کرنا، [20]مسجد میں گوز کرنا، [21]مسجد میں عقد مبادلہ کرنا، [22]مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا، [23]مسجد میں بدبودار چیز کھا کر داخل ہونا یا گندہ [24]دہن کا مسجد میں آنا، یا اُن [25]پیشہ وروں کا مسجد میں آنا جن کے جسم اور کپڑوں سے بساہند آتی ہو، [26]مسجد میں ایسی باتیں کرنا جن سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ [27]مسجد سے کسی کو نکالنا۔ یہ سب کیسا ہے۔

جواب۔ [1]مسجد میں یا اس کی چھت پر پیشاب پاخانہ یا وطی کرنا مکروہ تحریمی یعنی حرام ہے۔

مسجد میں جنب وحائض ونفساء کا داخل ہونا اور مسجد میں نجاست کا لے جانا جس سے مسجد کے ناپاک ہوجانے کا اندیشہ ہو مکروہ تحریمی اور حرام ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ اشباہ ونظائر کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر تلویث مسجد کا اندیشہ نہ ہو تو نجاست کا مسجد میں لے جانا جائز ہے۔ لیکن فتاوی ہندیہ کی اس عبارت سے لا یدخل المسجد من علی بدنہ نجاسۃ اس کی بھی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

مسجد کو بلا عذر گزرگاہ اور راستہ بنالینا مکروہ تحریمی ہے اور بعذر جائز ہے۔ اگر عذر کی وجہ سے مسجد کو راستہ بنالیا جائے تو ہر دن ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھ لینا کافی ہے۔

مسجد میں نجس تیل کا جلانا درست نہیں۔

مسجد کی کہگل ایسی مٹی سے کرنا جس میں کوئی نجس چیز پڑ گئی ہو یا ڈال دی گئی ہو مکروہ ہے۔ البتہ مضبوطی کے لیے گوبر ملا لیا جائے تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ اگر مٹی میں بغیر گوبر ملائے ضرورت دور ہوجائے اور کسی دوسرے طریقہ سے مضبوطی حاصل ہوجائے تو گوبر والی مٹی مسجد میں نہ لیپی جائے۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت جوتے اتار لینا چاہیے۔ بعض علماء نے مسجد میں جوتا پہن کر چلنے کو بے ادبی لکھا ہے۔

مسجد کے اندر کسی ظرف میں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح فصد لینا بھی مکروہ تحریمی اور حرام ہے۔

مسجد میں چھوٹے بچوں اور مجانین کو لے جانا مکروہ تحریمی ہے اگر ان سے مسجد کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو اور اگر مسجد کے ناپاک ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے۔

مسجد میں پیشہ وروں کا بیٹھ کر اپنے اپنے پیشہ کا کام کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن جو شخص مسجد کی حفاظت کے لیے مسجد میں بیٹھتا ہو وہ اپنے پیشہ کا کام مسجد میں کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے کام سے مسجد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچے۔

اسی طرح مسجد میں بیٹھ کر کتابت کرنا یا تعلیم دینا اگر بلا اجرت ہو تو جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

مسجد میں تھوکنا یا ناک صاف کرنا یا اس کی دیواروں پر تھوکنا مکروہ تحریمی ہے۔

مسجد[11] میں ایسی چیزیں کھانا جن میں بدبو ہو مثلاً کچا لہسن یا پیاز مکروہ تحریمی ہے اور جب کھانے کی چیز میں ایسی بدبو نہ ہو اس کا کھانا غیر مسافر اور غیر معتکف کے لیے مکروہ تنزیہی ہے۔

جس شخص کی باتوں سے نمازیوں کو رنج و تکلیف پہونچے اس کا مسجد میں آنا بھی مکروہ ہے۔

مسجد[12] میں زور زور باتیں کرنے میں تفصیلی جواب کی ضرورت ہے۔ اگر مسجد میں ایسی باتیں کی جائیں جن کا کرنا جائز نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے، اور جن دنیاوی باتوں کا کرنا مباح ہو ان کی دو صورتیں ہیں۔ اگر صرف دنیاوی باتوں کے لیے مسجد میں نشست اختیار کی گئی ہے تو ان باتوں کا مسجد میں کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر صرف دنیاوی باتوں کے لیے مسجد میں نہیں بیٹھا گیا ہے بلکہ مسجد میں کسی عبادت کے لیے لوگ جمع ہوئے تھے اور وہ آپس میں دنیاوی جائز باتیں کرنے لگے تو اگر اُن کی باتوں سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل نہیں ہوتا ہے تو ایسی باتیں جائز ہیں اور اگر دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل ہوتا ہے تو مکروہ ہیں۔

مسجد[14] میں ایسے اشعار پڑھنا جن میں عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف ہو یا ان میں کسی مسلمان کی ہجو کی جائے مکروہ ہے اور ایسے اشعار پڑھنا جن میں تاریخی واقعات نظم کیے گئے ہوں مباح ہیں اور جن اشعار میں وعظ و نصیحت کی باتیں ذکر کی جائیں یا ان میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک ہو اُن کا پڑھنا مستحسن ہے۔

مسجد[15] میں وضو کرنا یا مسجد میں کُلّی کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر مسجد میں کوئی ایسی جگہ بنا دی گئی ہو جس پر لوگ نماز نہیں پڑھتے اور واقف نے اس کو وضو کرنے کے لیے بنا دیا ہو تو وہاں وضو کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح غیر معتکف کو مسجد کے اندر کسی ظرف میں وضو کرنا بھی مکروہ ہے، اور معتکف کے لیے جائز ہے بشرطیکہ اس کے غسالہ سے مسجد خراب نہ ہو۔

مسافر[16] اور معتکف کے علاوہ دوسروں کو مسجد میں کھانا کھانا اور سونا مکروہ ہے۔

مسجد کی دیواروں یا کھمبوں میں پاؤں کی مٹی یا کیچڑ وغیرہ پونچھنا کہ پاؤں صاف ہو جائے مکروہ ہے۔

مسجد میں کنواں کھودنا یا درخت لگانا جائز نہیں، لیکن اگر ان سے مسجد کا نفع ہو یا نمازیوں کو نفع پہونچے تو جائز ہے۔

Marfat.com

مسجد[۲۰] میں گم شدہ کو پکارنا مکروہ ہے۔

مسجد میں سوال کرنا (خیرات مانگنا) مکروہ تحریمی ہے اور سائل کو دینا خلاف اولیٰ ہے۔ یہی حکم عام طور سے کتب احناف میں لکھا ہوا ہے لیکن صاحب بہر لکھتے ہیں کہ اگر نمازیوں کے سامنے مانگتا نہ پھرے اور صفوف نہ پھاندے اور سوال کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو تو سائل کا مسجد میں سوال کرنا اور ایسے سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔

مسجد[۲۱] میں گوز کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک کوئی حرج نہیں اور بعض کے نزدیک جب اس کی ضرورت ہو تو مسجد کے باہر چلا جانا چاہیے۔

مسجد[۲۲] میں عقد مبادلہ مثل بیع و اجارہ وغیرہ کے کرنا مکروہ ہے البتہ معتکف اپنے اور اپنے بال بچے کی ضرورت کے لیے مسجد میں خرید و فروخت کر سکتا ہے۔

مسجد[۲۳] میں بلا عذر نماز جنازہ پڑھنا عامۂ مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے اور بارش کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں بعض علماء کے نزدیک اگر میت اور امام اور بعض مقتدی مسجد کے باہر ہوں اور بقیہ لوگ مسجد کے اندر ہوں تو اس طریقہ سے نماز جنازہ کی صفوف مسجد میں قائم کرنا مکروہ نہیں لیکن بعض علماء اس طریقہ کو بھی مکروہ لکھتے ہیں۔

مسجد[۲۴] میں لہسن، پیاز یا ان کی ایسی دوسری بدبودار چیزیں کھا کر آنا مکروہ ہے۔

اسی[۲۴] طرح گندہ دہن جس کے منھ سے بدبو آتی ہو اس کو بھی مسجد میں آنا مکروہ ہے۔ اسی طرح جن اشخاص کے زخم سے بدبو آتی ہو کہ اس کی بدبو سے جماعت والوں کو تکلیف ہوتی ہو ان کا بھی مسجد میں آنا مکروہ ہے۔

اور[۲۵] جن قصائیوں اور مچھیروں کے پاس سے ایسی بدبو آتی ہو کہ دوسروں کو اس سے تکلیف ہو ان کا بھی مسجد میں آنا مکروہ ہے اور مجذوم و مبروص کا بھی مسجد میں آنا مکروہ ہے۔

اور[۲۶] جس انسان کی زبان درازی سے مسجد میں دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہو اس کا بھی مسجد میں آنا مکروہ ہے۔

کسی[۲۷] شخص کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکے بلکہ دنیوی جھگڑے کی وجہ اگر کسی کو مسجد میں آنے یا نماز پڑھنے سے روکے گا تو سخت گناہگار ہوگا۔

Marfat.com

مسئلہ۔ مسجد سے متصل جو آراضی پڑی ہے اُس پر عیدین وغیرہ میں جماعت کثیر ہونے کی وجہ سے نمازی نماز پڑھ لیتے ہیں اس آراضی پر مسجد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں اور اس آراضی کی حرمت مسجد کی طرح کی جائے گی یا نہیں۔

اگر کسی شخص نے فجر کی سُنتیں نہیں پڑھیں تو نماز فجر کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے وہ ان سُنتوں کو پڑھ سکتا ہے یا نہیں، میں نے ایک شخص کو جو اس طرح سنتیں پڑھتا تھا حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب کا فتوے جس میں اس کی ممانعت ہے دکھایا اس نے دیکھ کر یہ جواب دیا کہ یہ لغو ہے۔ آپ سے اصل مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔

جواب۔ مسجد سے مراد وہ مکان ہے جو بانیٔ مسجد نے نماز پڑھنے کے لیے بنایا ہو۔ پس مسجد مذکور کے وہ تمام حصے جن کو بانیٔ مسجد نے نماز پڑھنے کے لیے بنایا ہے مسجد کہلائیں گے اور جو آراضی ان حصوں سے متصل ہو گی فنا مسجد کہلائے گی لہذا جن حصوں کو بانیٔ مسجد نے نماز پڑھنے کے لیے بنا دیا تھا اُن میں جنب و حائض کا جانا درست نہیں، اور جن حصوں کو بانیٔ مسجد نے نماز پڑھنے کے لیے نہیں بنایا ہے خواہ اُن میں مصالحِ مسجد کے لیے کوئی چیز بنی ہو یا نہ بنی ہو مسجد سے متصل ہونے کی وجہ سے فنا مسجد کہلائیں گے اور اُن میں جُنب و حائضہ عورتیں جا سکتی ہیں اگرچہ اس فنا مسجد میں عیدین کے موقع پر جماعت کثیر کی وجہ سے صفیں قائم کر لی جائیں۔

البتہ اگر بانیٔ مسجد کی اولاد یا مسجد والوں نے بانی یا اس کی اولاد کی اجازت سے فنا مسجد کے کسی حصہ کو مسجد میں داخل کر لیا یعنی اُس حصہ کو بھی مسجد کے حصوں کی طرح نماز پڑھنے کے لیے بنا دیا تو وہ حصہ فنا مسجد کا اس وقت مسجد میں شامل ہو جائے گا اور اس حصہ میں بھی جنب و حائضہ کا جانا ممنوع ہوگا۔ اس جواب سے مسجد اور اس سے متصل جو زمین مصالحِ مسجد کے لیے وقف ہو اس کا فرق معلوم ہو گیا۔

نماز فجر کے بعد طلوعِ آفتاب کے پہلے نوافل و سنن پڑھنے کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں متعارض ہیں بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے جس کے قائل شوافع ہیں اور بعض سے کراہت جس کے قائل احناف ہیں۔ پس احناف کے نزدیک صورتِ مسئولہ میں نماز فجر کے بعد طلوعِ شمس کے پہلے سنت فجر پڑھنا مکروہ ہے بکراہتِ تحریم اور پڑھنے والا گنہگار ہے۔ لہذا اس حنفی کو جو اجتہادِ مسائل کی قدرت نہیں رکھتا ہے

اس طرح سنت فجر پڑھنا مکروہ ہے، اگر وہ بعد فرض فجر قبل طلوع آفتاب سنتِ فجر پڑھے گا گنہگار ہوگا۔

حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ فرنگی محلی نے جو جوابات اس مسئلے کے میرے علم میں لکھے ہیں ان میں محاکمہ کرتے ہوئے ائمہ احناف کا مسلک واضح طور سے تحریر فرمادیا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ احناف کے نزدیک اس طور سے سنتِ فجر پڑھنا ممنوع اور مکروہ ہے۔ جو صاحب حضرت مولانا کی اس تحریر کی طرف لغو کی نسبت کرتے ہیں وہ علم سے بے بہرہ ہیں۔

مسئلہ۔ اگر جماعت ہورہی ہو تو جماعت میں داخل ہونے کے لیے کوئی شخص نمازیوں کے آگے سے گزر کر جماعت میں شریک ہوجائے تو اس پر کوئی گناہ تو نہیں ہوگا۔

جواب۔ صورتِ مسئولہ میں اگر صف میں داخل ہونے اور نماز میں شریک ہونے کے لیے نمازیوں کی صف کے سامنے سے گزرا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ۔ مسجد کی چھت پر گرمی کے موسم میں جماعت قائم کرنا درست ہے یا نہیں۔

مسجد قدیم کی چھت پر جانے کے لیے زینہ بنانا درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ بعض علماء نے مسجد کی چھت پر چڑھنے اور نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے چنانچہ علامہ شامی نے قہستانی سے نقل کیا ہے ثم رأیت القہستانی نقل عن المفید کراھۃ الصعود علی سطح المسجد اور عالمگیری میں ہے الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ کذا فی الغرائب انتہی، لیکن میں نے اپنے اساتذہ اور اکابر علماء کو دیکھا ہے کہ انھوں نے بزمانہ موسم گرما ماہ رمضان المبارک میں نماز عشاء مع تراویح و وتر مسجد کی چھت پر پڑھی، اور اپنے اساتذہ سے یہ بھی سنا کہ ان کے اکابر بھی موسم گرما میں بماہ رمضان المبارک نماز عشاء مع تراویح و وتر مسجد کی چھت پر پڑھتے تھے۔ ان حضرات کے فعل کی تائید علامہ شامی کے اس قول سے ہوتی ہے اما الوطی فوقہ بالقدم فغیر مکروہ یعنی مسجد کے بالائی حصہ پر چلنا مکروہ نہیں ہے اور علامہ شامی نے قہستانی کی عبارت مذکورہ بالا پر جو اعتراض کیا ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نماز مسجد کی چھت پر مکروہ نہیں ہے۔ شامی کی پوری عبارت یہ ہے اما الوطی فوقہ بالقدم فغیر مکروہ الا فی الکعبۃ

Marfat.com

لغیر عذر لقولھم بکراھۃ الصلوٰۃ فوقھا ثم رایت القھستانی نقل عن المفید کراھۃ الصعود علی سطح المسجد الخ ویلزمہ کراھۃ الصلوٰۃ ایضاً فوقہ فلیتامل اور البحر الرائق کی عبارت لان سطح المسجد لہ حکم المسجد حتی یصح الاقتداء منہ بمن تحتہ سے یہ معلوم ہوا کہ سطح مسجد حکم میں مسجد کے ہے حتیٰ کہ جو اشخاص مسجد کے بالائی حصہ پر اُس امام کی اقتدا کریں جو مسجد کے نیچے مسجد کے اندر امامت کر رہا ہے تو ان کی اقتدا درست ہے اور اُن کی نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ پس اگر امام کی اقتدا مسجد کے بالائی حصہ پر کی جائے تو بھی نماز مکروہ نہ ہوگی اور اقتدا درست ہوگی۔ فلہٰذا صورت مسئولہ میں اگر گرمی کی شدت کی وجہ سے مسجد کے بالائی حصہ پر جماعت قائم کی جائے تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔

۲۔ مسجد قدیم کے صحن سے چھت پر اس طرح زینہ لے جانا کہ کوئی جزو صحن مسجد کا بیکار ہو جائے اور اس پر نمازی نماز نہ پڑھ سکے (درحالیکہ قبل زینہ بننے کے اس پر نماز پڑھتے تھے) جائز نہیں ہے۔ اگر اس طور سے زینہ بنایا گیا ہے تو اس کو اس جگہ سے ہٹا دینا چاہیے۔

مسئلہ۔ بانی مسجد کا نام در مسجد پر کندہ کرنا کیسا ہے۔

جواب۔ مسجد کو کسی قبیلے یا بانی مسجد کی طرف منسوب کرنا اور اُس پر بانیٔ مسجد کا نام کندہ کرنا جائز ہے۔

بَابُ الجماعۃ

مسئلہ۔ اگر جماعت میں صرف دو شخص ہوں، ایک بالغ اور ایک نابالغ تو ان دونوں کو امام کے پیچھے کس طرح کھڑے ہونا چاہیے۔

جواب۔ اگر ایک امام کی اقتدا ایک بالغ مرد اور ایک نابالغ لڑکا کرنا چاہے تو دونوں کو امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ ان دونوں کے پیچھے کھڑے ہونے کی کیا ترتیب ہونا چاہیے اس کی صراحت میری نظر سے نہیں گزری۔ عباراتِ فقہا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغ کو امام کے محاذ میں کھڑا ہونا چاہیے۔ جیسا کہ بحر میں ہے وینبغی ان یکون بحذاء الامام من ھو افضل اور نابالغ لڑکے کو مقتدی کے داہنے ہاتھ پر کھڑا ہونا چاہیے بشرطیکہ کسی تیسرے بالغ کے جماعت میں شرکت کا ظن نہ ہو۔ اور اگر کسی بالغ کے شریک جماعت ہونے کا ظن

لہ امام کے محاذ میں اس شخص کو کھڑا ہونا چاہیے جو مقتدیوں میں افضل ہو۔

Marfat.com

ہو تو لڑکے کو بائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے جو ثواب کے لحاظ سے کمتر جگہ ہے۔ اور اگر دونوں امام کے محاذی ہوں اس طور سے کہ نصف حصہ امام کی پشت کا بالغ کے حصۂ جسم کے محاذی ہو اور نصف حصہ نابالغ کے حصۂ جسم کے محاذی ہو اور بالغ کے محاذات امام کے داہنے ہاتھ کی طرف سے ہو اور نابالغ کے بائیں ہاتھ کی طرف سے ہو تو بھی جائز ہے۔ اور اسی طریقہ پر میں نے اکابر علمائے فرنگی محل کا عمل دیکھا ہے۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص جماعت میں امام کے ساتھ اس وقت شریک ہوا کہ امام نے پہلے سلام میں صرف لفظ "السّلام" کہا تھا اور "علیکم ورحمۃ اللہ" نہیں کہا تھا تو اس کی اقتدا صحیح ہوگی یا نہیں۔

جواب۔ وتنقضی[1] قدوۃ بالاول قبل "علیکم" علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ خلافاً لتکملۃ (درمختار) بالاول[2] ای بالسلام الاول قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلاتہ فلما قال "السّلام" جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول "علیکم" لایصیر داخلا فی صلاتہ لان ھذا سلام (شامی) ای فلا یصح الاقتداء بہ بعدھا لانقضاء حکم الصلاۃ۔ (شامی)

پس صورت مسئولہ میں جب مقتدی امام کے قعدۂ اخیرہ میں اس وقت شریک ہوا کہ امام نے صرف "السلام" کہا تھا اور "علیکم" نہیں کہا تھا تو اس کی اقتدا درست نہیں ہوئی اس کو علیحدہ نماز پڑھنا چاہیے اسلیے کہ لفظ "السّلام" کہنے سے امام کی نماز ختم ہوگئی اور اس کے بعد اقتدا کرنا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ۔ اگر ایک نابالغ لڑکا ہو تو وہ صف بالغین میں کھڑا ہو یا صف کے پیچھے، اور صف میں اسکو داہنی طرف کھڑا ہونا چاہیے یا بائیں طرف۔

جواب۔ اگر ایک ہی لڑکا ہے تو اسے بالغین کی جماعت میں مل کر کھڑا ہونا چاہیے منفرد صف بالغین سے علیحدہ نہ کھڑے ہونا چاہیے۔ اور اگر چند لڑکے ہوں تو ان کو بالغین کی صف کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ اور چونکہ آثار و اخبار اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی رحمت جماعت سے نماز پڑھنے والوں پر نازل فرماتا ہے تو پہلے امام پر نازل کرتا ہو پھر اس شخص پر جو صف اول میں امام کے محاذی ہو، پھر صف اول میں امام کے داہنی طرف کھڑے ہونے والوں پر، پھر بائیں طرف کھڑے ہونے والوں پر لہٰذا جب صف اول میں بائیں طرف کا حصہ نزول رحمت کے اعتبار سے کمتر ہے اور نابالغ بالغین کے اعتبار سے احکام شرعیہ

[1] ہمارے یعنی احناف کا مشہور مسلک اور شافعیوں کا مسلک یہ ہو کہ پہلے سلام پر اقتدا ختم ہو جاتی ہو یعنی پہلی بار السلام علیکم و رحمۃ اللہ میں علیکم سے پہلے جو "السلام" کہا ہے [illegible] خلاف لکھا ہو۔

[2] [illegible] کا اور قبل [illegible] کو علیکم [illegible] شخص آیا اور جماعت میں شریک ہو گیا تو اسے جماعت میں شریک نہیں [illegible] جائے گا اسلیے کہ [illegible] سلام ہو گیا یعنی [illegible] کے وقت [illegible] ہونے کا حکم [illegible] دیا جائے گا نماز کے ختم ہو جانے کی وجہ سے (شامی)

Marfat.com

کی تکلیف میں کمتر ہے تو نابالغ کو بائیں طرف کھڑے ہونا چاہیے۔ نابالغ کو صف کی داہنی طرف کھڑے ہونے میں کراہت نظر سے نہیں گزری۔ لیکن ہمارے اکابر نابالغ کے داہنی طرف کھڑے ہونے کو بُرا جانتے تھے، اور نہ ماننے پر زجر کرتے تھے۔

مسئلہ۔ امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا کیسا ہے۔

جواب۔ محراب کے اندر امام کے کھڑے ہونے کو امام محمدؒ نے جامع صغیر میں مکروہ لکھا ہے مگر وجہ کراہت بیان نہیں فرمائی ہے اس لیے سبب کراہت میں علماء کا اختلاف ہو گیا ہے۔ شمس الائمہ حلوائی کے نزدیک امام کے لیے مخصوص جگہ مقرر کر کے امام کو ممتاز کرنے اور امام کے لیے محراب بنانے میں اہل کتاب سے مشابہت ہونا وجہ کراہت ہے۔ پس جب امام محراب میں کھڑا ہوگا تو اس کے لیے اہل کتاب کے پیشواؤں کی طرح ایک مکان مخصوص ہوگا اور اہل کتاب کے ساتھ تشبہ مکروہ ہے۔ لہٰذا اس طریقہ پر امام کا کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

پس اس علت کی وجہ سے امام کا محراب میں کھڑا ہونا ہر حالت میں مکروہ ہے۔ اور فقیہ ابو جعفر کے نزدیک کراہت کی وجہ یہ ہے کہ محراب میں امام کے کھڑے ہونے کی وجہ سے امام کی حالت ان لوگوں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے جو امام کے دائیں یا بائیں پر ہوں، پس اگر محراب اتنی کشادہ ہو کہ اگر امام اس میں کھڑا ہو تو امام کا حال دائیں اور بائیں مقتدیوں پر مخفی نہ ہو جائے تو کراہت نہیں پائی جائے گی۔ جیسا کہ کفایہ میں ہے۔

پس اگر شمس الائمہ حلوائی کی علت کراہت کا لحاظ کیا جائے تو محراب میں امام کا کھڑا ہونا مطلقاً مکروہ ہے خواہ امام کا حال مخفی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر فقیہ ابو جعفر کی علت کراہت کا لحاظ کیا جائے تو اگر محراب میں کھڑے ہونے کی وجہ سے امام کا حال امام کے داہنے اور بائیں طرف والے مقتدیوں پر پوشیدہ ہو جاتا ہے تو امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہوگا، اور اگر محراب میں کھڑے ہونے کی وجہ سے امام کا حال اُن مقتدیوں پر جو امام کے دائیں یا بائیں طرف ہوں پوشیدہ نہ ہو تو امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے تصریح کر دی ہے، اور شمس الائمہ حلوائی کی علت کراہت کو پسند کیا ہے۔ اور چونکہ یہ علت کراہت مسئلہ ظاہر الروایہ کے مناسب ہے اس لیے اکثر علماء نے اسی کا لحاظ کر کے محراب کے اندر امام کے کھڑے ہونے کو مطلقاً مکروہ

لکھا ہے، خواہ امام کا حال مخفی ہو یا نہ ہو۔ لیکن صاحب فتح القدیر نے اس علت کو پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس علت پر منع وارد کی ہے کہ امام کے لیے مکان کا مخصوص کر کے امتیاز دلانا شریعت میں مکروہ نہیں ہے بلکہ صاحب شریعت نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام کو وسط صف کے آگے جو جگہ ہو اس جگہ پر کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر امام صف اول کے وسط صف کے مقابل جو جگہ آگے ہے اس کو چھوڑ کر محاذی وسط صف کے داہنے یا بائیں انحراف کرے گا تو مکروہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ شریعت میں امام کے لیے ایک جگہ معین ہوتی ہے یعنی صف اول کے آگے محاذی وسط صف اول پس اگر محراب سے امام کے لیے ایک جگہ مخصوص ہو جائے تو اس چیز کے خلاف نہیں ہو گا جو شریعت سے ثابت ہے۔ نیز امام کا ممتاز ہونا مقتدیوں سے بھی شریعت سے ثابت ہو۔ اس لیے کہ اگر جماعت موجود ہو تو امام کا جماعت کے آگے کھڑا ہونا واجب ہے۔ اس آگے کھڑے ہونے سے امام کو مقتدیوں سے امتیاز ہو جایا کرتا ہے۔ پس امام کا ممتاز ہونا بھی مکروہ نہ ہو گا۔ رہی مشابہت اہل کتاب کے ساتھ تو یہ بھی مطلقاً مکروہ نہیں ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ہماری اور ان کی مشترک ہیں۔ نیز اہل کتاب اپنے پیشواؤں کے لیے ایک بلند جگہ بنوایا کرتے ہیں اور امام کی محراب مساجد میں سطح مسجد کے برابر ہوتی ہے، لہٰذا اس محراب کو عیسائیوں کی محراب سے مشابہت نہیں ہو گی نیز امام کے کھڑے ہونے کے لیے مسجد میں مخصوص جگہ ہونا بھی مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت تک مساجد میں امام کے لیے محرابیں بنائی جاتی ہیں جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

اور صاحب بحر کے نزدیک علت کراہت وہی ہے جو شمس الائمہ حلوائی نے لکھی ہے لہٰذا انھوں نے صاحب فتح القدیر کی اس طرح تردید کی ہے کہ امتیاز امام اگرچہ شرعاً مطلوب ہے لیکن امام کے آگے کھڑے ہونے سے وہ امتیاز حاصل ہو جاتا ہے اس لیے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے لیے ایک مکان بھی مخصوص کیا جائے کہ اس مکان کی وجہ سے اس کو امتیاز حاصل ہو جبکہ مخصوص مکان میں امام کے لیے تشبہ اہل کتاب سے بھی پایا جاتا ہے۔ پس جبکہ امام کا امتیاز بغیر تشبہ اہل کتاب ممکن ہے تو ایسے امتیاز کی حاجت نہیں ہو گی جس سے بلا ضرورت تشبہ اہل کتاب کے ساتھ ہو جائے۔ البتہ اگر مسجد کی تنگی کی وجہ سے امام کو محراب میں کھڑا ہونا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً اعیاد اور جمعہ میں جماعت کثیرہ کی وجہ سے مسجد جماعت والوں کے لیے تنگ ہو تو امام کو محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ ولوالجی نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کر دی ہے۔

Marfat.com

میری ناقص رائے میں منع مذکور سے صاحب فتح القدیر کی تردید نہیں ہوتی اس لیے کہ جس طرح تقدم امام کی وجہ سے امتیاز امام شرعاً مطلوب ہے اسی طرح شرع میں امام کے لیے مکان کے لحاظ سے بھی امتیاز مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مسجد میں محراب موجود نہ ہو تو امام کو وسط صف اول کے محاذی کھڑا ہونا مسنون ہے اور اگر وہ محاذات وسط سے انحراف کرے گا تو مکروہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ امام کے لیے مخصوص مکان کا ہونا بھی شرعاً مطلوب ہے۔ نیز اس بات کا جواب بھی صاحب بحر نے نہیں دیا ہے کہ نصاریٰ کی محرابیں سطح ارض سے بلند ہوا کرتی ہیں اور مسجد کی محرابیں سطح مسجد کے برابر ہوتی ہیں۔ لہذا مسجدوں کی محرابوں میں امام کے کھڑے ہونے سے نصاریٰ کی محرابوں کے ساتھ مشابہت نہیں ہوگی۔

بہرحال ظاہر الروایۃ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تنہا امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے، اور اگر امام کے قدم محراب کے باہر ہوں اور سجدہ محراب میں ہو تو مکروہ نہیں ہے اور محراب کے اندر کھڑے ہونے کی کراہت چونکہ منصوص نہیں ہے بلکہ معلل بعلت ہے لہذا مکروہ تنزیہی ہوگی۔

پس امام کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ اپنے قدم محراب سے باہر رکھے اور سجدہ محراب میں کرے تاکہ مقتدیوں میں سے وہ لوگ جو تنہا امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک بھی امام کی نماز کراہت سے خالی ہو جائے۔

بَابُ الْاِمَامَۃ

مسئلہ۔ ہماری مسجد میں زید امامت کرتا ہے جو حد سے زائد جھوٹ بولتا ہے اور کئی مرتبہ جھوٹی شہادت بھی دے چکا ہے دریافت طلب یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور اس کی اقتدا میں دوسروں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ مولانا بحر العلوم فرنگی محلی رسائل الارکان میں تحریر فرماتے ہیں۔ ویکرہ امامۃ الفاسق بعد الاعتماد علی الاتیان لشروط الصلوٰۃ علی وجہ الاحتیاط ثم الکراھۃ انما ھی اذا وجد امام تقی وتقدم علیہ الفاسق واما اذا لم یجد فلا کراھۃ وان صلی خلف الفاسق

لہ فاسق کی امامت اس اعتماد کے بعد کہ وہ شرائط نماز کو پورا کرتا ہو از روئے احتیاط مکروہ ہو۔ لیکن یہ کراہت اس وقت تک ہو جب تک غیر فاسق امام موجود ہو اور اس کے بجائے فاسق امامت کے لیے بڑھ گیا ہو اگر امام غیر فاسق موجود نہیں ہو تو فاسق کی امامت میں کوئی کراہت نہیں ہو۔ پس اگر فاسق یا مبتدع کے پیچھے نماز پڑھی تو جائز ہوگا اور جماعت کا ثواب ملے گا ہاں پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو ثواب ہو وہ نہیں ملے گا جیسا کہ فتح القدیر نے محیط سے نقل کیا ہے۔

المبتدع جاز ویحرز ثواب الجماعۃ لکن لا یحرز ثواب المصلی خلف التقی کذا فی فتح القدیر ناقلا ن المحیط۔

پس صورتِ مسئولہ میں اگر مستفتی کی لکھی ہوئی برائیاں امام مذکور میں پائی جاتی ہیں تو وہ فاسق ہوگا اور س کو امام متقی کے مقابل امام بنانا مکروہ ہے۔ اگر ایسے شخص کو امام بنا دیا گیا ہو تو منفرد نماز پڑھنے سے اس کی تدا میں نماز پڑھنا جائز ہے اور نماز پڑھنے والے کی نماز ہو جائے گی اور اگر نماز پڑھنے والے کو دوسرے سی امام متقی کی اقتدا میں نماز مل سکتی ہے تو اس متقی کے پیچھے نماز پڑھنا اس فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر اُس امام کی اقتدا سے جماعت والوں کو اس کے فسق کی وجہ سے یا دوسرے شخص متقی کے موجود ہونے کی وجہ سے کراہت معلوم ہوتی ہے تو اس امام کو امامت کرنا مکروہ ہے۔ پس ایسی صورت میں امام مذکور کو امامت سے استعفاء دینا چاہیے تاکہ فتنہ کا دروازہ نہ کھلنے پائے۔

مسئلہ۔ کیا فاسق کو امام بنایا جا سکتا ہے۔

جواب۔ فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے لیکن اگر وہ امام بنا دیا جائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہو۔ اکثر علماء فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز بکراہت تنزیہ جانتے ہیں اور بعض علماء مکروہ تحریمی جانتے ہیں پس اگر متقی امام کے پیچھے نماز پڑھنا کسی دوسری مسجد میں ممکن ہو تو اس مسجد میں جا کر امام متقی کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے ورنہ منفرد نماز پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ فاسق کے پیچھے جماعت سے نماز ادا کی جائے۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں کی جامع مسجد میں قاضی باقر حسین نماز پڑھایا کرتے تھے ان کا انتقال ہو گیا اب جماعت والے اپنی طرف سے ایک امام کو مقرر کرنا چاہتے ہیں اور قاضی صاحب مرحوم کی اولاد اس امام کو پسند نہیں کرتی ہے لہذا اس مسجد کی امامت، جماعت کا منتخب کردہ امام کرے یا قاضی صاحب مرحوم کی اولاد کا منتخب کردہ امام۔

مستحق امامت کون شخص ہے اگر مستحقین امامت میں سے کسی کو جماعت کے اکثر لوگ منتخب کرلیں اور کسی کو بعض لوگ تو ان میں کس کا منتخب کیا ہوا امام امام بنایا جائے۔

جواب۔ اگر قاضی باقر حسین مرحوم یا اُن کے اجداد بانیٔ مسجد تھے تو احق بالامامۃ اُن کے خاندان میں سے

وہ ہوگا جو امامت کی اہلیت رکھتا ہو، اگر قاضی صاحب مرحوم بانی مسجد نہ تھے تو بانی مسجد یا اس کی اولاد میں جو زندہ ہوگا وہ احق بالامامۃ ہوگا اگر وہ خود امامت کی اہلیت رکھتا ہو اور اگر اہلیت نہیں رکھتا ہے تو اپنی طرف سے کسی کو امام مقرر کر سکتا ہے۔ جماعت کو اس کے مقابل میں نصب امام کا حق نہیں ہے۔ اور اگر بانی یا اس کی اولاد کا پتہ نہ ہو تو وہاں کے مسلمان اس شخص کو امام بنائیں جو ان میں امامت کی اہلیت رکھتا ہو اگر نااہل کو امام بنائیں گے تو برا ہے۔

تمام لوگوں میں احق بالامامۃ وہ شخص ہے جو مسائل نماز سے واقف ہو اور علی الاعلان گناہ نہ کرتا ہو اگرچہ اس کے مقابل میں دوسرے لوگ اس سے زائد پرہیزگار ہوں۔ اگر کئی آدمی اس کے مساوی ہوں تو ان میں سے جو شخص قرآن اچھی طرح پڑھتا ہو وہ امامت کا مستحق ہے۔ اگر چند آدمی اس صفت میں بھی مساوی ہوں تو ان میں سے جو شخص زائد پرہیزگار ہو وہ مستحق امامت ہوگا۔ اگر ان میں سے چند پرہیزگاری میں مساوی ہوں تو ان میں سے جو مسن (سن رسیدہ) ہوگا وہ احق ہوگا، اگر بہت سے لوگ تمام صفات میں مساوی ہوں تو ان میں قرعہ ڈالا جائے گا۔ جس کے نام قرعہ نکل آئے وہی امام مقرر ہوگا یا جس کو سب لوگ مل کر منتخب کر لیں وہی امام مقرر ہو جائے گا۔ اگر جماعت میں اختلاف ہو تو اکثر جماعت نے ان میں سے جس شخص کو امام مقرر کیا ہے وہی امام مقرر ہو جائے گا۔

اور جس شخص کی امامت سے اس کی برائی کی وجہ سے لوگ کراہت کرتے ہیں اس کو امام بننا مکروہ تحریمی ہے۔ جس شخص کو اکثر جماعت امام مقرر کر دے اس سے تخلف اتبعوا السواد الاعظم کے منافی ہے بلکہ من شذ شذ فی النار میں داخل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

باب الاذان

مسئلہ۔ لاؤڈ اسپیکر یعنی آواز کو بلند کرنے اور دور تک پہونچانے کا آلہ اذان کے لیے اور نمازوں میں جبکہ اجتماع کثیر ہو۔ خطبہ تکبیرات اور قرأت کی آواز کو تمام نمازیوں تک پہونچانے کے واسطے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔

Marfat.com

جواب۔ اذان کی آواز مسجد کے پاس رہنے والوں کو پہونچانے کے لیے دو یا دو سے زائد مؤذنوں کا اذان کے لیے تعین اگلے علماء کا دستور تھا۔ اگلوں کے متوارث طریقہ کو چھوڑ کر اذان کے لیے آلہ مکبر الصوت لگانے کی ضرورت نہیں ہے اور خطبہ اور قرأت کی آواز کو تمام مقتدیوں تک پہونچانے کی چنداں ضرورت نہیں اس لیے خطبہ اور قرأت کے لیے بھی آلہ مکبر الصوت کا استعمال بہتر نہیں ہے۔ البتہ تکبیرات عیدین کا تمام مقتدیوں تک پہونچانا ضروری ہے۔ اس کے لیے اگر خیر القرون کی طرح مکبرین کا انتظام ٹھیک طور سے ہو جاتا ہے اور مکبّرین کی آواز تمام مقتدیوں تک پہونچ جاتی ہے تو آلہ مکبر الصوت کی ضرورت نہیں بلکہ بطریق مسنون مکبرین کا انتظام کرنا چاہیے اور اگر مکبرین کا انتظام نہیں ہو سکتا یا ان کے تکبیر کہنے کے باوجود عملاً مقتدیوں تک امام کی تکبیر پہنچنے میں گڑبڑ ہو جاتا ہے تو آلہ مکبر الصوت لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے الحاصل آلہ مکبر الصوت کا اس کے متعلق ماہرین برقیات کی رائے ہے کہ یہ آلہ بات کرنے والے ہی کی آواز کو بلند کرتا ہے آواز بازگشت پیدا نہیں کرتا، نماز وغیرہ میں استعمال کرنا جائز اور مباح باباحت اصلیہ ہے۔ اس آلہ کے استعمال کرنے میں کوئی ضلالت یا کراہت نہیں جبکہ مقصود اس سے اعلام اذان اور اتباع امام میں آسانی پیدا کرنا ہو، انما الاعمال بالنیات۔ البتہ کمال اتباع سلف صالحین کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ترک اولیٰ ہے جبکہ مسنون اور متوارث طریقے اعلام کے اختیار کیے جا سکتے ہوں۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں کی عیدگاہ میں قبل نماز عیدین اذان واقامت کہی جاتی ہے اگر منع کیا جاتا ہے تو جھگڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کتاب سے ثابت ہے اور ہم تو ہمیشہ سے ایسا ہی سنتے چلے آتے ہیں۔ آیا قبل نماز عیدین اذان وتکبیر واقامت یا اور کچھ الفاظ مثل الصلوٰۃ جامعۃ وغیرہ کہنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو ایسی عیدگاہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ اور جو امام ایسے بدعات کو رواج دے اس کی اقتدا درست ہے یا نہیں، اگر باوجود فہمائش بھی وہ لوگ باز نہ آئیں تو ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے، نماز عیدین کے لیے کم سے کم کتنے آدمی ہونا چاہیے۔ آیا بحالت مجبوری بغیر خطبہ بھی نماز عیدین ہو جائے گی۔

جواب۔ عیدین کی نماز کے لیے اذان واقامت ثابت نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔ نماز عیدین میں

Marfat.com

کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی جس سے وہاں نماز پڑھنا ترک کر دیا جائے۔ البتہ ایسا کرنے والے کو اصل مسئلہ بتا دینا چاہیے۔ اگر نہ مانے اور اپنی ہٹ پر اذان واقامت کرتا ہے تو اس کو امامت سے معزول کرنا چاہیے، نماز عیدین کی جماعت کے لیے امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر عید کا خطبہ نہ پڑھا جائے تو ترکِ سنت کی وجہ سے گناہ ہوگا، نماز ہو جائے گی۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں بریلی میں اذان کے بعد اقامت سے پہلے مؤذن صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔ کچھ لوگ اس طریقہ کو ناجائز کہتے ہیں اور منع کرتے ہیں۔ بلکہ بعض وقت فتنہ وفساد کی بھی صورت پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا یہ طریقہ یعنی صلوٰۃ وسلام عرض کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ تثویب۔ یعنی اذانِ فجر میں حی علی الفلاح کے بعد الصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا دو کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ثابت ہے، بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امر فرمایا کہ ان کلمات کو اذانِ فجر میں بڑھا

اسی وجہ سے فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ اذانِ فجر میں حیَّ علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنا مستحب ہے، البتہ تثویب یعنی اذان واقامت کے درمیان دوبارہ اعلام کرنا اس میں علماء کے تین اقوال ہیں۔

(۱) متقدمین احناف کا یہ مسلک ہے کہ نمازِ فجر میں اذان اور اقامت کے درمیان دوبارہ اعلام یعنی تثویب جائز ہے، مکروہ نہیں ہے۔ اور فجر کے علاوہ دوسری نمازوں کے لیے تثویب مکروہ ہے اس لیے کہ فجر کا وقت لوگوں کے آرام کرنے اور سونے کا وقت ہے لہٰذا لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے دوبارہ اعلام میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہورِ توانی کی وجہ اذانِ فجر میں الصَّلوٰۃُ خیرٌ من النَّوم کے زائد کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اسی طرح فی زمانہ لوگ عموماً وقتِ فجر میں بیدار نہیں ہوتے ہیں لہٰذا اُن کے بیدار کرنے کے لیے یہ اعلامِ ثانی بھی جائز ہوگا۔

دوسرا قول امام ابو یوسفؒ کا ہے کہ تمام نمازوں کی اذان کے بعد اعلامِ ثانی جائز ہے صرف ان لوگوں کے لیے جو مصالح مسلمین میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسے قضاۃ واُمراء وغیرہا اور یہ تخصیص خواص کیلئے

Marfat.com

مستفاد ہوتی ہے اس حدیث سے جو صحاح میں مذکور ہے ان بلالاً کان یؤذن ثم یاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ باب الحجرۃ فیؤذنہ لصلوٰۃ الصبح فیخرج لیکن امام محمد فرماتے ہیں کہ احکام شرعی میں خواص وعوام برابر کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ جماعت کے تیار ہونے کی اطلاع خواص کو دی جائے اور عوام کو نہ دی جائے۔

تیسرا قول متاخرین احناف کا ہے کہ تثویب تمام نمازوں کی اذانوں کے بعد خواص وعوام دونوں کے لیے مستحسن ہے اس لیے کہ فی زماننا جماعت میں حاضری سے لوگ سستی اور کاہلی کرتے ہیں ھکذا فی السعایہ لمولانا المولوی ابی الحسنات محمد عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ۔

پس صورت مسئولہ میں وہ تثویب جو فی زماننا رائج ہے یعنی تمام نمازوں کی اذان سے تھوڑی دیر بعد اعلام ثانی کرنا اور اس کے بعد متصلاً یا منفصلاً اقامت کہنا خیر القرون میں موجود نہ تھا۔ متاخرین نے جب مسلمانوں کی سستی اور کاہلی حضور جماعت سے دیکھی تو ان حضرات نے مغرب کے علاوہ دوسری نمازوں کی تثویب کو رائج کیا تاکہ جماعت کے وقت وہ لوگ بھی آجائیں جو مسجد میں اذان سنتے ہی نہیں آتے اور اپنی کاہلی اور سستی سے دیر کرتے رہتے ہیں اور ما راٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن ارشاد عالی ہے اس لیے یہ طریقہ مستحسن ہے۔

تثویب کے لیے کوئی لفظ مخصوص نہیں ہے بلکہ جن کلمات سے لوگ یہ سمجھ لیں کہ جماعت کے لیے اعلام ثانی کیا جا رہا ہے اُن سے تثویب جائز ہے۔

بنا بریں علیہ آٹھویں صدی میں بعض مقامات پر تثویب صلوٰۃ وسلام سے کی جاتی تھی۔ پس اگر بریلی میں بھی مؤذن بعد اذان کے صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرتا ہے اور جماعت والے اس فعل سے یہ جان لیتے ہیں کہ مسجد میں عنقریب جماعت ہونے والی ہے تو اس طور پر تثویب بھی جائز ہے۔ لیکن کسی فعل مستحسن اور جائز کرنے یا نہ کرنے پر جماعت مسلمین میں ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے، ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی جان، مال، عزت اور آبرو کی حرمت کا برقرار رکھنا واجب ہے اور بے حرمتی کرنا ممنوع اور منہی عنہ ہے۔

Marfat.com

مسئلہ۔ تثویب کسے کہتے ہیں۔ اذان کے بعد اقامت سے پہلے مؤذن کا بآواز بلند صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیسا ہے۔

جواب۔ متقدمین کے نزدیک نماز فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں تثویب (اعلام بعد الاذان قبل الاقامۃ) مکروہ ہے۔ لیکن متاخرین نے تمام نمازوں کے لیے تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔

تثویب کہتے ہیں اذان کے بعد نمازیوں کو عرف عام کے لحاظ سے نماز کی اطلاع دینا خواہ الصلات الصلات یا قامت قامت کہنا، خواہ ان کے علاوہ کسی زبان میں ایسے الفاظ کہنا جن سے نمازی جماعت کے عنقریب ہونے کو سمجھ لیں۔

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ اولاً ۷۸۱ھ ہجری میں سلطان صلاح الدین کے حکم سے جاری ہوا تھا۔ اس کو علماء نے بدعت حسنہ لکھا ہے جیسا کہ درالمختار میں ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اُمراء مثلاً سلطان، قاضی اور مفتی وغیرہم کے لیے جو امور مسلمین میں مصروف رہتے ہیں، مؤذن کو جماعت کی اطلاع دینا چاہیے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی تخصیص امراء کی نہیں ہے بلکہ عامہ مسلمین کے لیے بھی تثویب جائز ہے۔ کما ھو مصرح فی کتب الفقہ۔

بَابُ الْجُمُعَۃ

مسئلہ۔ (۱) جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونا چاہیے یا باہر۔ (۲) جماعت والے کس وقت کھڑے ہو کر صفیں باندھنے لگیں۔ ہمارے یہاں بعض اماموں کا یہ دستور ہے کہ وہ مصلے پر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور مقتدیوں کو بھی بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں اور مؤذن سے اقامۃ کہلواتے ہیں، جب وہ حی علی الصلوٰۃ پر پہونچتا ہے تو خود بھی کھڑے ہوتے ہیں اور جماعت والوں کو بھی کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ ایسے اماموں کا یہ طریقہ کیسا ہے۔

جواب۔ جمعہ کی اذان ثانی بین یدی الخطیب عند المنبر ہونا چاہیے۔ اور علماء کا توارث

اسی پر ہے کہ جب خطیب منبر پر جاتا ہے تو مؤذن منبر کے پاس خطیب کے سامنے اذان دیتا ہے اس لیے یہ اذان مسجد کے اندر ہونا چاہیے۔ البتہ پہلی اذان جو اعلامِ غائبین کے لیے ہوتی ہے وہ مکانِ مرتفع یا منارہ پر ہونا چاہیے۔

(۲) اگر امام اور مقتدی مسجد میں ہوں اور امام نماز پڑھانے کے لیے مصلّے پر کھڑا نہ ہو بلکہ کسی دوسری جگہ یا مصلی پر پہلے سے بیٹھا ہو اور تکبیر کہی جائے تو جب تکبیر کہنے والا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہے تو امام اور جماعت والوں کو کھڑے ہو جانا چاہیے اور صفوف درست کرنا چاہیے اور بعد ختم تکبیر امام کو نماز شروع کرنا چاہیے۔ اور اگر تکبیر شروع نہیں ہوئی ہے اور امام مصلی پر آکر نماز پڑھانے کھڑا ہو گیا تو جماعت والوں کو بھی کھڑا ہو جانا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ فلا تقوموا حتی ترونی اور عمدۃ القاری کی یہ عبارت بھی واذا لم یکن الامام فی المسجد فذھب الجمھور الی انھم لا یقومون حتی یروہ اس پر دال ہے۔ پس اگر امام مسجد میں نہ ہو اور وقت مقررہ پر نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں آئے تو مقتدی جب امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔ اور صفوف درست کرنے لگیں۔ نیز اگر امام مسجد میں ہو اور وقت مقررہ پر اپنے مصلے پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہو جائے تو مقتدی جب اس کو اپنی جگہ پر کھڑا دیکھیں تو کھڑے ہو جائیں۔ خواہ تکبیر شروع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو خواہ مقیم حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ پر پہونچے یا نہ پہونچے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ پر کھڑے ہونے کے لیے امام کا عمداً مصلے پر بیٹھنا اور تکبیر کہلوانا کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہمارے اکابر علماء کا یہ طریقہ رہا ہے۔

مسئلہ۔ جو اذان امام کے سامنے جمعہ کی نماز سے پہلے ہوتی ہے وہ مسجد کے اندر منبر کے پاس ہونا چاہیے یا نہیں۔

جواب۔ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب امام جمعہ کی نماز کے قبل منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھے تو اذان ثانی خطیب کے سامنے مسجد کے باہر دی جائے یا مسجد کے اندر، علماء کا ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ یہ اذان ثانی خطیب کے سامنے مسجد کے باہر دینا چاہیے اس لیے کہ ابوداؤد میں ایک روایت سائب بن زید سے مروی ہے کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد (یعنی جمعہ کے دن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر

Marfat.com

خطبہ دینے کے لیے تشریف فرما ہوتے تھے تو اذان آپ کے روبرو مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی، یہ علماء حدیث مذکور میں "بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے معنی "بین یدی المصلی" کی طرح منتہائے نظر کے لیتے ہیں اور باب مسجد مسجد سے خارج ہوتا ہے۔ اس لیے یہ علماء اس حدیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ خطبہ کے وقت اذان کا طریقۂ مسنونہ یہ ہے کہ جب خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کے منتہائے نظر پر مسجد کے دروازے پر اذان دی جائے۔

دوسرے علماء یہ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیثوں میں "یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" مذکور ہے اور "علی باب المسجد" کے الفاظ نہیں ہیں اور ان حدیثوں میں "بین یدی" کے معنی منتہائے نظر کے نہیں ہیں "بین یدی المصلی" میں "بین یدی" کے مختلف معانی علماء نے لکھے ہیں ان میں سے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ نمازی کا منتہائے نظر اور مسجد کبیر میں "بین یدی المصلی" کا اطلاق اسکے موضع قدم اور موضع سجدہ کے درمیانی حصہ پر بھی ہوتا ہے، اسی بناء پر صاحب ہدایہ وغیرہ نے تصریح کر دی کہ بین یدی المصلی گزرنے والے پر اسی وقت گناہ ہوگا جبکہ گزرنے والا نمازی کے قدم اور موضع سجدہ کے درمیان سے گزرے۔

بناءً علیہ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آپ کے منتہائے نظر پر اذان دی جاتی تھی، بلکہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ منبر سے متصل جو صف ہوتی تھی اس کے اندر موذن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اذان دیتا تھا جیسا کہ اب تک اگلے علماء کا دستور چلا آتا تھا۔ اور اوپر والی حدیث میں علی باب المسجد (یعنی مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی) کی روایت عقل اور نقل کے خلاف ہے اس لیے کہ مسجد نبوی علی صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام کے قبلہ کے مقابل جو دیوار تھی اس میں کوئی دروازہ ہی نہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے ہوں تو وہ دروازہ آپ کے روبرو پڑتا ہو جو دروازہ اس وقت قبلہ کی دیوار کے مقابل اس زمانے میں موجود ہے وہ اس وقت سے ہے جس وقت مسجد کی توسیع ترکی سلطنت نے کی تھی۔ اس کے قبل کوئی دروازہ مسجد نبوی میں ایسا نہ تھا جو منبر پر بیٹھنے والے کے سامنے ہوتا فلہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں

Marfat.com

کیا جاسکتا کہ جمعہ کی اذان جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے تو مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

کتب فقہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ توارث علماء یہی ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے منبر کے قریب اذان دی جائے جیسا کہ عینی شرح ہدایہ اور عمدۃ القاری شرح بخاری کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ہمارے اکابر علماء کا بھی دستور تھا کہ جب امام منبر پر بیٹھتا تھا تو مسجد کے اندر اس کے روبرو اذان ہوتی تھی۔

اختلافی مسائل میں کسی گروہ کو اپنے مخالف گروہ سے لڑائی جھگڑا نہ کرنا چاہیے۔ پس اگر کوئی شخص جمعہ کی اذان ثانی کو مسجد کے باہر مسنون جانتا ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس قول کے خلاف حق جاننے والے کو مجبور کرے کہ وہ بھی اذان ثانی مسجد کے باہر دلائے یا مسجد کے باہر اذان مذکور کو موافق سنت سمجھے، اسی طرح جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ جمعہ کی اذان ثانی منبر کے پاس خطیب کے روبرو مسنون ہے تو اس کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے مخالف کو مجبور کرے کہ وہ بھی اسی طریقہ کو مسنون سمجھے اور اس پر عمل کرے۔

آج کل مناظرہ احقاق حق کے لیے نہیں ہوتا ہے اس لیے مناظرہ کرنے سے بھی مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ۔ خطیب کے سامنے جمعہ کے دن جو اذان دی جاتی ہے اس کا سامعین کو جواب دینا چاہیے؟ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کا جواب نہ دیا جائے۔

جواب۔ کتب فقہ میں اگرچہ یہ لکھا ہوا ہے کہ جب خطیب کے سامنے اذان دی جائے تو زبان سے جواب نہ دینا چاہیے لیکن علامہ طحطاوی لکھتے ہیں۔ ان الاصح جواز الاذکار عندہ قبل شروعہ فی الخطبۃ فلا مانع من الاجابۃ۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں امام کا خطبہ شروع کرنے کے قبل جبکہ اذکار جائز ہیں تو اذان کا قولاً جواب دینا بھی جائز ہوگا۔ اذان کے بعد کی دعا کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر اذان کے بعد امام فوراً خطبہ شروع کردے تو دعا نہ مانگی جائے لیکن اگر امام خود دعا مانگے یا اذان کے بعد امام توقف کرے تو

لہ صحیح مسلک یہ ہے کہ خطیب کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے ذکر خدا کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، مطلقاً کلام کرنے کی ممانعت خطیب کے منبر پر آجانے کے بعد جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے اس سے مطلب یہ ہے کہ کلام دنیاوی نہ کیا جائے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد کلام دنیاوی اور دینی کوئی نہ کیا جائے، پس اذان کے جواب وغیرہ کی مانع کوئی وجہ شرعی نہیں ہے۔

Marfat.com

تا شروع خطبہ دعا مانگ لینا جائز ہے، اور یہی ہمارے اکابر کا دستور ہے۔ چنانچہ بخاری میں ہے۔ عنؔ ابی امامۃ بن سھل بن حنیف قال سمعت معاویۃ بن ابی سفیان وھو جالس علی المنبر اذّن المؤذن فقال اللہ اکبر اللہ اکبر فقال معاویۃ اللہ اکبر اللہ اکبر فقال اشھد ان لا الٰہ الا اللہ فقال معاویۃ وانا فقال اشھد ان محمّدا رسول اللہ فقال معاویۃ وانا فلما ان قضی التاذین قال ایھا الناس انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا المجلس حین اذن المؤذن یقول ما سمعتم منی من مقالتی اس حدیث کو تحریر کرنے کے بعد علامہ عینی نے جو مسائل استنباط کیے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب خطیب منبر پر ہو اور اذان دی جائے تو خطیب اذان کی اجابت کرے، چنانچہ علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں وفیہ[۲] اجابۃ الخطیب للمؤذن وھو علی المنبر انتھی۔

مسئلہ۔ دو افراد خاندان میں اس امر پر تنازع ہے کہ ایک خاندان کے افراد کہتے ہیں کہ شاہان اسلام نے ہمارے خاندان کو خطابت کا عہدہ دیا تھا لہٰذا جمعہ کی امامت ہم کو کرنا چاہیے، دوسرے خاندان والے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان والے ہمیشہ سے نماز جمعہ پڑھاتے ہیں لہٰذا امامت جمعہ ہمارا حق ہے بس بتایا جائے کہ جامع مسجد میں امامت کس خاندان والے کا حق ہے۔

جواب۔ خطیب کے لیے شرط ہے کہ وہ ماذون من السلطان ہو، نماز پڑھانے والے کے لیے ماذون من السلطان ہونا شرط نہیں ہے بلکہ نماز وہی شخص پڑھائے جو احق بالامامۃ ہو جیسا کہ درمختار میں ہے۔ فقہا لکھتے ہیں کہ امام اور خطیب ایک ہی شخص کو ہونا مناسب ہے اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ ایک شخص بادشاہ کی طرف سے خطیب ہو اور ایک نماز پڑھانے والا۔

پس صورت مسئولہ میں اگر شاہی فرمان میں بصراحت تحریر ہے کہ فلاں خاندان میں خطابت نسلاً بعد نسلٍ جاری رہے گی اور امامت فلاں خاندان میں تو دونوں عہدے دونوں خاندانوں میں برقرار رہیں گے اور اگر یہ تصریح موجود نہیں ہے تو یہ عہدے نسلاً بعد نسلٍ منتقل نہ ہوں گے لیکن اگر خطیب اول نے اپنا خلیفہ دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو حتیٰ کہ موجودہ خطیب کو سابق کے خطیب نے اپنا نائب

---

[۱] ابوامامہ بن سہل بن حنیف روایت کرتے ہیں کہ میں نے معاویہ بن ابی سفیان کو سنا کہ وہ منبر پر بیٹھے تھے اور مؤذن نے اذان دی۔ اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو معاویہ نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا مؤذن نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا تو معاویہ نے بھی کہا "اور میں بھی گواہی دیتا ہوں"۔ مؤذن نے کہا اشہد ان محمدا رسول اللہ معاویہ نے کہا میں بھی گواہی دیتا ہوں" اور جب اذان ختم ہو گئی تو معاویہ نے کہا اے لوگو! اسی طرح اس منبر پر میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب مؤذن اذان کہہ رہا تھا وہی کہتے سنا جو تم لوگوں نے اس وقت مجھ سے سنا ہے۔

[۲] خطیب کا منبر پر ہوتے ہوئے مؤذن کی اذان کا جواب دینا بھی اس حدیث سے نکلتا ہے۔

Marfat.com

مقرر کیا تھا تو وہ خطیب ماذون من السلطان ہوگا اور اسی کو اقامۃ جمعہ کا حق ہے پس وہ خطبہ بھی پڑھے اور نماز بھی پڑھائے اس لیے کہ اقامت جمعہ کے یہی معنی ہیں۔

مسئلہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ عربی میں پڑھنا قرآن مجید کی اس آیت وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا غیر عربی میں خطبہ دینا ناجائز ہے۔

جواب۔ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ سے استدلال غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنے نہ پڑھنے پر بے محل ہو۔ اس آیت کا کوئی تعلق اس سے نہیں ہے کہ خطبۂ جمعہ عربی میں پڑھا یا جائے یا غیر عربی میں اس آیت سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ ہر رسول پر جو کتاب نازل ہوئی وہ اس نبی کے قوم کی زبان میں نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم عرب تھی اس لیے آپ پر قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا تاکہ آپ اپنی قوم کو بہ آسانی راہ حق بتادیں اور اللہ کے احکام پہونچادیں اگرچہ آپ کی بعثت عام ہے، جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

مسئلہ۔ خطبہ اردو زبان میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں، جمعہ کے خطبہ میں عربی یا اردو اشعار پڑھنا کیا ہے۔ قرآن مجید میں کوئی شعر موجود ہے یا نہیں۔ نمازی کو قرآن مجید کے معانی سمجھنا فرض ہے یا نہیں۔

جواب۔ غیر زبان عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین پڑھنے کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) خطبہ عربی زبان میں پڑھا ہی نہ جائے بلکہ غیر زبان عربی میں خطبہ دیا جائے۔

(۲) صرف تسمیہ وتحمید عربی میں پڑھ کر بقیہ خطبہ غیر عربی میں دیا جائے۔

(۳) کچھ حصہ عربی میں ہو اور کچھ غیر عربی میں ہو، غیر عربی کا خطبہ خطبۂ عربی کا ترجمہ نہ ہو۔

یہ سب صورتیں کراہت کی حد کو پہونچتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ غیر عربی زبان کا خطبہ عربی کا ترجمہ ہو اس صورت میں غیر عربی زبان کا ترجمہ بمنزلۂ تکرار کے ہوگا اور اہم امور کی تکرار دوران خطبہ میں سرکار رسالت سے ثابت ہے اس لیے اس صورت میں کوئی حرج شرعی نہیں معلوم ہوتا ہے، عربی زبان میں خطبہ دینے سے سنت ادا ہو جاتی ہے اور غیر عربی زبان کا خطبہ جو عربی زبان کے خطبہ پر اضافہ کیا گیا ہے وہ بمنزلہ تکرار کے ہے جس کا مسنون ہونا بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

دورانِ خطبۂ جمعہ میں عربی اشعار پڑھنا کتبِ حدیث میں اگرچہ نظر سے نہیں گزرا ہے لیکن بخاری شریف کی اس حدیث وقال عمر بن حمزۃ حدثنا سالم عن ابیہ وربما ذکرت قول الشاعر وانا انظر الی وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستسقی فما ینزل حتی یجیش کل میزاب وابیض یستسقی الغمام بوجہہ + ثمال الیتمٰی وعصمۃ للارامل + سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ رسالت کے خطبہ پڑھنے کے دوران میں شعر پڑھا جاتا اور آپ منع نہیں فرماتے تھے نہج البلاغہ جس میں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کے خطب جمع کیے گئے ہیں اور اس کتاب سے علمائے اہلسنت نے بھی بعض خطبے حضرت مولائے کائنات کے جمع کیے ہیں ان میں بعض خطبے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایسے بھی دیے ہیں جن میں اشعار موجود ہیں۔ لہٰذا خطبہ میں ایسے اشعارِ عربی کا پڑھنا جو خلافِ شریعت نہ ہوں جائز بلا کراہت معلوم ہوتا ہے۔ غیر زبان عربی کے اشعار کا وہی حکم ہے جو جواب نمبر (۱) میں لکھا گیا ہے بشرطیکہ وہ اشعار فی نفسہا خلافِ شریعت نہ ہوں۔

قرآنِ مجید کی کوئی آیت یا سورۃ شعر میں نہیں نازل ہوئی ہے اگرچہ کوئی آیت شعر ار کی بنائی ہوئی تقطیع پر آجائے۔ قرآنِ مجید کے معانی کا سمجھنا نماز پڑھنے والے کے لیے ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ۔ جمعہ کے دن خطبوں میں سیاستِ حاضرہ کے ماتحت خطیب کا سیاسی مسائل بیان کرنا کیسا ہے۔

عربی زبان میں عوام خطبہ نہیں سمجھتے ہیں اس لیے اردو میں خطبہ دینا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ فی الواقع خطبہ جمعہ کا دراز کرنا مکروہ ہے اور اس میں اختلافی مسائل بیان کرنا یا سیاستِ حاضرہ پر تقریر کرنا مفاسد کے دروازوں کو کھولنا ہے جن کا بند کرنا واجب و لازم ہے لہٰذا جمعہ کے خطبوں میں ان مسائل کا بیان کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، اس قسم کے مسائل بیان کرنے سے خطباء منع کیا جائے۔ خطبۂ جمعہ وعیدین زبانِ عربی میں دینا موافق سنت ہے، ضرورت کے وقت مسائلِ شرعیہ کی تعلیم خطبۂ جمعہ میں مستحب ہے۔ مثلاً عید الفطر کے قبل جو جمعہ پڑے اس میں مسائل صدقۂ فطر سامعین کو بتانا اور عید الاضحیٰ کے قبل جو جمعہ پڑے اس میں مسائلِ قربانی کا سامعین کو بتانا مستحب ہے۔

Marfat.com

پس وہ بلاد جن میں زبان عربی سمجھنے والے نہیں ہیں اُن کے لیے مسائلِ ضروریہ کی تعلیم وتفہیم زبانِ غیر میں ممکن نہیں جب تک کہ اس عربی کا ترجمہ ان کی زبان کے موافق نہ کر دیا جائے، فلہٰذا ضرورت کے وقت خطیب کا ضروری مسائل کا ترجمہ غیر زبان عربی میں تفہیم سامعین کے لیے کر دینا جائز ہے۔ الضرورۃ تبیح المحظورات کی اصل پر۔ اور اس کا جواب اس حدیث سے بھی مستنبط ہوتا ہے وعن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا تکلم بکلمۃ اعادھا حتی تفھم عنہ۔ سامعین کی تعلیم وتفہیم کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ سمجھانے والی بات اچھی طرح ان کے ذہن نشین ہو جائے فلہٰذا ضرورت کے وقت خطبۂ جمعہ میں احکام ضروری کا ترجمہ کر دینا تفہیم سامعین کے لیے مباح اور جائز ہے اور بلا ضرورت کراہت سے خالی نہیں۔

مسئلہ۔ مسلمانان ہند کی مادری زبان عموماً اردو ہے وہ زبانِ عربی سے بالکل ناواقف ہیں، نیز اکثر احکام ضروریہ سے بے بہرہ ہیں خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے تو وہ اس سے کچھ مستفید نہیں ہو سکتے اس لیے ان کی خواہش ہے کہ عربی خطبہ پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو زبان میں پڑھا جائے تاکہ حمد وثنا اور صلوٰۃ وسلام نیز آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ اور احکام پند وموعظتِ حسنہ سے وہ مستفید ہو سکیں ان حالات کے مدنظر اگر اولاً خطبہ عربی میں پڑھ کر اس کا ترجمہ اردو میں بھی سنایا جائے تو کیا یہ عمل شرعاً ممنوع اور قابلِ مواخذہ ہوگا۔

جواب۔ عربی سے معذور کے لیے غیر زبان عربی میں جمعہ کا خطبہ پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔ غیر معذور کے بارے میں علمائے احناف کا اختلاف ہے، بعض خلاف سنت مؤکدہ ہونے کی وجہ سے کراہت تحریمی کے قائل ہیں، اور بعض سنت زائدہ ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی کے قائل ہیں پس اولیٰ یہی ہے کہ خطبہ غیر زبان عربی میں نہ پڑھا جائے تاکہ مخالفتِ ائمہ نہ ہو، اور اگر احکام ومواعظ ونصائح عربی میں پڑھ کر سامعین کی فہمائش کے لیے ترجمہ کر دیے جائیں تو خلاف سنت اس وجہ سے نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ میں بعض احکام کا مکرر سہ کرر بیان کرنا ثابت ہے اور یہ ترجمہ بمنزلہ تکرار کے ہو جائے گا۔ اور یہی طریقہ استاذ الہند حضرت ملا نظام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر استاذی حضرت مولانا

محمد عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ تک چلا آیا ہے، اگر اس کو توارث علماء کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

مسئلہ ۔ بعد جمعہ اور قبل جمعہ کے رکعتیں پڑھنا مسنون ہے۔

جواب ۔ چار رکعتیں قبل نماز جمعہ اور چار رکعتیں بعد نماز جمعہ پڑھنا سنت ہے لیکن بعض احادیث سے بعد جمعہ چھ رکعتیں پڑھنا بھی ثابت ہے اس لیے حضرت امام یوسف قائل ہیں کہ بعد جمعہ چار رکعتیں پھر دو رکعتیں پڑھنا مسنون ہیں۔ ۵ اما استنان قبل الجمعۃ وبعدھا فلحدیث اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربع رکعات اخرجہ مسلم وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الجمعۃ اربعاً وبعدھا اربعا قالہ الترمذی وروی ابوداؤد والترمذی عن ابن عمر انہ کان یصلی بعد الجمعۃ ستا تارۃ رکعتین ثم اربعا وتارۃ اربعا ثم رکعتین وبھذا ذھب ابو یوسف الی ان المسنون بعد الجمعۃ ست رکعات (عمدۃ الرعایہ)

۵ جمعہ کے قبل اور بعد کی سنتوں کی دلیل مسلم کی حدیث ہے کہ جب کوئی تم میں سے جمعہ کی نماز پڑھے تو بعد نماز چار رکعتیں پڑھے اور ترمذی کی حدیث عبداللہ بن مسعود سے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز سے پہلے اور بعد چار چار رکعتیں پڑھتے تھے اور ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث ہو جو ابن عمر سے مروی ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے کبھی پہلے دو پھر چار کبھی پہلے چار پھر دو رکعتیں پڑھتے تھے اسی حدیث سے امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ چھ رکعتیں پڑھنا مسنون ہو۔ (عمدۃ الرعایہ)

مسئلہ ۔ خطبۂ جمعہ و عیدین میں کون کون چیزیں واجب اور مستحب ہیں۔ اگر جمعہ و عیدین کا خطبہ نہ پڑھا جائے تو نماز ہوگی یا نہیں، خطبہ میں اردو اشعار پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

جواب ۔ بقدر تحمید یا تہلیل یا تشہد خطبۂ جمعہ واجب ہے اور دو خطبے کھڑے ہو کر دینا جمعہ و عیدین میں سنت مؤکدہ ہے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا بھی مسنون ہے اور مستحب یہ ہے کہ خطبۂ اولیٰ میں حمد و ثنا شہادتین، درود اور موعظت کے ساتھ قرأت قرآن کی جائے اور خطبۂ ثانیہ میں بجائے موعظت کے مسلمانوں کے لیے دعائے خیر کرنا چاہیے۔ اور عیدین کے خطبہ میں تو یہ چیزیں مستحب ہیں ہی ان کے علاوہ یہ بھی مستحب ہے کہ پہلا خطبہ نو تکبیروں سے شروع کیا جائے اور دوسرا سات تکبیروں سے اور منبر سے اُترنے کے پہلے چودہ تکبیریں کہی جائیں۔ اور خطبۂ عیدین میں یہ بھی مستحب ہے کہ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے احکام بیان کیے جائیں۔ خطبۂ جمعہ ترک کرنے سے ترک واجب کا گناہ اور خطبۂ عیدین ترک کرنے سے ترک سنت کا گناہ ہوگا، خطبۂ جمعہ اگر ترک کیا جائے تو نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی اور خطبۂ عیدین اگر ترک کر دیا جائے تو نماز صحیح ہو گی لیکن گناہ ہوگا، خطبہ کا مقصد ذکر اور موعظت دونوں ہیں پس اگر نصائح عربی میں دے کر ان کا ترجمہ دوسری زبان میں کر دیا جائے تو کوئی شرعی حرج نہیں ہے۔ اور اگر صرف غیر زبان عربی میں نصائح دیئے جائیں تو خلاف سنت مؤکدہ ہے۔

مسئلہ۔ کیا ادائے جمعہ کے لیے اذنِ سلطانی شرط ہے۔ اور اگر مسلمان کسی جگہ جمعہ قائم کریں تو وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں۔

جواب۔ حضرت مولانا بحر العلوم تحریر فرماتے ہیں فعلم[۵۱] ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروط عندھم بالاذن والعمل لھذہ الواقعۃ رجع المشائخ عن ھذا الشرط فیما اذا تعذر الاستیذان وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم جاز کذا فی العالمگیریہ ناقلا عن التھذیب وعلی ھذا فلا خلاف الا فیما یمکن الاستیذان پس جبکہ ہندستان میں اقامت جمعہ کے لیے اذنِ سلطانی متعذر ہے لہذا وجوب ادائے جمعہ کے لیے اذن شرط نہیں ہے۔ پس اگر محلّے کے مسلمان جمع ہو کر کسی کو امام جمعہ بنا دیں تو نماز جائز ہو جائے گی اور اس مسجد میں جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ۔ مصر شرعی کسے کہتے ہیں۔

جواب۔ استاذ الہند حضرت ملا نظام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ مصر کی تعریف یہ فرماتے ہیں کہ وہ موضع جس میں انسان کے ضروریہ پورے ہو جائیں، مثلاً اس موضع میں کھانے پینے اور پہننے کی دوکانیں ہوں کہ اس موضع کے لوگوں کو کھانے کی چیزیں اور کپڑا بقدرِ ضرورت مل جائے اور جن اہلِ حرفہ کی اکثر ضرورت موضع والوں کو ہو وہ بھی اس موضع میں موجود ہوں جیسا کہ حضرت بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں وکان[۵۲] مطلع الاسرار الٰہی قدس سرہ یفتی بان المصر موضع یندفع فیہ حاجۃ الانسان الضروریۃ من الاکل بان یکون ھناک من یبیع طعاماً والکسوۃ الضروریۃ وان یکون ھناک اھل حرف یحتاج الیھم کثیراً اور چونکہ یہ تعریف قریب بہ حق ہے اس لیے اسی قول پر عمل کرنا انسب ہے

مسئلہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ ہندستان دار الحرب ہے اس لیے یہاں جمعہ فرض نہیں ہے

جواب۔ فتاویٰ مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی میں ہے۔ ازیں عبارت واضح است کہ بلادِ ہند کہ ہنوز در آں احکام اسلام جاری اند در بابِ اقامت جمعہ و جماعت و اذان وغیرہ شعائرِ اسلام از کفا۔

[۵۱] اس سے معلوم ہوا کہ فقہا کے نزدیک جمعہ قائم کرنے کے لیے شاہی اجازت کی شرط نہیں ہے۔ شاید اسی وجہ سے مشائخ نے اس شرط کو چھوڑ دیا ہو کہ اجازت حاصل کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور فتویٰ دیا ہے کہ جب امام وقت سے اجازت حاصل کرنا دشوار ہو اور لوگوں نے ایک آدمی کو امام بنا کر نماز جمعہ پڑھی تو یہ جائز ہوگی جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے تہذیب کے حوالے سے۔ پس ہر وہ ایسی صورت میں کہ اجازت حاصل کرنا دشوار ہو نماز جمعہ ان کے نزدیک کوئی اختلاف نہ ہونا ... کے درمیان ... ہے۔

[۵۲] میرے والد محترم جو ... کے ... واقف کار تھے فتویٰ دیا کرتے تھے کہ شہر وہ جگہ ہو جہاں انسان کے ضروریہ پورے ہو سکیں ... کھانے کی ضرورت اس طرح پوری ہو جاتی ہو کہ وہاں

ممانعتے نیست دار الحرب نیستند ہرگاہ ایں امر ممہد شد معلوم باید کرد کہ فرضیت جمعہ مثل صلوات خمسہ از نصوص ثابت است مقید بوقت دون وقت نیست در بلاد ہند ہم فرض است الآن کما کان[لہ]

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب کی تعریف ہندوستان پر نہیں صادق آتی ہے اس لیے جو لوگ کہتے ہیں کہ یہاں دار الحرب ہونے کی وجہ سے جمعہ درست نہیں وہ غلط کہتے ہیں اور ہندوستان دار الاسلام کے حکم میں ہے اور اس میں نماز جمعہ کا ادا کرنا فرض ہے۔

مسئلہ۔ جس موضع میں مذہب حنفیہ کے قریبًا پچاس مکان ہیں اور ایک مسجد ہے جس میں چند مسلمان نماز پڑھتے ہیں ضروریات روزانہ کی چیزیں بمشکل دستیاب ہو سکتی ہیں جس کی دوری شہر لکھنؤ سے چودہ میل ہے اور قصبہ سے چار میل، اس میں اگر نماز جمعہ پڑھی جائے تو جائز ہو یا نہیں۔

جواب۔ اگر اس موضع میں تمام ضروریات باشندگان موضع ہر وقت پورے نہیں ہوتے تو اس میں جمعہ کی نماز پڑھنا واجب نہیں ہے اور نہ جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز باشندگان موضع کے ذمہ سے ساقط ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ۔ ایسے لوگ جو قرآن شریف کی قرأت پر قدرت نہیں رکھتے ہوں یعنی حروف کے صحیح مخرج ادا نہیں کر سکتے ہوں ان میں سے ایک امام اور باقی مقتدی ہو کر جماعت سے مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے، ایک رکعت نماز ہو چکی تھی، دوسری رکعت میں سورۂ الحمد شریف پڑھ رہے تھے کہ ایک قاری صاحب آ گئے یعنی ایسے شخص جو حروف کے صحیح مخارج ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے انھوں نے آکر آواز دی کہ ہم آ گئے تم لوگ نیت توڑ دو، میرے آنے کے بعد اب تم لوگوں کی نماز نہ ہوگی، لہٰذا کتب معتبرہ کے حوالہ کے ساتھ قادر علی القرأۃ کی وضاحت کرتے ہوئے بتلایا جائے کہ ایسی حالت میں جو قاری صاحب نے نیت تڑوائی ہے وہ نیت تڑوا سکتے تھے یا نہیں اگر نہیں تڑوا سکتے تھے تو از روئے شرع شریف ان پر کیا حکم عاید ہوتا ہے۔

دیگر اگر خطیب وعلی عمیہ الشریفین المکرمین بین الناس الحمزۃ والعباس جمعہ کے

کہا جاتا ہے وہ بیچنے والے / انتقال جمعہ بیچنے کیونکہ کپڑے بل جانے ہوں اور ایسے کاروبار مال ہوں جن کی ضرورت اکثر پڑا کرتی ہے۔

[لہ] اس عبارت سے واضح ہو کر ہندوستان کے شہر جہاں اسلامی احکام اب بھی جاری ہیں اور جمعہ پڑھنے جماعت سے نماز پڑھنے اور اذان وغیرہ وغیرہ کے ایسے شعائر اسلام کی غیر مسلموں کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں دار الحرب نہیں ہیں جب یہ بات واضح ہو گئی تو اب جان لینا چاہیے کہ جمعہ کا فرض ہونا اسی طرح نص سے ثابت ہے جس طرح نماز پنجگانہ کا فرض ہونا کسی خاص وقت کی کوئی قید اس میں نہیں ہے۔ ہندوستان کے شہروں میں بھی جمعہ فرض ہے آج بھی جیسا پہلے تھا۔

Marfat.com

خطبہ میں پڑھے تو فقہ حنفی میں اس کا کیا حکم ہے۔

جواب۔ فی الواقع جس طور سے قرأت کرنا علماء نے مفسد نماز نہیں قرار دیا ہے اس طرح قرأت کرنے والوں کو قادر علی القرأۃ کہتے ہیں۔ پس صورت مسئولہ میں اگر امام نے اس طور پر قرأت کی تھی جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ صحیح مخارج سے حروف ادا نہیں کیے تو اس کی نماز درست ہے۔ اسی طرح جو شخص حروف کو صاف طریقہ پر نہیں نکالتا تو اس کی قرأت صحیح ہے اور جس شخص کی نماز فی نفسہٖ صحیح اور درست ہو اس کی اقتدا اس نماز میں بھی صحیح ہے۔ پس قاری صاحب کو بھی اس امام کی اقتدا کرنا چاہیے قاری صاحب کا یہ کہنا کہ ہم آگئے ہیں تم لوگ نماز توڑ دو مسئلہ شرعی سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔

ضمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہما کا ذکر خطبۂ جمعہ میں کرنا مندوب ہے۔ لیکن حضرت حمزہ کے اسم گرامی پر الف لام لانا کلام عرب میں مسموع نہیں ہے اس لیے بغیر الف لام کے پڑھنا چاہیے، اور اگر استعمال اہل عرب کے خلاف الف لام داخل کر دیا ہے تو الحمزۃ کو کسرہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ کذا فی الشامی۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ۔ اگر ہم نماز میں پورا قرآن شریف پڑھنا چاہیں تو سورۂ نمل میں جو انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آیا ہے اس کے علاوہ بھی کسی جگہ قرآن شریف میں جہر سے پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں اگر پڑھ سکتے ہیں تو کیوں۔

بسم اللہ سورۂ نمل کے علاوہ بھی کسی سورت کا جزو ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا ثبوت ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ عند الاحناف بسم اللہ الرحمن الرحیم جو ہر سورۂ قرآنی کے شروع میں مکتوب ہے وہ تمامی قرآن کی ایک آیت ہے اور ایک سورت کو دوسری سورت سے جدا کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے اور جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۂ نمل کی آیت کا جزو ہے وہ بالاجماع اس آیت کا جزو ہے جس کی ابتدا انہ من سلیمٰن سے ہے اور انتہا آتونی مسلمین پر ہے۔

Marfat.com

پس جو شخص نماز میں قرآن شریف ختم کرنا چاہے اُس کے لیے بطریق احناف لازم ہے کہ سورۂ نمل والی بسم اللہ کے علاوہ ایک بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو کسی سورت کے پہلے جہر سے پڑھ لے تاکہ اس حافظ کو قرآن شریف کے ختم کامل کا ثواب مل جائے دُرِمختار میں ہے "وھی آیۃ واحدۃ من القرآن کلہ انزلت للفصل بین السور فما فی النمل بعض آیۃ اجماعاً ولیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ فی الاصح" اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ تنویر المنار سے نقل فرماتے ہیں۔ "حنفیہ برآنند کہ بسم اللہ آیت واحدہ است مکرر شدہ برائے فصل میان سور پس قرآن عبارت ست از مائۃ وچہاردہ سورہ ویک آیت پس در ختم قرآن یک بار بسم اللہ خواندن ضروری است بر سر ہر سورہ کہ خواہد نیست جزو ہر سورت چنانچہ مذہب امام شافعی است کہ بسم اللہ مائۃ وسیزدہ آیت است در قرآن بر سر ہر سورہ سوائے سورۂ برائۃ واگر در یک جا ترک کرد ترک کرد ختم قرآن انتہی" اور ہمارے اکابر کا دستور تھا کہ جب تراویح میں قرآن ختم کرتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ اخلاص کے شروع میں زور سے پڑھتے۔ واللہ اعلم

باب صفۃ الصلوٰۃ

مسئلہ۔ دُعا میں ہاتھ اٹھانا کیسا ہے اور کس طرح ہاتھ اٹھائے جائیں۔

جواب۔ دُعا میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے اس لیے کہ آسمان قبلۂ دُعا ہے جس طرح کعبہ قبلۂ نماز ہے۔ فیبسط یدیہ حذاء صدرہ نحو السماء لانھا قبلۃ الدعاء کالقبلۃ للصلوٰۃ (درمختار) دُعا کے وقت دونوں ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینہ کے مقابل پھیلائے اور آسمان کی طرف ہتھیلیاں کھولی جائیں، اور دونوں ہاتھوں کے درمیان تھوڑا فصل ہو۔ درمختار میں ہے فیرفعھما کالدعاء والرفع فیہ وفی الاستسقاء مستحب فیبسط یدیہ حذاء صدرہ نحو السماء اور اسود المحتار میں ہے کما یرفعھما لمطلق الدعاء فی سائر الامکنۃ والازمنۃ علی طبق

لہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمامی قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل اور امتیاز قائم کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے تو سورۂ نمل میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے وہ آیت کا جزو ہے اور صحیح مسلک یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ یا کسی اور سورت کا جزو نہیں ہے۔

لہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ بسم اللہ ایک آیت قرآنی ہے جو سورتوں کے درمیان فصل و امتیاز قائم کرنے کے لیے مکرر نازل کی گئی۔ پس قرآن شریف تمام ہے ایک سو چودہ سورتوں اور ایک آیت کا، پس قرآن شریف ختم کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک بار اس آیت کو پڑھے جس سورت کے شروع میں چاہے پڑھے یہ آیت ہر سورت کا جزو نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے کہ اگر

Marfat.com

کسی سورت کے شروع میں بھی بسم اللہ نہیں پڑھی تو قرآن شریف ختم نہیں کیا۔

ماوردت بہ السنۃ۔

دعا کی چار قسمیں فقہا نے کی ہیں۔ (۱) دعاء رغبۃ جس میں طلب جنت کی جائے، اس میں دونوں ہاتھ سینہ کے مقابل پھیلائے اور آسمان کی طرف کفین کو کھولے۔ (۲) دعاء رہبۃ جس میں دوزخ سے پناہ مانگی جائے اس میں ظاہر کفین کو اپنے منہ کی طرف کرنا چاہیئے (۳) دعاء تضرع جس میں خدا کے سامنے اپنی عاجزی اور ذلّت کو ظاہر کرے اس میں خنصر اور بنصر کو بند کرے اور وسطیٰ اور ابہام کا حلقہ کرے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔ (۴) دعاء خفیہ جو دل میں کہی جائے اور اعلان و اظہار دعا کا اعضائے ظاہری سے نہ کیا جائے اس کے لیے ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے اعلان و اظہار کے وقت ہوتا ہے۔

مسئلہ۔ رکوع میں کھڑے ہونے کے بعد اور سجدوں کے درمیان اللّٰھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی کا پڑھنا کیسا ہے۔

جواب۔ سجدتین کے درمیان اور رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد دعائے مذکورہ پڑھنا فرائض میں اگرچہ مسنون نہیں ہے لیکن اس کا پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ۔ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے اور اگر امام عمامہ نہ باندھے ہو اور مقتدی عمامہ باندھے ہوں تو مقتدی یا امام کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر عمامے سے کان بند ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے یہ کہاں تک صحیح ہے۔ محراب کے اندر امام کا کھڑے ہو کر نماز پڑھانا کیسا ہے۔ امام قرأت میں زور سے تعوذ اور تسمیہ کرتا ہے اُس کا یہ فعل کیسا ہے۔

جواب۔ عوام میں مشہور یہی ہے کہ بدون عمامہ کے نماز مکروہ ہے لیکن ان کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ اصل یہ ہے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا مستحب اور اولیٰ ہے۔ بعض لوگ کراہت پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھی ہے اور مواظبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنت ہونے کی دلیل ہے اور خلاف سنت مکروہ ہے تو ان کا جواب یہ ہے کہ

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادات میں سے کسی فعل کو پابندی کے ساتھ کرنا اس فعل کے سنت ہدیٰ ہونے کی دلیل ہے اور عادۃً کسی کام کو ہمیشہ کرنا اس کام کے مسنون بسنت ہدیٰ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور عمامہ باندھنا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا عادۃً تھا اس لیے کہ عمامہ حجاز والوں کا عمومی لباس تھا لہذا اس کا ترک مکروہ نہ ہوگا پس صورت مسئولہ میں اگر امام بلا عمامہ ہو اور مقتدی عمامہ کے ساتھ ہوں تو کسی کی نماز مکروہ نہیں ہوگی۔

عمامہ سے اگر کان بند ہوجائیں تو نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

اگر امام کے قدم محراب در سے باہر ہیں تو نماز مکروہ نہیں، اسی طرح جماعت کثیرہ مثلاً جمعہ عیدین کے موقع پر مسجد کی تنگی کی وجہ سے اگر امام محراب کے اندر کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے۔

امام کا نماز کے اندر تعوذ و تسمیہ زور سے کرنا خلاف سنت ہے۔

مسئلہ۔ ظہر و عصر اور مغرب و عشا کے درمیان کوئی وقت مہمل ہوتا ہے یا نہیں۔ ہمارے یہاں ان چاروں نمازوں کے اوقات میں مقتدی آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ لہذا ان چاروں نمازوں کے اوقات تحریر فرما دیجئے آپ کا فتویٰ پہونچنے تک غالباً محرم کا مہینہ شروع ہوجائے گا۔

جواب۔ نماز ظہر و مغرب کا وقت ختم ہونے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت تمام ہوتا ہے جب دوپہر کے بعد ہر شے کا سایہ اس کے دو مثل ہوجائے اس سائے کے علاوہ جو نصف النہار کے وقت تھا۔ اس اختلاف کی وجہ سے ابتدائے وقت عصر میں بھی اختلاف ہوگیا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک سایہ مثلین سے عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور صاحبین کے نزدیک سایہ بمثلِ واحد سے عصر کا وقت آجاتا ہے۔

اسد بن عمرو امام ابو حنیفہ سے ایک روایت اس طرح بھی نقل کرتے ہیں کہ سایہ مثلِ واحد (جب ہر چیز کا سایہ نصف النہار کے بعد اس کے برابر ہوجائے نصف النہار کے وقت کے سایہ کے

علاوہ) سے ظہر کا وقت تمام ہو جاتا ہے لیکن عصر کا وقت اسی وقت سے شروع نہیں ہوتا ہے بلکہ عصر کا وقت اس وقت آتا ہے جب نصف النہار کے بعد ہر چیز کا سایہ دو ناپڑنے لگے اس سایہ کے علاوہ جو نصف النہار کے وقت تھا۔ اس قول پر امام صاحب کے مسلک پر ظہر اور عصر کے اوقات کے درمیان ایک وقت مہمل نکلتا ہے اور پہلے قول پر ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام صاحب کے پہلے قول کو اکثر علماء نے قبول کیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا ہے پس مفتی بہ قول پر امام صاحب کے نزدیک مابین الظہر والعصر کوئی وقت مہمل نہیں نکلتا ہے۔ البتہ ختم وقت ظہر میں چونکہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے اور مفتی بہ قول پر عصر کا وقت سایہ بمثلین سے شروع ہوتا ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ ظہر کی نماز سایہ بمثل واحد کے پڑھی جائے اور عصر کی نماز سایہ بمثلین پر پڑھی جائے تاکہ یہ دونوں نمازیں اپنے اپنے متفق علیہ وقت میں ہو جائیں۔

مغرب کا وقت سب کے نزدیک شفق کے غائب ہو جانے پر تمام ہوتا ہے لیکن شفق کے معنی میں اختلاف ہو گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک شفق نام ہے اس سفیدی کا جو اُفق پر سرخی غائب ہو جانے کے بعد دکھائی دیتی ہے اور صاحبین کے نزدیک شفق اس سرخی کا نام ہے جو غروب آفتاب کے ساتھ نمودار ہو جاتی ہے اس اختلاف معنی کی وجہ سے انتہائے وقت مغرب اور ابتدائے وقت عشا میں بھی امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو گیا ہے۔ صاحبین کے مسلک پر غروب آفتاب کے بعد سرخی غائب ہو جانے سے مغرب کا وقت تمام ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے اور امام صاحب کے مسلک پر سفیدی کے غائب ہو جانے سے عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

مغرب اور عشا کے درمیان کوئی وقت کسی امام کے نزدیک وقت مہمل نہیں ہوتا ہے۔

ماحصل یہ ہوا کہ مفتی بہ قول پر ظہر کا وقت دوپہر کے بعد ہر چیز کا دوگنا سایہ پڑنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ اور اسی وقت سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور مابین الظہر والعصر کوئی وقت مہمل نہیں ہوتا۔ اور امام صاحب کے ایک قول پر مابین الظہر والعصر وقت مہمل ہوتا ہے۔ اس قول کو طحاوی وغیرہ نے

Marfat.com

قبول نہیں کیا ہے۔ اور مغرب کا وقت مفتی بہ قول پر شفق سرخ کے غائب ہو جانے پر تمام ہو جاتا ہے اور اسی وقت سے عشا کے وقت کی ابتدا ہوتی ہے۔ مغرب اور عشا کے درمیان متفقہ طور سے کوئی وقت مہمل نہیں ہوتا ہے۔

یوم عرفی کے ۳/۴ حصہ کے گذر جانے پر تقریباً ہر چیز کا سایہ بمثل واحد پڑنے لگتا ہے اور جب یوم عرفی کا چھٹا حصہ باقی رہے تو ہر چیز کا سایہ بمثلین پڑنے لگتا ہے اور مفتی بہ قول پر اسی وقت ظہر کا وقت تمام ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور لیل عرفی کے بارھویں حصہ کے گزر جانے پر تقریباً شفق احمر غائب ہو جاتی ہے اور دسویں حصہ کے گذر جانے پر شفق ابیض غائب ہو جاتی ہے اور مفتی بہ قول پر بارھویں حصۂ شب گذر جانے پر مغرب کا وقت تمام ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے پس صورت مسئولہ میں محرم الحرام ۱۳۶۶ھ ہجری کی پہلی تاریخ ۲۶ نومبر کو تھی اور ۳۰ محرم ۲۵ دسمبر کو۔ اور ۲۶ نومبر کو یوم عرفی ۳۹ منٹ ۱۰ گھنٹہ کا اور لیل عرفی ۲۱ منٹ ۱۳ گھنٹہ کی تھی اور ۲۵ دسمبر کو یوم عرفی ۲۶ منٹ ۱۰ گھنٹہ کا تھا اور لیل عرفی ۳۴ منٹ ۱۳ گھنٹہ کی تھی۔ پورے مہینے میں یوم عرفی تیرہ منٹ کم ہوا اور لیل عرفی تیرہ منٹ بڑھی۔

پورے مہینے کی چند تاریخوں کے ظہر و عصر اور مغرب و عشا کا وقت لکھے دیتا ہوں۔

تاریخ	ابتدائے وقت ظہر	انتہائے وقت ظہر بسایہ مثل ابتدائے وقت عصر عند الصاحبین	انتہائے وقت ظہر بسایہ مثلین ابتدائے وقت ظہر عند الامام ابتدائے وقت عصر بقول مفتی بہ	ابتدائے وقت مغرب	غروب شفق احمر انتہائے وقت مغرب بقول مفتی بہ و ابتدائے وقت عشا	غروب شفق ابیض
یکم محرم ۱۳۶۶ھ ۲۶ نومبر	منٹ گھنٹہ ۵۶ - ۱۱	منٹ گھنٹہ ۳۳ — ۲	منٹ گھنٹہ ۲۶ — ۳	منٹ گھنٹہ ۱۳ — ۵	منٹ گھنٹہ ۲۰ — ۶	منٹ گھنٹہ ۲۸ — ۶
۵ محرم ۳۰ نومبر	۵۶ - ۱۱	۳۴ — ۲	۲۶ — ۳	۱۲ — ۵	۲۰ — ۶	۲۸ — ۶
۸ محرم ۱۳ دسمبر	۰ — ۱۲	۳۵ — ۲	۲۷ — ۳	۱۳ — ۵	۲۰ — ۶	۲۹ — ۶
۲۰ محرم ۱۵ دسمبر	۴ — ۱۲	۳۸ — ۲	۳۰ — ۳	۱۴ — ۵	۲۲ — ۶	۳۱ — ۶
۲۵ محرم ۲۹ دسمبر	۴ — ۱۲	۴۰ — ۲	۳۲ — ۳	۱۶ — ۵	۲۴ — ۶	۳۴ — ۶
۳۰ محرم ۲۵ دسمبر	۵ — ۱۲	۴۳ — ۲	۳۵ — ۳	۱۹ — ۵	۲۷ — ۶	۳۶ — ۶

مسئلہ۔ ایک شخص نماز پڑھنے کی حالت میں اپنا دھیان مسجد نبوی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور خاصکر روضہ اطہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیش نظر رہتا ہے آیا اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ نماز کے لیے اللہ تعالیٰ کو معبود و مسجود سمجھنا اور کعبہ کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کعبہ کو معبود و مسجود سمجھ کر نفس کعبہ کا سجدہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

بناءً علیہ صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور روضۂ مطہرہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کو مسجود لہا سمجھتا ہے تو یہ فعل کفر ہے اور نماز درست نہیں ہوتی اور اگر روضۂ اقدس کو مسجود لہا نہیں سمجھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو معبود و مسجود لہ یقین کرتے ہوئے نماز میں روضۂ منورہ کا دھیان آجاتا ہے اور تمام ارکان نماز اسی خیال میں ادا ہو جاتے ہیں تو ان خیالات کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں خشوع و خضوع مستحب ہے اگر نماز کی حالت میں خطرات قلبی پیدا ہوں تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں ہوتی بلکہ انسان کو اس سے مفر نہیں۔

مسئلہ۔ دوسری جماعت جب مسجد میں قائم ہو تو تکبیر کہی جائے یا نہیں۔

جواب۔ عمدۃ الرعایہ میں ہے فان دخل مع رفقائه فی مسجد قد صلی فیه باذان واقامة وصلی مع الجماعة لم یوذن ولا باس بالاقامة بل هو الافضل بناء علی ان تکرار الاذان فی وقت داخل مشوش والاقامة للحاضرین وهم فی الجماعة الثانیة غیر الاولیین فینبغی لهم۔ پس جماعت ثانیہ کے لیے اقامت کہنا افضل ہے۔

مسئلہ۔ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے ایک مقتدی آکر شریک ہوا اور اس نے اللہ اکبر تحریمہ کہا۔ کیا قعدہ میں جانے کے لیے اس کو تکبیر کہنا چاہیے یا نہیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں اس مقتدی کو قعدہ میں شرکت کے لیے دوسری تکبیر کہہ کر قعدہ میں شریک ہونا چاہیے۔ لیکن اگر امام رکوع میں ہو اور مقتدی کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ لے تو

ھ اگر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی مسجد میں جہاں اذان اقامت کے ساتھ نماز ہو چکی ہو کوئی داخل ہو اور وہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو اذان نہ کہے اقامت کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ افضل ہے اس لیے کہ اذان کی تکرار سے سننے والوں کو تشویش ہو سکتی ہے۔ اور اقامت صرف حاضرین کے لیے ہوتی ہے اور وہ جماعت ثانیہ میں پہلے نمازیوں سے مختلف ہوتے ہیں اس لیے اقامت کہنا چاہیے۔

Marfat.com

رکوع میں شرکت کے لیے دوسری تکبیر کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ رکوع قیام سے قریب تر ہے لہذا حالت قیام کی تکبیر بے نیاز کردیتی ہے رکوع کی تکبیر سے جو قیام سے قریب تر ہو، برخلاف سجدہ وقعود کے کہ وہ قیام سے بعید تر ہیں لہذا ان میں شریک ہونے کے لیے علیحدہ تکبیر کہنا چاہیے

مسئلہ ۔ اگر فجر یا عشا کی نماز قضا پڑھی جائے تو اس میں قرأت زور سے کرنا چاہیے یا آہستہ سے۔

جواب ۔ جہری نماز اگر چند اشخاص کی قضا ہوگئی ہو اور وہ لوگ اس نماز کی قضا جماعت کے ساتھ کریں تو امام کو قرأت بالجہر کرنا چاہیے اور اگر تنہا کوئی شخص جہری نماز کی قضا کرے ان اوقات میں جن میں قرأت آہستہ سے کی جاتی ہے تو اس کو قرأت بالسر کرنا (آہستہ سے قرأت کرنا) واجب ہے قول اصح پر۔ اور اگر وہ شخص جہری نماز کی قضا ان اوقات میں کرے جن میں قرأت بالجہر کی جاتی ہے تو اس کو اختیار ہے خواہ قرأت آہستہ سے کرے یا زور سے۔

مسئلہ ۔ بھولے سے ایک شخص نے نماز عشا کی پہلی رکعت میں واللیل اور دوسری رکعت میں والشمس پڑھی تو نماز مکروہ ہوئی یا نہیں اور اس طرح بھولے سے قرأت کرنے پر کوئی گناہ لازم آتا ہے یا نہیں۔

جواب ۔ قرآن مجید کو ترتیب سور کے ساتھ پڑھنا واجبات تلاوت سے ہے واجبات صلوٰۃ سے نہیں ہے لہذا قرآن مجید کی تلاوت سورتوں کی ترتیب سے کرنا واجب ہے اور ضرورت کے وقت علمانے ترتیب سور کو پلٹ کر تلاوت قرآن کو الضرورۃ تبیح المحظورات کی بنا پر جائز ٹھہرایا ہے چنانچہ ان کی کتابوں میں ہے کہ بچوں کو چھوٹی چھوٹی سورتوں کا یاد کرانا آسان ہوتا ہے اس لئے ان کی ابتدائی تعلیم کے لئے پہلے چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھانا پھر بڑی بڑی سورتیں پڑھانا جائز ہے، اور ترتیب سور کو پلٹ کر نماز میں پڑھنا یعنی قرأت منکوسہ کرنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا۔ اور قرأت منکوسہ کی دو قسمیں ہیں (۱) تنکیس عمداً (۲) تنکیس سہواً، اور علمائے تصریح کردی ہے کہ عمداً قرأت منکوسہ مکروہ ہے اور سہواً قرأت منکوسہ مکروہ نہیں ہے فلہذا اگر کوئی شخص بھولے سے قرأت منکوسہ کرے تو یہ فعل مکروہ نہیں ہوگا خواہ اس قسم کی قرأت خارج صلوٰۃ کرے یا نماز میں کرے خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل تو جب بھولے سے قرأت منکوسہ مکروہ نہیں ہے تو اگر یہ فعل نماز میں ہوا ہے تو وہ نماز بھی مکروہ نہ ہوگی اس لئے

(حاشیہ: ۱ چھوٹی سورت کو بیچ میں چھوڑ کر پڑھنا اور سورتوں کی ترتیب کو پلٹ کر پڑھنا مکروہ ہے۔)

Marfat.com

اوران علما کا اختلاف علت کراہت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو حضرات مطلقاً اس مکان میں نماز پڑھنے کو مکروہ جانتے ہیں جس میں تصویر آویزاں ہو ان کے نزدیک کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس مکان میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے ہیں اور جس مکان میں رحمت کے فرشتے نہ جائیں وہ بدترین محل ہے اور بدترین جگہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور بعض حضرات نماز کے مکروہ ہونے کی علت تصویر کی تعظیم بالعبدۃ الاذثان (بت پرستوں) کی عبادت سے مشابہت کو علت ٹھہراتے ہیں پس اگر کسی مکان میں تصویر آویزاں ہو اور اس مکان میں نماز پڑھنے کی وجہ سے تصویر کی تعظیم کے ساتھ بت پرستوں کی عبادت سے مشابہت بھی پائی جائے تو نماز میں کراہت شدیدہ پائی جائے گی جیسے اس مکان میں تصویر نماز پڑھنے والے کے سامنے ہو اور اگر صرف تعظیم تصویر کی ہوتی ہو اور مشابہت بت پرستوں کی عبادت سے نہ پائی جائے تو بقدر تعظیم کراہت میں تفاوت ہوتا جائے گا بناءً علیہ جو تصویر قبلہ رخ آویزاں نہ ہو بلکہ نماز پڑھنے والے کے سرپر آویزاں ہو تو اس کی کراہت زیادہ ہوگی اور اگر دائیں بائیں آویزاں ہو تو اس کی کراہت اس سے کم ہوگی اور اگر پیچھے آویزاں ہو تو اس کی کراہت اس سے بھی کم ہوگی پس اگر مصلی کے پس پشت ذی روح کی تصویر آویزاں ہو تو ان حضرات کے نزدیک جو علت کراہت عدم دخول ملائکہ مانتے ہیں نماز مکروہ ہوگی اور جو حضرات تعظیم تصویر کو علت کراہت مانتے ہیں ان میں سے بعض کا یہ خیال ہے کہ پس پشت تصویر آویزاں ہونے میں تعظیم تصویر کی نہیں ہوتی بلکہ پس پشت ہونے کی وجہ سے فی الجملہ وہ تصویر نہاں ہو گئی اس لئے نماز مکروہ نہ ہوگی۔ اور یہ روایت اصول احناف کے موافق بھی ہے اور بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ تصویر کے آویزاں کر دینے سے فی الجملہ تعظیم تصویر کی ہوتی ہے لہذا فی الجملہ نماز میں کراہت بھی آئے گی

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص اس مکان میں جس میں ذی روح کی تصویر آویزاں ہو نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ جس مکان میں ذی روح کی تصاویر آویزاں ہوں اس مکان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی شخص نماز پڑھ لے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

مسئلہ۔ اگر کسی شخص نے نماز عشا میں اول رکعت میں سورۃ القارعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ القدر پڑھی

تو نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے سہواً ایسا کیا اور سلام پھیرنے کے بعد بھی اس کو اپنی اس غلطی کا خیال نہ ہوا تو کیا اس کے اس سہو سے نماز میں جو کراہت ہوئی ہے وہ زائل ہوجائے گی۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں جبکہ شخص مذکور نے سہواً اس طور سے قرأت کی تھی تو نہ گنہگار ہوگا نہ کراہت ہوگی

مسئلہ۔ نماز وتر میں کون سورتیں پڑھنا مسنون ہیں۔

جواب۔ جو صورت چاہے پڑھے لیکن ان صورتوں کا پڑھنا بہتر ہے جن سے اتباع سرکار رسالت ہو لہذا پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا یا پہلی میں سورۂ اخلاص، دوسری میں سورۂ فلق اور تیسری میں سورۂ ناس پڑھنا مسنون ہے۔

جدول قرأۃ سورِ صلوٰۃ الوتر

رکعۃ اولیٰ	رکعۃ ثانیہ	رکعۃ ثالثہ
اعلیٰ	کافرون	اخلاص فلق۔ ناس
اعلیٰ	کافرون	اخلاص
تکاثر	والعصر	کافرون
قدر	نصر	تبت
زلزال	کوثر	اخلاص
کافرون	فلق	ناس
اخلاص	فلق	ناس

Marfat.com

باب الجنائز

مسئلہ۔ عید الفطر کو مسلمان عید گاہ میں موجود ہیں دس بجے دن کو تین جنازے بغرض ادائے نماز آئے ایسی حالت میں پیشتر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نماز عید الفطر۔ کیا نماز عید الفطر پڑھ کر خطبہ سے پہلے نماز جنازہ ادا کرنا مقدم ہے اگر نماز عید الفطر مع خطبہ ہو جانے کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی ایسی حالت میں کوئی شرعی نقص تو نہیں ہوا۔ نماز جنازہ جمعہ کو قبل خطبہ پڑھی جائے یا بعد خطبہ و نماز۔

جواب۔ نماز عید الفطر پہلے پڑھی جائے درمختار میں ہے وتقدم صلاتها على صلوة الجنازة اذا اجتمعا۔ نماز جنازہ پہلے پڑھی جائے اور خطبہ عید بعد کو۔ لیکن بعض علماء کے نزدیک سنت مقدم ہے نماز جنازہ پر اس لئے خطبہ کے بعد بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ درمختار میں ہے ــــــــ وتقدم صلوٰة الجنازة على الخطبة اى خطبة العيد عن الحلبى الفتوى على تاخير الجنازة عن السنة نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے کیونکہ نماز جمعہ فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ تقديم الجمعة على الجنازة للعلة المذكورة ولانها فرض عين۔

(حاشیہ: [illegible] عید کی نماز مقدم کی جائے نماز جنازہ پر [illegible] خطبہ [illegible] عید کے خطبہ پر نماز جنازہ مقدم کی جائے بعض [illegible] سے مروی ہے کہ سنت [illegible] خطبہ عید [illegible] کے بعد نماز جنازہ [illegible] ہے۔ [illegible] کیونکہ [illegible] مقدم ہے۔)

مسئلہ۔ ہم مسلمانوں کا قبرستان موضع ۔۔۔ سے ایک فرلانگ پر دو درمیان آراضیوں کے جن میں فصل لگی ہوئی ہے اور قبرستان کے بیچم دونوں جنوبی و شمالی کونوں پر عید گاہ اور جامع مسجد پختہ بنی ہیں۔ قبرستان کا شرقی حصہ قبر والے سے خالی اور غربی حصہ قبروں سے بھرا ہوا ہے۔ چونکہ بفضلہ تعالیٰ میرا موضع مسلّم اور بڑا ہے اکثر موتیں ہوا کرتی ہیں چنانچہ خالی فصل میں نماز جنازہ کھیتوں میں پڑھی جاتی ہے اور لگی ہوئی فصل اور بارش میں نماز جنازہ پڑھنے میں بے حد تکلیف و دقت ہوتی اور دور تک کوئی جگہ سوا قبرستان کے شرقی جگہ کے زمین خالی نہیں تھی ہے اس وجہ سے گزارش ہے کہ از روئے شرع شریف ارقام فرمایا جائے کہ مذکورہ بالا مجبوریوں سے عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ جنازہ عید گاہ کے باہر رکھ کر نماز جنازہ پڑھ لی جائے صفیں عید گاہ کے اندر باندھ لی جائیں۔

مسئلہ۔ کافرہ یا مسلمہ عورت کے بطن سے زنا کی وجہ سے جو بچہ پیدا ہوا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں۔

جواب۔ ولد الزنا کے نماز جنازہ کے متعلق جب کہ وہ زمانہ غیر بلوغ میں مر جائے مسئلہ یہ ہے کہ اگر مزنیہ عورت کافرہ ہو اور زانی مرد مسلمان یا کافر ہو تو ان کے زنا کی وجہ سے جو بچہ پیدا ہو گا اس کا نسب زانی مرد سے ثابت

Marfat.com

نہ ہوگا۔ اس لئے کہ زنا سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا نسب زانی سے نہیں ثابت ہوتا ہے پس یہ لڑکا کافرہ عورت کا ہوگا اس لیے کہ اس کے بطن سے پیدا ہوا اور کافر کا بچہ کافر ہی ہوتا ہے جب تک سن تعقل میں اسلام نہ لے آئے۔ پس یہ نابالغ لڑکا اگر سمجھ دار ہو کر مسلمان نہیں ہوا تھا تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور اس کی تجہیز و تکفین مسلمانوں کی طرح نہیں کی جائے گی۔

لیکن اگر یہ لڑکا سمجھ دار ہو کر اسلام لے آیا تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کی تجہیز و تکفین مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اگر مزنیہ عورت مسلمان ہو تو اس کے بطن کا بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا خواہ مرد زانی مسلمان ہو یا کافر اور یہ لڑکا اپنی ماں کی تبعیت میں مسلمان ہوگا اور اس کے مرنے پر اس کی تجہیز و تکفین تدفین مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اس لئے کہ نماز جنازہ پڑھنے کی منجملہ شرطوں سے میت کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ اگرچہ اس میت کا مسلمان ہونا احد الابوین کی تبعیت میں ہو۔

مسئلہ۔ کیا جو شخص جنازہ کو دیکھے اس پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے اور اگر اس نے اس جنازہ کی نماز نہیں پڑھی تو گناہ گار ہوگا یا نہیں۔

جواب۔ مسلمان کا جنازہ دیکھنے والوں اور اس میں شرکت کرنے والوں پر جنازہ کی نماز پڑھنا واجب علی الکفایہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک پڑھ لے گا تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور اگر کوئی بھی نہ پڑھے گا تو سب گناہ گار ہوں گے پس صورت مسئولہ میں جو شخص مسلمان میت کے جنازہ کو دیکھے اس پر نماز جنازہ واجب ہو جاتی ہے اگر بعضوں نے نماز جنازہ پڑھ لی تو اس کے ذمہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

مسئلہ۔ میت کے کچھ اجزا اگر دستیاب ہوں تو ان کو غسل دینے اور ان کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔

جواب۔ جب تک میت کا نصف سے زائد حصہ موجود نہ ہو اس کو غسل نہ دیا جائے اور نماز نہ پڑھی جائے بلکہ اس کو دفن ہی کر دینا چاہیے اور اگر نصف حصہ سے زائد ملا ہے تو اس کو غسل دینا چاہیے اور نماز پڑھنا چاہیے اگرچہ میت کا سر غائب ہو۔

مسئلہ۔ اگر مسلمان کی میت ڈوب جائے تو برآمد ہونے پر اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں۔

جواب۔ اگر کوئی شخص ڈوب جائے اور اس کی نعش برآمد ہو تو اگر نعش جاری پانی میں سے نکالی نہیں گئی ہے تو

کہ وہ نماز فعل مکروہ سے خالی ہے اور اگر قرأت منکوس یا فصل وغیرہ نماز کے اندر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) تنکیس عمداً فرائض میں ہو (۲) تنکیس عمداً نوافل میں ہو تو اگر تنکیس عمداً فرائض میں ہو تو تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور اگر تنکیس عمداً یا فصل بالقصیرہ وغیرہ نوافل میں ہو تو اکثر علما کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک اگر نماز نفل میں عمداً تنکیس یا فصل بالقصیرہ وغیرہ پایا جائے تو بھی مکروہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ تنکیس سہواً مکروہ نہیں ہے خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اور تنکیس عمداً مکروہ ہے فرائض کے اندر، نماز کے باہر وہ نفل کے اندر مختلف فیہ ہے اکثر علما کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔ بنا علیہ صورت مسئولہ میں جبکہ شخص مذکور نے نماز عشا میں بھولے سے قرأت منکوسہ کی تھی تو چونکہ اکثر علما کے مسلک پر نماز میں کوئی فعل مکروہ نہیں پایا گیا اس لئے نماز میں کراہت نہ ہوگی۔

مسئلہ - ہمارے یہاں دستور ہے کہ مسجد میں ظہر، مغرب اور عشا میں فرائض سے فراغت کے بعد نمازی سنتیں پڑھنے لگتے ہیں جب سب نمازی سنتوں سے فارغ ہو جاتے ہیں تو امام دعا مانگتا ہے اور تمام نمازی اس دعا میں شریک ہوتے ہیں اور آمین کہتے ہیں اور جو نمازی سنتوں سے جلد فراغت پا جاتے ہیں وہ اس دعا کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح سے دعا مانگنا اور نمازیوں کا دعا کے انتظار میں بیٹھے رہنا جائز ہے یا ناجائز۔ یہاں بعض لوگ اس طریقہ کو ناجائز کہتے ہیں اور دعا میں شریک نہیں ہوتے اور اس طرح دعا مانگنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔

جواب - ظہر اور مغرب اور عشا کے فرائض ادا کرنے کے بعد مصلیوں کا سنن رواتب میں مشغول ہونا اور سنن وغیرہ سے فارغ ہو کر دعا کے انتظار میں بیٹھنا اور سب مصلیوں کے نماز سے فراغت کے بعد امام کا دعا مانگنا اور حاضرین کا آمین کہنا امور غیر مشروعہ نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کی سند کتابوں میں موجود ہے۔

ان نمازوں کے بعد سنن میں مشغول ہونا اور سنن سے فراغت کے بعد اذکار و دعا مانگنا درمختار اور شامی کی اس عبارت سے جائز اور مندوب معلوم ہوتا ہے ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللھم انت السلام الخ قال الحلوانی لا باس بالفصل بالاوراد واختارہ الکمال قال الحلبی ان ارید بالکراھۃ التنزیھیۃ ارتفع الخلاف قلت وفی حفظی

(۱) اور مکروہ ہے سنتوں میں اللھم انت السلام الخ پڑھنے سے زیادہ دیر کرنا حلوانی کہتے ہیں کہ وظیفہ پڑھنے کے بقدر اگر دیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور کمال نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حلبی کا کہنا ہے کہ اگر کراہت تنزیہیہ مراد لی ہے تو کوئی اختلاف نہیں رہتا میں کہتا ہوں کہ میری یادداشت کے مطابق مختصر وظیفہ مراد ہے اور مستحب ہے کہ تین دفعہ استغفار کرے آیۃ الکرسی پڑھے معوذتین پڑھے سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر ۳۳، ۳۳ بار پڑھے اور لا الہ الا اللہ ایک بار کہے اور دعا کرے اور ان کو ختم کرے۔ درمختار

حملہ علی القبیلۃ ویستحب ان یستغفر ثلاثا ویقرأ آیۃ الکرسی والمعوذات ویسبح و یحمد ویکبر ثلاثاً وثلثین ویھلل تمام المائۃ ویدعو ویختم بسبحان ربک (درمختار)

اور علامہ شامی لکھتے ہیں ویکرہ الا بقدر اللّٰھم لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد الا بمقدار ما یقول اللّٰھم انت السلام الخ (۱) واما ما ورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوٰۃ فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بھا قبل السنۃ بل یحمل علی الاتیان بھا بعدھا لان السنۃ من لواحق الفریضۃ وتوابعھا ومکملاتھا فلم تکن اجنبیۃ عنھا فما یفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ

(۱) اور مکروہ ہے اللّٰھم انت السلام الخ سے زیادہ سنتوں میں دیر کرنا جیسا کہ مسلم و ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے اور نماز کے بعد ذکر اور وظیفہ کے بارے میں جو کچھ حدیثوں میں آیا ہے تو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ سنتوں سے پہلے پڑھا جاتا تھا بلکہ سمجھا جائیگا کہ سنتوں کے بعد ذکر اور وظیفہ پڑھا جاتا تھا، سنتیں فرض کی تابع ہیں اور فرض کی تکمیل کرنے والی ہیں تو وہ نماز فرض سے الگ نہیں ہوں گی۔ اور سنتوں کے بعد جو کچھ کیا جائے اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فریضہ کے بعد کیا گیا۔

دعا کے لئے نمازیوں کا مسجد میں بیٹھا رہنا بھی اس حدیث مشکوٰۃ سے جائز معلوم ہوتا ہے وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلاۃ الغداۃ حتی تطلع الشمس احب الی من ان اعتق اربعۃ من ولد اسمٰعیل۔ الحدیث۔ ملا علی قاری اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں وھو یعم الدعاء والتلاوۃ ومذاکرۃ العلم وذکر الصالحین۔ اور ان اوقات مخصوص کے ذکر کے متعلق لکھتے ہیں ولم یلزم من تخصیص الشئ بالذکر نفی ما عداہ کما ھو مقرر۔

نماز پنجگانہ کے بعد دعا مانگنا قبولیت دعا کا محل ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے عن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات رواہ الترمذی اور دبر صلوٰۃ کا اطلاق ان نمازوں میں جن کے بعد سنن بھی مسنون ہیں بعد فراغ سنن پر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا سنن سے فراغت کے بعد بھی دعا مانگنا محل قبولیت ہوگا۔

اذکار و ادعیہ کے لئے مجتمع ہونا بھی کار ثواب ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے عن ابی ھریرۃ و ابی سعید قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ الحدیث اور ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔ ومن جملۃ الاذکار الادعیۃ والاستغفار وفیہ دلالۃ علی ان للاجتماع علی الذکر مزیۃ ومرتبۃ۔

Marfat.com

دعا کے ختم پر آمین کہنا مستحب ہے خواہ امام اور نمازی دونوں آمین کہیں یا امام دعا مانگے اور نمازی آمین کہیں جیسا کہ مشکوٰۃ میں ابی ظہیر نمیری کی روایت کردہ حدیث قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فاتینا علی رجل قد الح فی المسئلۃ (ای بالغ فی السوال والدعاء من اللہ) فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوجب ان ختم فقال رجل من القوم بای شیئ یختم قال بآمین (رواہ ابو داؤد) کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں قال الطیبی فیہ دلالۃ علی ان من دعا یستحب ان یقول آمین بعد دعائہ وان کان الامام یدعو والقوم یؤمنون فلاحاجۃ الی تامین الامام اکتفاء بتامین المأموم۔ پس اگرچہ اس ہیئت اجتماعی کے ساتھ نماز پنجگانہ کے بعد دعا مانگنا خیر القرون میں ثابت نہیں لیکن مطلقاً ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا مانگنا خیر القرون میں ثابت ہے جیسا کہ استسقاء (طلب باراں) کی دعا مانگنا خیر القرون میں ثابت ہے۔ لہٰذا جب کہ اس ہیئت اجتماعی کے ہر ہر فرد کی سند ملتی ہے اور مجموعہ کی بھی سند ملتی ہے تو نماز پنجگانہ کے بعد اس ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا مانگنا غیر مشروع نہ ہوگا۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبد الحی تحریر فرماتے ہیں ”اگرچہ از خیریت فرد فرد خیریت مجموع لازم نمی آید مگر ہرگاہ خیریت مجموع بسبب اندراجش زیر قاعدہ شرعیہ معلوم شدہ جائے چون وچرا باقی نماند“ اور اس طرح سے دعا مانگنے والوں پر ملامت نہ کی جائے گی اور جو لوگ اس طریقہ دعا میں شریک نہ ہوں اور اس کو لازم و ضروری نہ جانیں ان پر بھی ملامت نہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ۔ اگر مصلی کے سامنے قبر ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں اور اگر جماعت کے کثیر ہونے کی وجہ سے نمازی قبرستان میں صف باندھ لیں اور ان کے سامنے قبریں پڑیں تو ان کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں۔

جواب۔ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے اتنی دور پر قبر ہو کہ نماز پڑھنے والا اگر خاشع کی طرح نماز پڑھے تو اس کی نظر قبر پر نہ پڑے تو نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے لاتکرہ الصلوٰۃ فی جھۃ قبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لو صلی صلوٰۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ۔ (شامی) اور اگر نماز پڑھنے والے کی نظر قبر پر پڑتی ہے لیکن نماز پڑھنے والے اور قبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو بھی نماز مکروہ نہیں ہوتی اور اگر کوئی چیز حائل نہ ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے اور ازدحام اور کثرت جماعت کی وجہ سے کراہت کا مرتفع ہونا صحیح نہیں اس لیے کہ علت کراہت یعنی مشابہت عبدۃ الاصنام

Marfat.com

کے ساتھ مرتفع نہیں ہوئی۔

مسئلہ۔ اگر نماز میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے بعد امام "صلی اللہ علیہ وسلم" زور سے پڑھے اور مقتدی بھی پڑھیں تو نماز ہوگی یا نہیں۔

جواب۔ اگر امام مذکور نماز میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے بعد قرأت قران میں "صلی اللہ علیہ وسلم" باواز بلند پڑھ لیتا ہے تو اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی ہے لیکن یہ اضافہ خلاف ادبی ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے امام مذکور کو قرأت قران میں اس کے کلمات کو ترتیب قرآنی کے ساتھ پڑھنا افضل و ادبی ہے۔ لیکن اگر مقتدی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر اس کے جواب میں صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے تو انکی نماز فاسد ہو جائیگی

مسئلہ۔ نماز میں کسی سنت کا چھوٹ جانا کیسا ہے۔

جواب۔ اگر نماز میں کوئی سنت غیر مؤکدہ چھوٹ جائے تو نماز مکروہ بکراہت تنزیہ ہوتی ہے اور اگر سنت مؤکدہ چھوٹ جائے تو نماز مکروہ بکراہت تحریمہ ہوتی ہے۔

مسئلہ۔ اگر نمازی کے پس پشت قبر ہو یا اس کے سامنے قبر ہو لیکن نمازی اور قبر کے درمیان ایک چھوٹی سی دیوار حائل ہو تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ اگر قبر مصلی کے پیچھے ہو یا نماز پڑھنے والے اور قبر کے درمیان سترہ قائم ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے اور بلا کراہت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ۔ اگر مصلی کے پس پشت تصویر آویزاں ہو تو نماز میں کراہت آتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ اگر مصلی کے سامنے یا دائیں یا بائیں یا سر کے اوپر جاندار کی بڑی تصویر آویزاں ہو تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر فرش پر تصویر بنی ہو تو اس پر نماز پڑھنا اس وقت مکروہ نہ ہوگا کہ سجدہ مصلی کا تصویر پر نہ ہو اور اگر ذی روح کی تصویر نماز پڑھنے والے کے پس پشت آویزاں ہو تو نماز کے مکروہ ہونے میں علما کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک نماز مکروہ ہوتی ہے اگرچہ اس کی کراہت کم ہے اس کراہت سے کہ ذی روح کی تصویر مصلی کے سامنے یا بالائے سر یا داہنے اور بائیں آویزاں ہو۔ اور بعض علما اس کے قائل ہیں کہ ذی روح کی تصویر اگر مصلی کی پشت پر آویزاں تو نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے اگرچہ اس طرح تصویر کا آویزاں کرنا فی نفسہ مکروہ ہے۔

اس کو بقصد غسل حرکت دلانا ضروری ہے۔ اور اگر جاری پانی میں نہیں ہے یا نعش نکال لی گئی ہے تو اس کو غسل دینا ضروری ہے۔

مسئلہ۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع ونھانا عن سبع امرنا باتباع الجنازۃ الحدیث۔ اس میں اتباع جنازہ کے کیا معنے ہیں۔

جواب۔ جنازہ کی اتباع جو مامور بہ ہے صرف نماز پڑھنے یا دفن میں شرکت سے حاصل ہو جاتی ہے۔

مسئلہ۔ جنازہ کے ساتھ چلنے کا کیا طریقہ ہے۔

جواب۔ جنازہ کے پیچھے چلنا احناف کے نزدیک افضل ہے اور جنازہ سے متصل آگے آگے چلنا بھی جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جنازہ سے متصل آگے آگے چلنا افضل ہے۔

مسئلہ۔ زیارت قبور کس دن کرنا چاہیے۔

جواب۔ چونکہ بزرگوں کی ارواح کا تعلق ان کے قبور کے ساتھ عموماً شب جمعہ اور یوم جمعہ اور شب شنبہ ذکر دیا جاتا ہے۔ اسلئے ان ایام میں بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہونا باعث برکت ہے

مسئلہ۔ میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرنا کیسا ہے۔

جواب۔ ضرورت کے وقت میت کو لکڑی یا پتھر یا لوہے کے تابوت میں رکھ کر دفن کرنا درست ہے خواہ میت مرد کی ہو خواہ عورت کی بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کی میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرنا بہتر ہے خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو اسلئے کہ عورت کو اس طرح قبر میں رکھنے سے عورت میت کی پردہ داری ہو جاتی ہے جو مطلوب شریعت ہے۔

مسئلہ۔ ایک قبر میں کئی مردے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ دو یا تین آدمیوں کا ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہے۔ اور مُردوں کے درمیان مٹی ڈال دی جائے تاکہ وہ پردہ کے قائم مقام ہو جائے اور ان مُردوں میں جو افضل ہو وہ پہلے رکھا جائے۔

مسئلہ۔ میت کو ایصال ثواب قرآن یا عبادات بدنی ومالی کے ساتھ درست ہے یا نہیں۔ نیز فاتحہ مروجہ میں جو کھانے پر فاتحہ دلایا جاتا ہے اور بطور دعوت لوگوں کو کھلایا جاتا ہے اس کا ثواب بھی میت

Marfat.com

کو بخشا جا سکتا ہے یا نہیں

جواب - قرآن اور احادیث مشہورہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان موتیٰ کیلئے دعائے مغفرت کرنے کا ثواب مسلم اموات کو پہونچتا ہے اور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طور سے ایصال ثواب فرماتے تھے لیکن دوسری حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرأۃ قرآن کا ثواب بھی مسلم اموات کو پہونچتا ہے اور صدقات کا ثواب بھی مسلمان مردوں کو پہونچتا ہے خواہ صدقات جاریہ ہوں جیسے کسی ایسے مقام پر کنواں بنوا دینا جہاں پانی کی ضرورت ہو اور اس کا ثواب مسلمان میت کی روح کو بخش دینا، خواہ صدقات غیر جاریہ ہوں جیسے کسی مسلمان کی ضیافت کرنا بلکہ صوم، حج اور بردہ آزاد کرنے کا ثواب بھی مسلمان میت کو پہونچتا ہے۔ پس مسلمان میت کے لئے ایصال ثواب دعائے مغفرت، قرأت قرآن، روزے، حج، بردہ آزاد کرنے اور صدقات سے کیا جا سکتا ہے لہذا ہر اس چیز سے جس پر صاحب شریعت نے صدقہ کا اطلاق فرمایا ہے ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کل معروف صدقۃ اور علامہ عینی معروف کی تشریح کرتے ہیں المعروف اسم جامع لکل ما عرف من تعالیٰ اللہ والتقرب الیہ والاحسان الی الناس وکل ما ندب الیہ الشرع ونہی عنہ من المحسنات والمقبحات یعنی معروف ایسا جامع لفظ ہے جو شامل ہے تمام ان چیزوں کو جن سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اور ان کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور ان سے بندوں پر احسان ہوتا ہے اور ان چیزوں کو بھی شامل ہے جن کی اچھائی کی وجہ سے شریعت نے ان کو مستحب قرار دیا ہے اور ان چیزوں کو بھی شامل ہے جن سے شریعت نے ان کی برائی کی وجہ سے ان کو روک دیا ہے۔ اور ہدایہ میں ہے والصدقۃ کالھبۃ لا تصح الا بالقبض ولا رجوع فی الصدقۃ لان المقصود ھو الثواب وقد حصل وکذا اذا تصدق علی غنی استحسانا لانہ قد یقصد بالصدقۃ علی الغنی بالثواب یعنی صدقہ بھی ہبہ کی طرح بدون قبضہ کے صحیح نہیں ہوتا لیکن صدقہ میں قبضہ دلانے کے بعد رجوع کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ صدقہ کا مقصد حصول ثواب ہوتا ہے جو قبضہ دلانے سے حاصل ہو جاتا ہے اور اسی طرح غنی کو صدقہ کرنا بھی استحساناً صحیح ہے اس لئے کہ بعض وقت غنی کو صدقہ دینے سے بھی حصول ثواب کا قصد کیا جاتا ہے۔

عبارات مذکورۂ بالا سے معلوم ہوا کہ ہر کار خیر جس سے ثواب حاصل ہو صدقہ میں داخل ہے اور ایسے صدقات

اور کار خیر کے ثواب کو میّت کی روح پر بخشنا بھی جائز ہے اس لئے کھانا کھلانے کے ثواب کو میّت تک پہونچانا بھی جائز ہوگا۔ خواہ اس مقدار طعام کو معین اور مقرر کرنے کیلئے فاتحہ کے وقت سامنے رکھ لیا جائے یا نہ رکھا جائے۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں عام دستور ہے کہ کفنانے کے بعد میّت کا چہرہ دکھایا جاتا ہے۔ شرعاً یہ فعل جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ بخاری شریف میں ہے باب[۱] الدخول على الميت بعد الموت اذا ادرج فی اکفانه حدثنا بشر بن محمد قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنی معمر و یونس عن الزهری قال اخبرنی ابو سلمة عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم اخبرته قالت اقبل ابو بکر علی فرسه من مسکنه بالسنح حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علی عائشة رضی الله عنها فتیمم النبی صلی الله علیه وسلم وهو مسجی ببرد حبرة فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله ثم بکی الحدیث۔ اس حدیث کے تحت علامہ عینی نے ان اعتراضات کا رد کہ امام بخاری نے باب کی سرخی یوں قائم کی کہ کفنانے کے بعد میّت کے چہرہ کا کھولنا اور دیکھنا اور اس کے متعلق جو حدیث ذکر کی ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر رخِ پرنور کی زیارت وفات کے بعد غسل کے پہلے کی تھی لہذا یہ حدیث عنوان باب کے مطابق نہیں، جواب اس طرح دیا ہے کہ میت کی زیارت کرنے کا حکم اس پر چادر ڈال دینے اور کفنانے کے بعد یکساں ہے اس لئے کہ جو حضرات میّت کے دیکھنے کی مخالفت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ غسل دینے والوں اور ان کے معاونین کے علاوہ دوسروں کو میت کی نعش پر کپڑا ڈال دینے کے بعد نہیں دیکھنا چاہیئے کیونکہ موت کی وجہ سے عام طور پر میت کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے اسی وجہ سے موت کے بعد اس پر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے کہ دوسروں کو موت کے بعد کی حالت نہ معلوم ہونے پائے اور حالت خراب ہونے کی صورت میں میت کا تذکرہ برائی سے نہ کرنے لگیں یہی بات کفنانے کے بعد بھی پائی جاتی ہے اس لئے کفنانے کے بعد بھی دوسروں کو چہرہ نہ دکھانا چاہیئے پس حدیث مذکور میں جبکہ حضرت ابوبکر صدیق نے جسم پر کپڑا ڈال دینے اور جسم اطہر کو چادر سے چھپا دینے کے بعد روئے انور کی زیارت کی تو کفنانے کے بعد بھی زیارت جائز ہوگی اور اس حدیث سے جو مسائل علامہ عینی نے مستنبط کئے ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ میت کی پیشانی کا بوسہ دینا جائز ہے۔ اور حضرت ابوبکر نے بوسہ دینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی تھی اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کے چہرے کو

[۱] بیان موت کے بعد جب میت کو کفن پہنا دیا جائے تو میت کو دیکھنا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر سے جو مقام سنح میں تھا گھوڑے سے اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور کسی سے کوئی تخاطب نہیں کیا یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوئے اور سیدھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] حضور انور کا جسد [illegible] یمنی چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا حضرت ابوبکر نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی پھر جھکے اور بوسہ دیا پھر رونے لگے (الحدیث)

Marfat.com

بوسہ دیا جب آپ ان کی موت کی خبر سن کر ام العلاء کے مکان میں تشریف لائے جہاں حضرت عثمان بن مظعون رہتے تھے ۔ پس ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کا چہرہ کفنانے کے بعد کھولنا جائز ہے ۔

مسئلہ ۔ امام بعد نماز جماعت شمال کی طرف رخ کرکے دعا مانگے یا جنوب کی طرف اس کے متعلق دلیل شرعی کیا ہے اور رخ تبدیل کرنے میں کیا راز پوشیدہ ہے ۔ یا دونوں طرف گھومنے کا اختیار امام کو ہے کیا امام قبلہ کی طرف پشت کرکے اور مقتدیوں کی طرف منہ کرکے دعا مانگ سکتا ہے اگر سب طرف گھوم کر دعا مانگ سکتا ہے تو کون رخ زیادہ مستحب ہے

جواب ۔ صورت مسئولہ میں امام کا نماز سے فراغت کرنے کے بعد اپنے داہنے ہاتھ کی طرف مڑنا یا بائیں ہاتھ کی طرف مڑنا یا مڑ کر نمازیوں کی طرف منہ کرکے بیٹھنا جائز ہے اور اس میں مصلحت یہ بھی ہے کہ بعد میں آنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ امام کی نماز تمام ہو چکی ہے ۔ امام کا اپنے داہنے ہاتھ کی طرف سے پھرنا زائد بہتر ہے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف پھرنے سے ۔ پس جب امام اپنے داہنے ہاتھ پھر گیا تو قبلہ اس کے بائیں ہاتھ کی طرف ہوگا اور اس کا رخ شمال کی طرف ہوگا اگر وہ اسی رخ پر چاہے دعا مانگے دعا کے لئے قبلہ دعا دونوں ہاتھوں کا آسمان کی طرف اٹھانا ہے ، دعا مانگنے والے کا رخ کسی طرف بھی ہو اس لئے اس طرح دعا مانگنے اور دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلانے سے دعا اپنے آداب سے ادا ہو جاتی ہے اور امام کو یہ بھی جائز ہے کہ تمامی نماز کے بعد قبلہ رخ ہوکر دعا مانگے ۔ ہمارے اکابر کا دستور تھا کہ ظہر و مغرب و عشا یعنی جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ پڑھی جاتی ہے اس کے بعد قبلہ رخ بیٹھ کر دعا مانگتے اور بعد دعا کھڑے ہوتے اور اکثر و بیشتر اپنے داہنے ہاتھ کی طرف سے مڑ کر مسجد سے باہر جاتے اور شاذ و نادر بائیں ہاتھ کی طرف سے بھی مڑ جاتے تاکہ اس کا وہم نہ ہونے پائے کہ امام کا داہنے ہاتھ کی طرف سے مڑنا درست ہے اور بائیں طرف سے مڑنا درست نہیں اور عصر و فجر کی نماز میں بعد سلام داہنے ہاتھ کی طرف سے مڑتے اور اپنا منہ مقتدیوں کی طرف کرتے اور پشت قبلہ کی طرف کرتے اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے اس طریقہ سے تمامی احادیث پر عمل بھی ہو جاتا ہے

مسئلہ ۔ ایک شخص نماز فجر ادا پڑھتا ہے وظیفہ پڑھتا ہے پھر سو جاتا ہے اور دن چڑھے تک سوتا رہتا ہے

Marfat.com

کیا نماز فجر ادا پڑھ کر دوبارہ سوجانا شرع میں ممنوع قرار دیا گیا ہے؟ کیا بعد نماز فجر ادا کرنے کے سوجانا آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے یا کسی اور بزرگ کی سنت ہے؟ کیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی دوسرے برگزیدہ بزرگ نے بعد نماز فجر سونا ممنوع قرار دیا ہے

جواب: طلوع صبح صادق کے بعد سونے والے کی روزی کا کم ہونا حدیث سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ شرعۃ الاسلام کی شرح میں لکھا ہے۔ اسی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت سونا انتہائی برا ہے اور اس سے بے حد کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ پس اس بنا پر کتابوں میں نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک سونے کو مکروہ لکھا ہے۔ نماز فجر کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آرام فرمانا ثابت نہیں ہے اور بیدار رہنا ثابت ہے البتہ سنت فجر کے بعد تھوڑی دیر کے لئے لیٹ کر تسبیح کرتے رہنا احادیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ: بعض مقام پر دیکھا گیا ہے کہ مؤذن تکبیر کہتا ہے اور امام مع مقتدی سب کے سب بیٹھے رہتے ہیں جب مؤذن حی علی الفلاح کے قریب پہنچتا ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں مگر اکثر مقام پر اس کے خلاف دیکھا گیا ہے کہ شروع تکبیر ہی سے امام اور مقتدی سب کھڑے ہو جاتے ہیں ان دونوں طریقوں میں کس طریق پر عمل کرنا درست ہے۔

جواب: بخاری شریف کے باب متی یقوم الناس اذا رأوا الامام عند الاقامۃ کی حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے کہ اقامت کے وقت لوگوں کے قیام کے لئے کوئی حد مسموع نہیں ہے میرے خیال میں قیام لوگوں کی توانائی اور کمزوری کے لحاظ سے کیا جائے۔ اور علامہ عینی اس کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالک اور جمہور محدثین کے نزدیک اقامت کے وقت قیام کی کوئی حد نہیں ہے عامہ محدثین کے نزدیک جب مؤذن اقامت کہنے لگے تو قیام مستحب ہے اور حضرت سعید بن مسیب اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے نزدیک جب مؤذن اللہ اکبر کہے تو قیام واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض علماء کے نزدیک اقامت شروع کرنے پر قیام مستحب ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ بیٹھ کر اقامت کو سننا متفق علیہ ہے صحیح نہیں ہے

Marfat.com

اور عالمگیری کے اس قول اذا دخل الرجل عند الاقامة یکرہ الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اقامت کے وقت آئے تو اسکو امام کا انتظار کھڑے ہو کر کرنا مکروہ ہے اسکو چاہیے کہ وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہو جائے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً قبل حی علی الفلاح قیام مکروہ ہے بلکہ قیام انتظار کیلئے مکروہ ہے اور عالمگیری کی دوسری عبارت ان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانه یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح کا یہ مطلب ہے کہ اگر مسجد میں امام موجود ہو اور کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے تو جماعت والوں اور امام کو حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسکے پہلے مطلقاً قیام مکروہ ہے اور درمختار کی عبارت والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر امام محراب کے قریب بیٹھا ہو اور موجود ہو تو حی علی الفلاح کے وقت امام اور جماعت والوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے اس سے بھی حی علی الفلاح کے قبل قیام کی کراہت نہیں معلوم ہوتی ہے چنانچہ علامہ طحطاوی درمختار کی عبارت والقیام لامام ومؤتم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام اور قوم کا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مؤذن کے حکم کی بجا آوری کی بنا پر ہے اس لئے کہ وہ امین ہے اور وہ نماز اور فلاحیت کے لئے بلا رہا ہے تو اس کے بلانے پر کھڑا ہو جانا چاہیے تاکہ امتثال امر ہو جائے اور حین قیل حی علی الفلاح کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد قیام خلاف اولیٰ ہے اور اس کے پہلے قیام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی عبارت یہ ہے مسارعة لامتثال امرہ والظاهر انه احتراز عن التاخیر لا التقدیم حتی لو قام اول الاقامة لاباس پس صورت مسئولہ میں اگر امام اور جماعت کے لوگ مسجد میں بیٹھے ہوں اور تکبیر کہی جائے تو مؤذن کے حی علی الفلاح کہتے وقت امام اور جماعت والوں کا قیام کرنا مستحب ہے اور اگر امام اپنے مصلے پر آکر نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس کے بعد تکبیر کہی جائے تو جماعت والوں کو امام کے قیام علی المصلی کو دیکھ کر قیام کرنا چاہیے جیسا کہ بخاری کی اس حدیث اذا اقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتی ترونی سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اقامت کے وقت نہ کھڑی ہو مگر جب وہ مجھ کو دیکھ لیں کہ میں کھڑا ہو گیا ہوں جیسا کہ علامہ عینی اس حدیث کے معنی میں لکھتے ہیں۔ ان معنی الحدیث ان الجماعة لا یقومون عند الاقامة الا حین یرون ان الامام قام انتہی کلامہ۔

Marfat.com

مسئلہ ۔ زید یہ حدیث پیش کرتا ہے ۔ اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے ۔
حدیث صحیح بخاری باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیا یہ صحیح ہے ۔
۲۔ زید کہتا ہے کہ یہ مسئلہ عالمگیری کا ہے کہ پنجگانہ صلوٰۃ الفرض کے لئے جس وقت کچھ مقتدی بیٹھے ہوں اور کچھ آرہے ہوں اور تکبیر اقامت کے لئے کھڑا ہو تو امام کو چاہیے کہ وہ مصلے پر بیٹھ جائے اور آنے والے مقتدی بھی بیٹھ جائیں جب تکبر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر پہونچے تو سب کو اٹھ کھڑا ہونا چاہیے آیا یہ صحیح ہے ۔
۳۔ اگر نمازی پاک صاف لنگوٹ باندھے ہوئے ہے اوپر سے پائجامہ یا تہبند باندھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ۔

جواب ۔ (۱) بخاری کے باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے یہ حدیث مروی ہے جسکو آپ نے لکھا ہے لیکن محدثین نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس کا یہ فرمانا کہ نماز کے بعد باآواز بلند ذکر کرنے کا طریقہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اس امر کو خود ظاہر کرتا ہے کہ اس طریق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت نہیں کی اور نہ آپ کے بعد خلفا نے اس طریقہ کو جاری رکھا چند دن بعد نماز ذکر زور سے کیا جاتا تھا امت کو ذکر کی تعلیم کے لئے جب تعلیم کی ضرورت نہیں رہی اور صحابہ کو علم حاصل ہو گیا تو یہ طریقہ موقوف کر دیا گیا ۔ اس حدیث سے بعد نماز باآواز بلند ذکر کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے ۔ پس اگر ذاکر دکھاوے کے لئے ذکر جہری نہ کرتا ہو یا دوسرے نمازیوں کی نماز میں ذکر جہری سے خلل نہ واقع ہوتا ہو تو باآواز بلند ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

(۲) عالمگیری کی عبارت کا منشا یہ ہے کہ امام یا جماعت والوں کو نماز کے انتظار میں کھڑا نہ رہنا چاہیے بلکہ بیٹھ کر نماز کے شروع ہونے کے وقت کا انتظار کرنا چاہیے اسی مسئلہ کے تحت عالمگیری نے یہ جزئیہ لکھا کہ امام اور جماعت والوں کو نماز شروع ہونے کا انتظار بیٹھ کر کرنا چاہیے اور بیٹھے رہنا چاہیے یہاں تک کہ نماز شروع ہونے کے وقت مؤذن تکبیر شروع کر دے اور جب حی علی الصلوٰۃ پر پہونچے تو امام اور جماعت

Marfat.com

والے کھڑے ہو جائیں پس اگر امام اور جماعت والے مسجد میں بیٹھے ہوں اور نماز کے وقت آنے پر تکبیر کہی جائے تو مؤذن (مقیم) کے حیّ علی الصلوٰۃ کہنے پر سب کو نماز کے لئے کھڑا ہونا چاہیے اور صفوف درست کرنا چاہیے لیکن اگر امام نماز پڑھانے کے لئے اپنے مصلّے پر کھڑا ہو گیا تو سب لوگوں کو کھڑا ہو جانا چاہیے خواہ تکبیر شروع ہوئی ہو یا نہ شروع ہوئی ہو اور اگر امام صفوف کے پیچھے سے نماز پڑھانے کے لئے مصلّے پر جائے تو جس صف سے امام گزرے اس صف کے لوگوں کو قیام کرنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا ارشاد اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی تروني اسی کو مشعر ہے۔

۳۔ لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ پاک لنگوٹ پاک پائجامہ یا تہبند کے نیچے باندھا ہو۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں جو حافظ تراویح سناتے ہیں وہ سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ زور سے پڑھتے ہیں، ان کا یہ فعل مکروہ ہے یا نہیں۔

جواب۔ سور قرآن کے شروع میں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم مکتوب ہے اس کے جزو قرآن ہونے میں ائمہ مذہب کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور بعض حنابلہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک سوائے اس بسم اللہ کے جو سورۂ نمل میں اس آیت انہ من سلیمن و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا جزو ہے کوئی بسم اللہ قرآن میں داخل نہیں۔ اور امام شافعی کا مشہور قول یہ ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی ایک آیت تام یا جزو آیت ہے یعنی بسم اللہ قرآن میں داخل ہے اور ہر سورت کا جزو ہے اور امام شافعی سے یہ بھی منقول ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورتوں کو تبرکاً بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں سوائے سورۂ برائت کے اور محققین احناف اور امام احمد حنبل کا مسلک یہ ہے کہ سورۂ براءۃ کے علاوہ تمام سورتوں کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک بسم اللہ کا لکھا ہوا چلا آنا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ بسم اللہ قرآن میں داخل ہے علاوہ بریں اس امر پر بھی اجماع امت ہے کہ قلم وحی سے جو چیز مکتوب بین الدفتین ہے وہ قرآن میں داخل ہے اور سورۂ توبہ کے علاوہ تمام سورتوں کے پہلے بسم اللہ قلم وحی سے مکتوب تھی لہذا یہ بسم اللہ بھی قرآن میں داخل ہوگی۔ یہ امر آخر ہے کہ یہ بسم اللہ کسی سورۃ کا جزو نہیں ہے یعنی

میں ہے النوع الخامس فی کونها من القرآن ام لا وفی انها من الفاتحة ام لا ومن اول کل سورة ام لا والصحیح مذهب اصحابنا انها من القرآن لان الامة اجمعت علی ان ما کان مکتوبا بین الدفتین بقلم الوحی فهو من القرآن والتسمیة کذالك وکذلك یحرم قرأتها علی الجنب الحائض والنفساء علی قصد القرآن اما علی قیاس روایة الکرخی فظاهر لان ما دون الآیة یحرم علیهم واما علی روایة الطحاوی لاحتمال انها آیة تامة فیحرم علیهم احتیاطاً وهذا القول قول المحققین من اصحاب ابی حنیفة وهو قول ابن المبارك وداؤد واتباعه وهو المنصوص عن احمد وقالت طائفة لیست من القرآن الا فی سورة النمل وهو قول مالك وبعض الحنفیة وبعض الحنابلة وقالت طائفة انها آیة من کل سورة او بعض آیة کما هو المشهور عن الشافعی ومن وافقه وقد نقل عن الشافعی انها لیست من اوائل السور غیر الفاتحة وانما یستفتح بها فی السور تبرکا بها۔ (جواب کی ابتدائی سطریں تقریباً اسی عربی عبارت کا ترجمہ ہیں)

نماز کے اندر سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا امام صاحب اور امام ابو یوسف کے نزدیک مسنون نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام محمد کے نزدیک نماز جہری میں مسنون نہیں اور سری نماز میں مسنون ہے۔ بحر الرائق میں ہے فلا تسن التسمیة بین الفاتحة والسورة مطلقا عندهما وقال محمد تسن اذا خافت ای تسن فی السریة لا ان جهر وصحح فی البدائع قولهما والخلاف فی الاستنان اما عدم الکراهة فمتفق علیه۔

پس صورت مسئولہ میں اگر کوئی حافظ قرآن نماز تراویح میں سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ زور سے پڑھتا ہے تو یہ فعل مکروہ نہیں اگرچہ مفتیٰ بہ قول پر اس طرح بسم اللہ کا پڑھنا سنت سے ثابت نہیں۔

لہٰذا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مطلقاً غیر مسنون ہے اور امام محمد کے نزدیک نماز سریہ میں مسنون ہے نماز جہریہ میں نہیں مسنون ہے اور بدائع میں ہے کہ فتویٰ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول پر ہے، اختلاف صرف مسنون ہونے نہ ہونے کے بارے میں ہے اس بات پر سب ائمہ متفق ہیں کہ بسم اللہ پڑھنا مکروہ بہرحال نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن کثیر مکی کی قرأت کے راوی اول ابو الحسن احمد البزی نے سورۂ والضحیٰ سے آخر سورۂ ناس کے پڑھتے وقت تسمیہ کے ساتھ تکبیر کہنے کی بھی روایت اپنے اساتذہ سے کی ہے اور ان کی روایت کو بعد کے قراء نے اختیار کیا ہے اور بعد کے قراء نے جب نماز کے باہر تلاوت قرآن کرتے ہیں تو والضحیٰ سے سورۂ ناس تک کی تلاوت کرتے وقت ہر سورۃ کے پہلے تکبیر اور تسمیہ کر کے سورت شروع کرتے ہیں اور ان میں سے بعض قراء نے اس طریقہ کو نماز تراویح میں بھی اختیار کیا ہے لیکن چونکہ یہ تکبیر بالاجماع قرآن متلو سے خارج ہے اور اس کا نماز میں کہنا سنت سے ثابت نہیں اس لئے

Marfat.com

اس کا ترک کرنا بہتر ہوگا۔ اگرچہ نوافل میں اس کا کہنا جائز ہے۔

کتاب الصَّوم

مسئلہ ۔ ریڈیو کی خبر چاند کے متعلق قابل پذیرائی ہے یا نہیں کسی صورت میں یعنی کوئی مولانا یا خاص مفتی یا اور کوئی ذمہ دار شخص وغیرہ خود ریڈیو پر خاص طور سے کھڑے ہو کر اپنا نام لے کر یا کسی ذمہ دار شخص کا حوالہ دیکر کہ یہ ان کا اعلان ہے اور ان کی آواز لوگ پہچان لیں کہ وہی مولانا یا خاص شخص ریڈیو پر بول رہے ہیں تو یہ خبر چاند کے متعلق صحیح مان کر شرعاً اعلان روزے قطع کرانے اور دوسرے دن عید کئے جانے کا دیا جاسکتا ہے یا نہیں بشرح اس کے متعلق ارقام کیا جائے ۔

۲ ۔ پاکستان کے ریڈیو کے متعلق عوام کا خیال ہے کہ وہ مسلمان سلطنت ہے اور وہاں کی خبر غلط نہیں ہوسکتی ہے وہاں سے جو اعلان ہوگا وہ صحیح ہوگا تو کیا پاکستان کے ریڈیو کی خبر مان کر لوگوں کے روزے ساقط کرا دیئے جائیں جب کہ ان کے صرف ۲۹ روزے ہوئے ہیں اور دوسرے دن عید کا اعلان کرا دینا شرعاً جائز ہوگا ۔

۳ ۔ پاکستان میں شنبہ سے روزے شروع ہوئے ۲۹ شعبان کا چاند دیکھ کر اور اس طرح سے ان کے ۳۰ روزے یکشنبہ تک ہو گئے انھوں نے یکشنبہ کو ریڈیو سے اعلان کیا کہ کل یعنی دوشنبہ کو عید ہوگی یہ ان کا اعلان بالکل صحیح تھا لیکن کیا یہ اعلان ہر قصبہ و شہر وغیرہ کے لئے کافی اور ضروری ہے کہ جہاں ۲۹ شعبان کے بجائے ۳۰ شعبان کا چاند دیکھ کر روزے رکھے تھے اور یکشنبہ کو ان کو کوئی عینی شہادت چاند دیکھنے کی دستیاب ہو سکی ہو ۔ پھر مقامی حالات کے ماتحت چاند نظر آنے یا نہ آنے پر وہاں کے کسی ذمہ دار شخص کا اعلان کرانا کہ کل عید کی جائے یا نہیں جائز ہے؟ یا یہ کہ صرف پاکستان کے ریڈیو کی خبر سن کر جملہ روزہ داروں کے روزے ساقط کرا دیئے جائیں اور دوسرے دن عید کے لئے اعلان کر دیا جائے حالانکہ مقامی لحاظ سے صرف ۲۹ روزے ہوئے ہوں ۔

۵ ۔ دوسرے مقام کا کوئی ایک یا دو شخص یہ خبر لا کر دیں کہ وہاں کل عید ہوگی اور چاند دیکھ لیا گیا تو

کیا یہ خبر معتبر سمجھی جا سکتی ہے جبکہ ان خبر دینے والوں نے خود چاند نہ دیکھا ہو۔

۶۔ شہادت عینی جیسا کہ شرعاً جائز ہے اس کے علاوہ آج کل کے دور کے مطابق ریڈیو کی خبر یا کوئی اور ذرائع کی معتبر خبر سے روزے قطع کرائے جانے اور دوسرے دن عید کرنے کا اعلان کرایا جا سکتا ہے یا نہیں

۷۔ تار یا خط یا اور کوئی تحریر کسی ذمہ دار شخص کی موصول ہونے پر روزے ساقط کرائے جا سکتے ہیں اور عید کا اعلان دوسرے دن کے لئے کیا جا سکتا ہے حالانکہ وہاں کے لوگوں کے صرف ۲۹ روزے ہوئے ہوں؟

نوٹ۔ آج کل ریڈیو کا دور زیادہ تر ہے لہٰذا اس کے متعلق خاص طور سے مشرح ارقام فرمایا جائے کہ آیا کسی طور پر ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں۔

آپ کے یہاں لکھنؤ میں ریڈیو کی خبر یا کسی معتبر عینی شہادت کی بنا پر عید کئے جانے کا دوشنبہ کو اعلان ریڈیو پر ہوا تھا۔

جواب۔ ایک مقام کی رویت ہلال کا اعتبار اس کے مطلع کے اندر دوسرے مقام میں (جہاں ابھی تک رویت ہلال نہ ہوئی ہو) اس وقت ہوتا ہے جب اس دوسرے شہر میں اس مقام کے چاند دیکھنے کی خبر ایسے طریقوں سے پہونچے جن کی وجہ سے شرعاً روزہ یا افطار کا حکم دینا درست ہو۔ اور وہ طریقے یہ ہیں دو مسلمان عاقل بالغ، عادل یا مستور الحال اس دوسرے شہر میں آکر امام یا قاضی یا مسلمانوں کے سامنے اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا اس کی گواہی دیں کہ ان کے سامنے اس مقام کے فلاں قاضی یا مفتی نے معتبر شہادتوں کی وجہ سے ۲۹ کے اعتبار سے تاریخ بدل دی ہے اور روزہ یا افطار وغیرہ کا حکم دیا ہے اور رمضان کے چاند میں مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں ایک مسلمان عاقل یا بالغ و عادل یا مستور الحال کا اس دوسرے شہر میں آکر امام یا قاضی یا مسلمانوں کے سامنے اپنے چاند دیکھنے کو بیان کرنا کافی ہے یا اس دوسرے شہر میں اشخاص متکاثرہ آکر انتیسویں کو چاند دیکھنے کی خبر بیان کریں یا بہت سے اشخاص کے خطوط یا تار وغیرہ اس دوسرے شہر میں آجائیں اور اس دوسرے شہر کے باشندوں کو ان اخبار متکاثرہ سے خبر متواتر کی طرح انتیسویں کی رویت ثابت و متحقق ہو جائے اس کو استفاضۂ خبر کہتے ہیں

Marfat.com

پس اگر دوسرے شہر میں انتیسویں کے چاند دیکھنے کی خبران طریقوں میں سے کسی طریق پر نہ پہونچے تو اس دوسرے شہر والوں کو صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ کی حدیث کے موافق اپنی رویت کے اعتبار سے روزہ رکھنا چاہیے اور اپنی رویت کے اعتبار سے عید الفطر کرنا چاہیے اور ریڈیو سے نشر شدہ خبران طریقوں میں سے نہیں ہے جن کی بناپر روزہ یا عید الفطر وغیرہا کا حکم کرنا درست ہو اس لئے کہ ریڈیو سے جو خبر نشر کی جاتی ہے وہ اناؤنسر announcer یعنی خبر نشر کرنے والے کی پس پردہ آواز محض ہے اور آواز مفید علم ویقین نہیں ہوتی اس لئے کہ النغمۃ تشبہ النغمۃ والمشتبہ لایفید العلم (عنایہ شرح ہدایہ ص۲۶۲) یعنی آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے اور مشتبہ چیز سے یقین وظن غالب حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ آواز شہادت کے حکم میں ہے اس لئے کہ شہادت کے لئے شاہد کا مجلس حکم ومجلس قضا میں موجود ہونا شرط ہے چنانچہ فتح القدیر میں ہے الشہادۃ مشتقۃ من الشہود بمعنی الحضور لان الشاہد یحضر مجلس القضاء للاداء فسمی الحاضر شاہدا واداؤہ شہادۃ اور شہادت کی شرعی تعریف سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے وفی اصطلاح اہل الفقہ عبارۃ عن اخبار صادق فی مجلس الحکم بلفظ الشہادۃ حتی کہ کتب فقہ میں جگہ جگہ یہ لکھا ہے کہ جب رمضان کے چاند میں آسمان ابر آلود ہو تو امام یا قاضی کو ایک عادل مسلمان عاقل وبالغ کے چاند دیکھنے کی خبر قبول کرلینا چاہیے وہاں بھی خبر دینے والے کا اس امام یا قاضی کے سامنے موجود ہوکر خبر بیان کرنا شرط ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ پس جب کہ یہ خبر شہادت شرعی نہیں ہے اور اشتباہ کی وجہ سے مفید ظن غالب بھی نہیں ہے تو محض ریڈیو کی نشر شدہ خبر کو سن کر کسی عالم یا قاضی کو روزہ یا افطار کا حکم دینا درست نہیں ہے۔

نیز ریڈیو سے دوسری خبروں کی طرح رویت ہلال کی جو خبر نشر کی جاتی ہے اس کا نشر کرنے والا شخص واحد ہوتا ہے جس کے متعلق یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ہے یا غیر مسلم عادل ہے یا غیر عادل اس شخص واحد کی یہ خبر ہر شہر میں ریڈیو سیٹ کے متعدد ہونے کی وجہ سے متعدد ہو جاتی ہے ورنہ یہ خبر خبر واحد ہی کی ہے اور کسی شہر میں چاند دیکھنے کی ایک آدھ خبر کا اعتبار دوسرے اس شہر میں جہاں رویت نہ ہوئی ہو نہیں کیا جاتا ہے جب تک اس شہر میں اخبار متواترہ سے چاند ہونے کی خبر پایہ ثبوت کو نہ

پہونچ جائے۔

پس جب کہ ریڈیو کی نشر شدہ خبر اس خبر کی طرح نہیں ہوتی جس کو اتنے لوگوں نے تحریراً یا تقریراً بیان کیا ہو کہ ان لوگوں کی تقریر یا تحریر کے متعلق خبر سننے والے انکی کثرت کی وجہ سے یہ گمان کرلیں کہ یہ لوگ جھوٹی خبر دینے پر متفق نہیں ہو سکتے ہیں بلکہ ان اشخاص متعددہ وکثیرہ کی خبر ضرور صحیح ہوگی یعنی ریڈیو کی خبر اس خبر کی طرح نہیں ہوتی ہے جو بمنزلہ خبر متواتر کے ہو اس لئے یہ خبر روزہ یا افطار کے لئے مقبول نہیں ہوگی اور اس پر روزہ یا افطار کا حکم دینا درست نہ ہوگا۔ نیز ریڈیو کے بعض تجربوں نے ہم کو یہ بھی بتا دیا کہ بعض حالات میں وہ صحیح طور پر خبر کو نشر بھی نہیں کرتا لہذا اس کی نشر شدہ خبر کا صادق ہونا یقینی نہیں رہا۔

نیز ناؤنسر رویت ہلال کے متعلق جو خبر نشر کرتا ہے وہ دوسرے علماء کے چاند دیکھنے کی خبر بیان کر دیتا ہے تو اگر چند اشخاص قاضی کے مواجہ میں اس کی گواہی دیں کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا ہم نے فلاں فلاں کو دیکھے تھے یا فلاں شہر کے قاضی نے فلاں دن روزے کا حکم دیا تھا تو ایسی شہادت کا جو مرتبہ شہادت پر بھی ہے اعتبار نہیں کیا جاتا ہے تو ریڈیو پر اس طرح نشر شدہ خبر کا جو بمنزلہ شہادت بھی نہیں ہے بدرجہ اولیٰ اعتبار نہ ہوگا۔

پس صورت مسئولہ نمبر (۱) میں جب کہ یہ معلوم ہوگیا کہ ریڈیو کی نشر شدہ خبر شرعی نقطۂ نظر سے اس طریقہ پر نہیں ہوتی ہے جس کے اوپر شرعاً روزہ یا افطار کا حکم دیا جا سکے لہذا جن شہروں میں انتیسویں رمضان کو ابر تھا اور چاند نہیں دکھائی دیا اور وہاں انتیسویں کو چاند دیکھنے کی خبر ان طریقوں میں سے کسی طریقہ پر بھی نہیں پہونچی جن کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے تو محض ریڈیو کی نشر شدہ خبر پر جن لوگوں نے اپنے شہر کے اعتبار سے تیسویں رمضان کو روزہ توڑ دیا تھا ان کو اس روزے کی قضا کرنا چاہیے۔

صورت مسئولہ نمبر ۲ و ۳ میں جبکہ مطلق ریڈیو کی نشر شدہ خبر کا حال آپ کو معلوم ہوگیا تو پاکستان کے ریڈیو کا بھی وہی حکم ہے اس کی خبر پر بھی تیسویں رمضان کو روزہ افطار کرنے کا حکم دینا درست

نہیں اور جن لوگوں نے روزہ توڑا تھا ان کو ایک روزہ کی قضا کرنا چاہیے

۴۔ اگر آپ کے یہاں تیسویں رمضان کو دوسرے شہر سے انتیسویں کے چاند دیکھنے کی خبر اس طریقہ پر نہیں آئی تھی جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے لیکن آپ کے شہر کے ذمہ دار اور معتمد علیہم اشخاص کو انتیسویں کی رویت کی تصدیق کسی اور ذرائع سے ہو گئی تھی ریڈیو کی خبر کے علاوہ اور انھوں نے اپنی ذاتی تصدیق کی بنا پر افطار کا حکم دیدیا اور وہاں کے باشندوں نے ان کے حکم پر روزہ افطار کرلیا تو کوئی حرج نہیں ہے بعض علما کی رائے ہے کہ قاضی اپنے علم کے موافق فیصلہ کرسکتا ہے لہٰذا ان معتمد علیہم اشخاص کا اپنے علم کے موافق افطار کا حکم دینا جائز ہوگا۔

صورت مسئولہ نمبر ۵ میں جب تک دو عاقل بالغ عادل یا مستور الحال مسلمان اپنے چاند دیکھنے کی گواہی نہ دیں یا یہ گواہی نہ دیں کہ فلاں شہر کے قاضی یا مفتی نے ہمارے سامنے معتبر شہادتوں کی بنا پر فلاں دن عید کرنے کا یا روزہ افطار کرنے کا حکم دیا تھا اس وقت تک آپ کے شہر کے ذمہ دار لوگوں کو ان کے اخبار کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے پس اگر ایک شخص یا دو شخصوں نے آپ کے یہاں صرف یہ بیان کیا کہ فلاں جگہ کل عید ہے اور اپنے چاند دیکھنے یا فیصلہ قاضی کی گواہی نہیں دی تو ان کی اس خبر بیان کرنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

صورت مسئولہ نمبر ۶ کا جواب گزر گیا۔

صورت مسئولہ نمبر ۷ تار یا خط یا ٹیلیفون شہادت شرعی کے مرتبہ پر نہیں ہیں جیسا کہ اوپر کی تحریر کردہ عبارت سے معلوم ہو گیا کہ شہادت میں شاہد کا موجود ہو کر گواہی دینا شرط ہے اس لئے تار یا خط یا ٹیلیفون کو بمنزلہ شہادت سمجھنا غلطی ہے۔ پس اگر ایک آدھ تار یا خط یا ٹیلیفون سے انتیسویں کی رویت معلوم ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر کثرت سے خطوط یا تار یا ٹیلیفون مختلف لوگوں کے آپ کے شہر میں آجائیں اور ان اخبار متکاثرہ سے شہر والوں کو انتیسویں کی خبر پایۂ ثبوت کو خبر متواتر کی طرح پہونچ جائے تو ان خطوط وغیرہ کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے اعتبار سے تیسویں رمضان کو روزہ افطار کرنے کا حکم دینا اور عید کرنا درست ہوگا

Marfat.com

مسئلہ۔ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ یوم یکشنبہ کو خیرآباد کے مطلع پر ابر محیط تھا اس لئے چاند نظر نہ آسکا اور اطراف و نواح سے کوئی شہادت بھی نہ گزری البتہ لکھنؤ میں ثبوت رویت ہو جانے کی وجہ سے بارہ بجے شب کو وہاں عید کا اعلان کر دیا گیا سیتاپور جو خیرآباد کا ضلع اور یہاں سے پانچ میل ہے کے ذمہ دار حضرات نے فون کر کے رات ہی کو بذریعہ موٹر دو ثقہ آدمی روانہ کر دیئے جو علی الصباح مفتی صاحب فرنگی محل کی تحریر لے آئے جس کی بنا پر سیتاپور میں عید کا اعلان کر دیا گیا خیرآباد میں جہاں کا نظام افتا سیتاپور سے علاحدہ ہے جب ۱۲ بجے خبر ہوئی تو مفتی خیرآباد نے دو آدمی فوراً لکھنؤ روانہ کئے جو چار بجے شام کی ٹرین سے مفتی صاحب فرنگی محل کا خط لائے جس کے بعد فوراً ہی روزہ توڑنے کا اعلان کر دیا گیا۔ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز دوسرے روز ادا کی گئی۔ یہاں کے لوگوں کو اس بات پر اصرار تھا کہ سیتاپور کے اعلان پر یہاں بھی عید کا اعلان کر دیا جائے لیکن یہاں مفتی نے اس وجہ سے کہ لکھنؤ کے مفتی صاحب کا خط خاص سیتاپور کے مفتی کے نام تھا ناقابل عمل سمجھتے ہوئے عید کا اعلان نہیں کیا اس لئے کہ کتب فقہ میں تصریح کر دی گئی ہے کہ جب تک خط عام نہ ہو مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرے کے لئے قابل عمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد نے روزہ توڑ دیا اور چند نفر نے نماز بھی پڑھ لی شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد اعلان کی قطعاً پرواہ نہ کی اس سلسلہ میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) کتاب القاضی الی القاضی جبکہ کسی خاص قاضی کے نام ہو دوسرے کے لئے قابل عمل اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد عموم کر دیا گیا ہو جیسا کہ درمختار اور شامی میں ہے۔ یہ عموم صرف اسی شہر کے لئے ہے جہاں کے لئے خط لکھا گیا یا جس جگہ بھی خط مع ان گواہوں کے پہونچ جائے کافی ہے؟

(۲) سیتاپور کے مفتی کے پاس لکھنؤ کے مفتی کی جو تحریر آئی ہے اب اگر سیتاپور کا مفتی کسی دوسرے مقام کے مفتی کے پاس دو گواہوں کے ساتھ ایک تحریر اس مضمون کی بھیجے کہ لکھنؤ کے مفتی کی تحریر میرے پاس بشہادت شاہدین آگئی ہے جس میں یہ درج ہے کہ لکھنؤ میں شہادت

ہلال پر گزر گئی ہے اب دوسرے مقام کے مفتی کے لئے سیتاپور کے مفتی کی یہ تحریر جو ثبوت رویت پر ہے جس مفتی کے پاس ثبوت رویت ہوا ہے اس کی تحریر کی تصدیق سے قابل عمل ہو سکتی ہے یا نہیں۔ پھر یہ سلسلہ تیسرے مفتی تک محدود رہے گا یا تیسرے کو چوتھے علی ہذا القیاس سلسلہ بہ سلسلہ مفتیوں کو تحریر روانہ کرنے کا حق باقی رہے گا اور سب مکتوب الیہ عمل کرنے کے مجاز ہوتے رہیں گے۔ کتب فقہ میں اس کی کوئی نظیر یا جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ اگر یہ صورت جائز ہو تو بحوالہ کتاب تحریر فرمایا جائے۔

(۳) فتاوی شامی میں ہے وعن ابی یوسف ان کان فی مکان لو غدا الی اداء الشهادة لا یستطیع ان یبیت فی اهله صح الاشهاد والکتابة اب سوال یہ ہوگا اگر سوال نمبر ۲ کی بنا پر لکھنؤ کی تحریر پر سیتاپور کا مفتی دوسرے مقام کے مفتی کو لکھ سکتا ہے اور وہ اس پر عمل کا مجاز ہے تو خیرآباد یا کوئی دوسرے مقام پر جو سیتاپور سے اس مقدار مسافت سے کم ہے جس کا عبارت مذکورۂ بالا میں بیان ہے تحریر بھیجنے کی کیا صورت ہوگی۔ نیز اگر خود سیتاپور میں شہادت علی الرویۃ گزر جائے تو خیرآباد کا مفتی وہاں کے مفتی کی تحریر پر کس طرح عمل کرے جبکہ قول مفتی بہ پر مسافت مذکورہ کتاب القاضی الی القاضی کے لئے ضروری ہے

[illegible] جگہ ہو کہ اگر وہ گواہ وہاں سے شہادت کے لئے جائے تو رات اپنے گھر میں اگر بسر نہیں کر سکتا تو بذریعہ تحریر گواہی بنا درست ہے۔

(۴) مفتی خیرآباد نے اعلان عید کے بارے میں لکھنؤ سے آدمیوں کی واپسی تک توقف کیا یہ فعل شرعاً صحیح تھا یا غلط اور بغیر اس کے محض سیتاپور کی عید کا حال معلوم کر کے اعلان عید کر دینا (حسب کہ ہمارے یہاں نظام افتا جداگانہ ہے) جائز تھا یا نہیں۔

(۵) خیرآباد کے جن لوگوں نے شرعی ثبوت کا انتظار کئے بغیر روزہ توڑ ڈالا نماز عید ادا کی یہ گنہگار ہوئے یا نہیں۔ اور نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے۔

(۶) خیرآباد کے بعض لوگ جو اپنی ملازمت یا دوسری ضرورت سے سیتاپور گئے ہوئے تھے وہاں کی اتباع میں انھوں نے نماز بھی ادا کی روزہ بھی توڑا اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

(۷) بعض باشندگان خیرآباد خاص طور سے نماز ادا کرنے کے لئے سیتاپور گئے ان کا یہ فعل کیسا ہے خیرآباد کی اتباع ضروری تھی یا سیتاپور جانا صحیح تھا۔

Marfat.com

(۸) پاکستان اور حیدرآباد میں انتیس کی رویت رمضان المبارک میں ہوئی تھی یعنی یہاں سے ایک روز قبل وہاں روزہ رکھا گیا تھا بعض لوگ جو وہاں موجود تھے عید کے لئے یہاں آگئے تو یہاں تیسویں کو ان کا اکتیسواں روزہ پڑ رہا تھا اس لئے انھیں روزہ رکھنا چاہیے تھا یا ترک کر دینا چاہیے تھا۔

(۹) رویت ہلال میں تار، ٹیلیفون اور ریڈیو کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان چونکہ مسلم سلطنت ہے اس لئے وہاں کا ریڈیو معتبر ہونا چاہیے۔

(۱۰) اگر جبر قاضی کے پاس شہادت گزری ہے مفتی خود جائے یا اپنا نائب بنا کر کسی کو بھیج دے تب بھی شاہدین کی ضرورت ہوگی یا نہیں یا قاضی خود اگر مفتی سے زبانی کہدے کہ میرے پاس شہادت گزر گئی اور میں نے تسلیم کر لی تو بلا شہادت یہ قول صحیح ہے یا نہیں۔

(۱۱) سیتاپور جہاں کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر عید ہوئی ہے رویت سے نہیں ہوئی ہے اگر وہاں سے مختلف جماعتیں خیرآباد آکر عید ہونا بیان کریں یا خیرآباد کی مختلف جماعتیں وہاں جاکر دیکھ آئیں اور مفتی سے آکر عید کا ہونا بیان کریں تو یہ امر خیرآباد میں عید کا حکم دے دینے کے لئے کافی ہے یا نہیں جب کہ فقہا نے مجرد شیوع کو بے اصل ٹھہرایا ہے۔

(۱۲) عیدین میں جبکہ شہادت مستور غیر معتبر ہے تو باہر کے آئے ہوئے لوگوں کی گواہی کیسے مانی جائے کیونکہ وہ مستور الحال ہیں حالانکہ "شہادت اہل المشرق لاہل المغرب"، کو رویت میں معتبر مانا گیا ہے۔ اگر عیدین کا ثبوت باب شہادت سے ہے تو پھر خبر مستفیض جہاں عدالت بھی ضروری نہیں صرف تعداد کافی ہے کیونکر معتبر ہے۔ نیز ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر جبکہ متعدد جگہوں سے ہو یا ریڈیو کا نظام جب کہ مسلمان علما کی زیر نگرانی ہو کیونکر غیر معتبر ہے۔

(۱۳) اگر ہلال رمضان ایک عادل سے ثابت ہوا ہے تو تیس دن پورے کر کے بغیر چاند دیکھے عید کرنا جائز ہے یا نہیں خصوصاً جبکہ مطلع صاف ہو اور تیس کا چاند نظر نہ آئے۔

جواب (۱) "درمختار" کے اس قول "الا اذا عمم بان قال الی فلان قاضی بلد کذا والی کل من یصل الیہ من قضاۃ المسلمین" میں امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا مکتوب فلاں شہر کے قاضی کے قائم مقام کے لئے بھی حجت

ہے اور اگر وہ مکتوب مع شاہدین کے اس خاص شہر کے قاضی کے علاوہ دوسرے قاضی مسلمین تک پہونچ جائے تو ان کیلئے بھی وہ حجت ہو اسی طرح شامی کے اس قول بخلاف ما لو عمم ابتداءً بانه قال الی کل من یصل الیه کتابی ھذا من قضاۃ المسلمین وحکامھم میں امام ابو یوسف کے نزدیک اگر قاضی کا یہ خط خط کے شاہدوں کے ساتھ کسی شہر کے کسی قاضی کے پاس بھی پہونچ جائے گا تو وہ قابل حجت ہو گا جیسا کہ امام ابو یوسف کے اختیار کئے ہوئے مذہب کی دلیل سے ظاہر ہے کہ لکھنے والے قاضی نے اپنے مکتوب خط میں مکتوب الیھم کے عموم کا قصد اور ارادہ کیا ہے لہذا دوسرے قضاۃ اس کے قصد و ارادہ کی وجہ سے اس کے مکتوب الیہ قرار پائیں گے اور ان کے لئے یہ تحریر قابل حجت ہو گی بشرطیکہ یہ تحریر تحریر کے گواہوں کے ساتھ دوسرے قاضی تک پہونچے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ پس اگر مفتی نے کسی شہر کے خاص مفتی کے نام رویت ہلال کی تحریر گواہوں کے سامنے لکھ کر بھیج دی تو وہ تحریر دوسرے شہر کے مفتی خاص کے لئے قابل قبول ہے اور اگر اس شہر کے مفتی نے اپنی تحریر میں دوسرے شہر کے مفتی مخصوص کے نام کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "اور میرا یہ خط ہر اس مفتی کے نام ہے جس کو یہ خط موصول ہو جائے" تو اس خاص صورت میں مفتی شہر کا یہ خط جس مفتی کو بھی خط کے شاہدین کے ساتھ پہونچ جائے وہ اس کو قبول کر سکتا ہے۔

نمبر ۲ و ۳۔ اگر سیتاپور کے مفتی نے دوسرے مفتی کی تحریر پر رویت یا افطار کا حکم دیا تھا تو وہ اپنے فیصلہ کی تحریر دو گواہوں کے ہاتھ دوسرے مفتی کے پاس بھیج سکتا ہے خواہ وہ دوسرا مفتی اسی شہر میں رہتا ہو جیسا کہ علامہ شامی نے لکھا ہے۔

نمبر ۴۔ اگر مفتی خیرآباد کے پاس عید کے چاند کا ثبوت شرعی طریقہ پر نہیں پہونچا اور انھوں نے اس کا انتظار کیا کہ جب تک ان کے پاس چاند دیکھنے کا ثبوت شرعی طریقہ پر نہ پہونچ جائے وہ عید کا حکم نہ دیں تو ان کا یہ فعل شریعت کے موافق ہے محض اس خبر پر کہ سیتاپور میں عید کل ہے مفتی خیرآباد کو عید کا حکم دینا جائز نہیں ہے۔

نمبر ۵۔ اگر خیرآباد کے مفتی یا امام نے تیسویں رمضان کو شرعی طور پر رویت ہلال ثابت نہ ہونے کی وجہ سے باشندگان خیرآباد کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا تو جب تک خیرآباد میں

طریقہ سے چاند دیکھنے کا ثبوت نہ پہونچ جاتا وہاں کے مسلمانوں کو اپنا روزہ توڑنا جائز نہیں تھا ان کو اپنے یہاں کے امام اور مفتی کے حکم کا ماننا ضروری تھا۔ اب جبکہ خیرآباد میں بھی ۲۹ کو رویت ہلال کا ثبوت شرعی طور پر پہونچ چکا اور مفتی خیرآباد نے بھی تاریخ بدل دی اور چار بجے شام کو مفتی صاحب ممدوح نے ثبوت شرعی کے بعد روزہ افطار کرنے کا حکم دیدیا تو جن لوگوں نے خیرآباد میں ان کے حکم کے قبل روزے توڑ ڈالے تھے ان کے ذمہ قضا لازم نہیں ہوگی لیکن ان کو عید کی نماز قصبہ والوں کی جماعت کثیرہ کی اتباع میں دوسرے روز پھر پڑھنا چاہیے۔

۶۔ خیرآباد کے جو لوگ سیتاپور پہونچ گئے اور انھوں نے سیتاپور کے مفتی کے حکم کے موافق روزہ افطار کرلیا یا نماز پڑھ لی تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۷۔ باشندگان خیرآباد کے لئے دونوں باتیں جائز تھیں۔

۸۔ چونکہ حدیث میں ہے "الفطر یوم یفطر الناس والاضحی یوم یضحی الناس" لہذا ان لوگوں کو جو پاکستان یا حیدرآباد سے آئے تھے اور اختلاف مطالع کی بنا پر ان کی گواہی یہاں قبول نہیں کی گئی تھی یا انھوں نے گواہی ہی نہیں دی یا انھوں نے چاند ہی نہیں دیکھا تو ان سب صورتوں میں ان لوگوں کو خیرآباد کی عید پر اپنی عید کرنا چاہیے تھی اور ان کو روزہ بھی رکھنا چاہیے تھا اگرچہ ان کے اکتیس روزے ہوجاتے

۹۔ ایک آدھ تار یا ٹیلیفون کا اعتبار رویت ہلال میں نہیں ہے اور ریڈیو کی مطلقاً خبر کا اعتبار نہیں خواہ وہ خبر ہندوستان سے نشر کی جائے خواہ پاکستان سے۔

۱۰۔ مفتی سیتاپور یا ان کے نائب کا خیرآباد جاکر وہاں کے مفتی سے چاند ہونے اور روزہ افطار کئے جانے کو بیان کرنا کافی نہیں ہے البتہ مفتی سیتاپور اپنے فیصلہ کو تحریر کے ذریعہ سے دو شاہدوں کے ساتھ خیرآباد بھیج سکتے ہیں۔

۱۱۔ سیتاپور سے عید کرکے جو لوگ خیرآباد آئیں اور وہ سیتاپور میں عید ہونے کی صرف خبر بیان کریں اور مفتی سیتاپور کے فیصلہ کی علمی شہادت نہ دیں تو ان کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۱۲۔ مستور الحال کی شہادت کو فقہا نے جائز لکھا ہے پس اگر باہر سے آنے والے دو مستور الحال

Marfat.com

اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا قضائے قاضی کی شہادت دیں تو ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اگر وہ دوسروں کے چاند دیکھنے کی خبر بیان کریں تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا چونکہ آواز یا خط شہادت کے مرتبہ میں نہیں ہوتا اس لئے تار یا خط یا ٹیلیفون یا ریڈیو کا اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ ثبوت رویت ہلال کے لئے شہادت یا خبر کا بطریق شہادت ہونا ضروری ہے البتہ اگر تار یا ٹیلیفون اور خط استفاضہ خبر کی تعریف میں داخل ہو جائیں تو چونکہ ایسی خبر بمنزلہ خبر متواتر ہے لہذا اس سے بھی رویت ثابت ہو جائے گی۔

مسئلہ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کی رائے ہے کہ چونکہ عید بغیر دو شہادتوں کے ثابت و متحقق نہیں ہوتی اس لئے عید نہ کی جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ چونکہ رمضانیت خبر واحد سے ثابت ہو گئی اور اس کے پورے تیس روزے ہو گئے لہذا ضمناً تیس روزوں کے بعد عید کر لی جائے گی۔ یہ مسئلہ تمام کتب فقہ میں موجود ہے دیکھ لیجئے۔

مسئلہ:۔ ہلال رمضان و عید کی رویت کے متعلق ریڈیو سے نشر کی ہوئی اطلاع کی شرعی حیثیت کیا ہے آیا اس اطلاع پر رویت ہلال کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ رویت ہلال کی شہادت ٹیلی فون پر دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ وائرلیس ٹیلیگرام اور خطوط کی رویت ہلال کے ثبوت کے بارہ میں شرعاً کیا حیثیت ہے؟ ایک یا ایک سے زائد حسب ضرورت اہل شہادت پشاور یا جدہ وغیرہ دور دراز مقامات سے چاند دیکھ کر ہوائی جہاز سے رات ہی رات آ جائیں اور رویت کی شہادت دیں تو ہندوستان کے رہنے والوں پر روزہ یا افطار واجب ہو جائے گا یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ شرعاً اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کے حدود کیا ہیں؟

جواب۔ پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لینا ضروری ہیں تاکہ جوابات فقہ کی روشنی میں ذہن نشین ہو جائیں۔ (۱) ایک شہر کی رویت کا اعتبار دوسرے شہر میں یا تو شہادت سے ہوگا یا شہادۃ علی الشہادۃ سے یا استفاضہ خبر سے فیلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب كأن يتحمل اثنان الشهادة اويشهدا على حكم القاضي اويستفيض الخبر (شامی) عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاقدروا له وفی روایة قال الشهر تسع وعشرون لیلة فلا تصوموا حتی تروه فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلاثین کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں فلا تصوموا حتی تروا الهلال ای حتی یثبت عندکم رؤیة هلال رمضان بشهادة عدلین او اکثر ویثبت بعدل واحد عند ابی حنیفة اذا کان فی السماء غیم ولا تفطروا حتی تروه ای هلال شوال قال ابن الملک حتی تثبت رویته بشهادة عدلین لا باقل بالاتفاق۔

(۲) شہادت اس سچی خبر کو کہتے ہیں جو اثبات حق کے لیے مجلس قضا میں حاضر ہو کر بالفاظ شہادت بیان کی جائے۔ وفی عرف اهل الشرع اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القضاء (فتح القدیر)

(۳) رویت ہلال محض خبر سے (جو بطریق شہادت نہ ہو) ثابت نہیں ہوتی چنانچہ حضرت کریب جو غلام ام فضل رض تھے ان کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام فضل رض نے اُن کو حضرت معاویہ رض کے پاس شام میں بھیجا تھا اور انھوں نے رمضان کا چاند شام ہی میں دیکھا تھا، جب وہ اپنا کام ختم کر کے مدینہ میں آئے تو مدینہ شریف میں انھوں نے حضرت ابن عباس رض سے اپنے جمعہ کی رات میں چاند دیکھنے کی خبر بیان کی اور اس کی بھی خبر دی کہ وہاں حضرت معاویہ رض اور تمام لوگوں نے جمعہ کے دن سے روزے رکھنا شروع کر دیے تھے۔ حضرت ابن عباس رض نے فرمایا کہ ہم نے یہاں ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا ہے تو ہم اس حساب سے تیس ۳۰ دن کے روزے رکھیں گے جب تک کہ ہم اُنتیس ۲۹ کو خود چاند نہ دیکھ لیں تو کریب نے عرض کیا کہ حضرت معاویہ کا شب جمعہ کو چاند دیکھنا اور جمعہ سے روزہ رکھنا تاریخ کی تبدیلی کے لیے کافی نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ ہم کو رسول اللہ نے یہی حکم دیا ہے کہ اگر انتیس کی رویت ثابت نہ ہو تو تیس دن پورے کرو۔ صاحب فتح القدیر اس حدیث کو لکھ کر لکھتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رض نے حضرت کریب کی اس خبر پر تاریخ کیوں نہیں بدلی تو اس کا جواب یہ ہو کہ انھوں نے اس خبر کو بطریق شہادت نہیں

Marfat.com

ذکر کیا تھا۔ اسی طرح فقہار نے بھی اپنی کتابوں میں بصراحت لکھا ہے کہ جب تک خبر بطریق شہادت نہ ہو اس وقت تک رویت کی خبر مقبول نہیں۔

(۴) رمضان کا چاند دیکھنے کے ثبوت اور عیدین کے چاند کے ثبوت میں فرق ہے۔ روزہ چونکہ عبادت محضہ ہے لہذا اس کے ثبوت کے لیے وہ شرطیں نہیں ہیں جو معاملات مالی کے ثبوت کے لیے ہوا کرتی ہیں۔ عیدین میں صاحب نصاب پر ایک مالی ٹیکس یعنی صدقۂ فطر اور اضحیہ بھی واجب ہو جایا کرتا ہے لہذا اس کے ثبوت کے لیے وہی بیّنات معتبر ہوں گے جو مالی معاملات کے ثبوت کیلئے معتبر ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ جزئیات فقہ اسی کی شہادت دیتے ہیں۔ لہذا فقہار نے جو جزئیات ثبوت رمضان کے لیے لکھے ہیں وہ ثبوت عیدین کے لیے جاری نہیں کیے جائیں گے مثلاً اگر کوئی شخص رمضان کا چاند خود دیکھ لے اور اس کی گواہی نہ مانی جائے تو اس کو روزہ رکھنا واجب ہے اس واسطے کہ وہ عبادت محضہ ہے جس کا ثبوت تحری اور غلبۂ ظن سے ہو جایا کرتا ہے لیکن اگر قاضی خود عید یا بقرعید کا چاند دیکھ لے تو باوجود یکہ اس کو ظن غالب ہو جاتا ہے لیکن وہ افطار وقربانی کا حکم نہیں دے سکتا ہے البتہ اگر وہ تنہا رمضان کا چاند دیکھ لے تو اس کو روزہ کے حکم دینے کا اختیار حاصل ہے یعنی عبادت محضہ میں محض ظن غالب سے ثبوت عبادت کا ہو جایا کرتا ہے اور مالی معاملات میں ثبوت محض ظن غالب سے نہیں ہوتا جب تک ظن غالب بیّنات شرعیہ سے حاصل نہ ہو۔ بناءً علیہ توپوں کی آواز اور قندیلوں کے جلنے وغیرہ کے جزئیات جو علما نے رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے لکھے ہیں ان سے عیدین کے چاند کا ثبوت جائز نہیں اور ان پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے کسی شہر میں رویت قنادیل اور مدافع کی آواز سے اس شہر کے ملحق دیہاتوں کو روزہ رکھنے کا جو حکم غلبۂ ظن کی وجہ سے دیا ہے اس پر عیدین کی رویت کا قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا۔

(۵) حدیث کے استفاضۂ خبر اور فقہار نے جس استفاضۂ خبر کا اعتبار کیا ہے اس میں بھی فرق ہے۔ محدثین کے نزدیک خبر مستفیض خبر احاد ہی کی قسم ہے اور فقہار کے نزدیک یہ خبر بمنزلہ خبر متواتر کے

ہوتی ہے۔ اور خبر مستفیض سے محدثین کے نزدیک علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور فقہا کے مسلک پر اُس سے غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے جسے طمانیت قلب کہتے ہیں اور غلبۂ ظن کا مرتبۂ طمانیت قلب ہی ثبوت رویت ہلال کے لیے معتبر ہے نہ کہ محض غلبۂ ظن لہٰذا تصریحات فقہا کی بنا پر استفاضۂ خبر میں اتنی کثرت مخبرین کی ہونا چاہیے کہ اُن کی خبر بمنزلہ خبر متواتر کے پہونچ جائے خبر شائع کرنے والوں کی کثرت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بناءً علیہ اگر خبر دینے والا ایک ہو اور اس کی خبر کو بیان کرنے والے کثیر ہوں۔ یا خبر دینے والے کثیر ہوں اور ان کی خبر کا بیان کرنے والا ایک ہی ہو تو ان دونوں صورتوں پر استفاضہ کی تعریف صادق نہیں آئے گی۔ اور خیر القرون میں راویوں کا جھوٹ کمیاب تھا اور بعد کے اقران میں کذب رائج ہو گیا تھا اس لیے محدثین کی ایک جماعت نے استفاضۂ حدیث کے لیے رواۃ کی بہت زائد تعداد اور کثرت کا اعتبار نہیں کیا اور فقہا نے استفاضۂ خبر میں مخبرین کی بڑی کثرت اور بڑی تعداد کا لحاظ کیا ہے۔

(۶) اگرچہ فقہا الخط یشابہ الخط والصوت یشابہ الصوت تحریر فرماتے ہیں لیکن اگر خط سے ظن غالب کاتب کے خط کا اور صوت سے ظن غالب بولنے والے کی آواز کا ہو جائے تو ایسے خطوط کی کثرت اور ٹیلیفون سے آنے والی خبروں کی کثرت بھی استفاضہ میں داخل ہو گی۔

(۷) محققین کے نزدیک اختلاف مطالع کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے اور چھ سو میل کے اندر کی رویت کا اعتبار دوسرے شہروں میں کیا جائیگا، چھ سو میل یا اس سے زائد دور شہروں کی رویت کا اعتبار دوسرے شہروں میں نہ ہوگا۔

(۸) جو چیز پہلے سے ثابت اور متحقق ہو اس کے خلاف دوسرا حکم نہیں لگایا جا سکتا جب تک کہ بینۂ شرعی سے وہ چیز مخالف چیز ثابت نہ ہو جائے۔ بناءً علیہ انتیسویں کو جبکہ رویت نہیں ہوئی تو تیسویں کو ماہ رواں قطعی موجود ہے تو جب تک اس ماہ رواں کے خلاف دوسرے مہینہ کا آنا بینۂ شرعی سے ثابت نہ ہو جائے اس مہینہ کی تبدیلی کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

ان امور کے جان لینے کے بعد رویت ہلال کی جو خبریں خط یا تار یا ٹیلی فون سے معلوم ہوتی ہیں یا ریڈیو سے نشر ہوتی ہیں اور اُن کے متعلق یہ بھی ظن غالب ہو جاتا ہے کہ وہ محض حکومت کی سیاست کے

ماتحت نہیں ہیں تو ان کے اعتبار کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ چیزیں شہادۃ یا شہادۃ علی الشہادۃ اور استفاضہ کے حکم میں نہیں ہیں۔ البتہ جب یہ چیزیں حد استفاضہ پر پہونچ جائیں تو ان کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

ریڈیو سے جو خبریں رویت ہلال کی نشر کی جاتی ہیں اُن کی دو صورتیں ہیں (۱) وہ خبریں جو ہمارے مطلع سے باہر کی ہیں (۲) وہ خبریں جو ہمارے مطلع کے اندر کی ہیں۔ ان میں سے پہلی صورت کی خبروں کا اعتبار ہی نہیں کیا جائے گا۔ دوسری صورت کی چند صورتیں نکلتی ہیں۔ (۱) متعدد اسٹیشنوں سے ہمارے ہم مطلع شہروں میں رویت ہلال ہوجانے کا اعلان کیا جائے۔ (۲) متعدد اسٹیشنوں سے ہمارے مطلع کے اندر کسی ایک مقام کی رویت کا اعلان کیا جائے۔ (۳) کسی ایک ہی اسٹیشن سے مقامی رویت کا اعلان کیا جائے (۴) کسی ایک ہی اسٹیشن سے غیر مقامی رویت کا اعلان کیا جائے (۵) کسی ایک ہی اسٹیشن سے مقامی اور غیر مقامی رویت کا اعلان کیا جائے۔ ان صورتوں میں سے دوسری صورت تو محدثین کے مسلک کے مطابق استفاضہ میں آتی ہے جس سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور فقہا کے مسلک پر استفاضہ میں نہیں آتی ہے۔ البتہ اگر دوسرے قرائن سے ظن غالب حاصل ہوجائے تو ظن غالب حاصل ہوجانے کے بعد یہ صورت خاص ثبوت رویت کے لیے کافی ہوگی بشرطیکہ ان متعدد اسٹیشنوں کی خبروں کے مخبرین بھی مختلف ہوں جو عام طور سے نہیں ہوتا، اور اس صورت خاص سے نشر شدہ خبروں سے تاریخ بدلی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ۔ کیا ٹیلی فون کے اخبار سے رویت ہلال کا حکم دیا جاسکتا ہے۔

جواب۔ اگر انتیس کو چاند دیکھنے کی خبر ایک شہر سے دوسرے شہر میں اتنے ٹیلی فونوں کے ذریعہ آئے کہ اس شہر والوں کو رویت ہلال کا یقین ہوجائے تو ان ٹیلی فونوں کا اعتبار کرلینا اور اس کے مطابق باشندگان شہر کو عمل کرنا جائز ہے۔

اخی المعظم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "واقعی درباب رویت ہلال شہرت اخبار معتبر است اگر از شہرے خبرے رسیدہ کہ بشب گذشتہ

در اخبار رویت ہلال شدہ یا بوساطت تار برقی دریافت ایں امر شدہ تا وقتیکہ شہرت آں نشود واز تحریرات کثیرہ واخبار عدیدہ معلوم نشود اعتبار آں نباید ساخت انتہی" ایک شہر میں چاند دیکھ لینے کی خبر اگر بطریق موجب دوسرے شہر میں پہونچ جائے تو دوسرے شہر میں اس شہر کی رویت کا اعتبار ہوگا یا نہیں اس میں فقہا کا اختلاف ہے محققین کا مسلک یہ ہے کہ اگر دونوں شہروں میں اختلاف مطالع نہیں ہے اور ایک شہر سے خبر بطریق موجب خواہ شہادت شرعیہ کے ساتھ خواہ استفاضہ و شہرت خبر کے ساتھ دوسرے شہر میں اس طرح پہونچ جائے کہ اس شہر والوں کو رویت ہلال کا یقین حاصل ہو جائے تو اس شہر کی رویت کا حکم اس شہر میں بھی دیا جائے گا اور اگر اختلاف مطالع ہوگا تو ایک شہر کا حکم دوسرے شہر میں نہیں دیا جائے گا۔

سوال ۔ کیا بذریعہ ریڈیو، تار برقی، ٹیلیفون اور وائرلس عید الفطر کے چاند دیکھنے کی خبر آئے تو اس خبر پر روزہ افطار کرا دینا اور عید کرنا جائز ہے یا نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ریڈیو پر بولنے والا مسلم یا غیر مسلم ہے۔ پس اگر عید کرنا جائز ہے تو کیوں۔ عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں پھر فقہا نے کیوں ناجائز قرار دیا جبکہ تمام خبریں وغیرہ ریڈیو وغیرہ کی صحیح مانی جاتی ہیں۔

جواب ۔ ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ اسی وقت معتبر ہوتی ہے جبکہ دونوں جگہوں کے مطالع متحد ہوں بشرطیکہ رویت کا ثبوت ایسے طریقہ پر ہوا ہو جس سے رویت کا اعتبار کرنا شرعاً واجب ہوتا ہے اور وہ طریقے علما نے اس طرح بتائے ہیں کہ مثلاً دو گواہ چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا قاضی یا مفتی شہر نے رویت کا حکم دیا ہے یا رویت کی خبریں اس کثرت سے دوسرے شہر میں آجائیں (جہاں چاند نہیں دیکھا گیا ہے) کہ خبر دینے والوں کو جھوٹا نہ کہا جاسکے اور وہ خبر خبر متواتر کی طرح اس شہر میں پھیل گئی ہو پس صورت مسئولہ میں خطوط یا ٹیلیگرام یا ٹیلیفون یا ریڈیو کی خبر شہادت کے حکم میں تو ہے نہیں۔ البتہ ان چیزوں سے خبر کی شہرت دوسرے شہروں میں ہو جاتی ہے پس اگر متعدد اشخاص کے خطوط یا ٹیلیگرام یا ٹیلیفون دوسرے شہروں میں نہ آئیں تو ان خبروں کا اعتبار فقہا کے قواعد کو دیکھتے ہوئے نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ چیزیں استفاضۂ خبر کی تعریف میں داخل

Marfat.com

نہیں ہیں اور اگر دوسرے شہر میں اس کثرت سے متعدد اشخاص کے خطوط یا تار یا ٹیلیفون آجائیں کہ رویت کی خبر متواتر کی طرح پھیل جائے اور اس شہر کے باشندے خطوط یا تار بھیجنے والوں یا ٹیلی فون کرنے والوں کو ان کی کثرت کی وجہ سے متہم بالکذب یا جھوٹا نہ کہہ سکیں تو ان خطوط وغیرہ کا اعتبار کیا جائے گا اور اس دوسرے شہر میں ایسے خطوط سے رویت کا حکم درست ہوگا اس لیے کہ یہ خطوط متعددہ اور بہت سے تار اور ٹیلی فون استفاضۂ خبر میں داخل ہیں اور ریڈیو کی خبر شخص واحد کی ہیں یہ وہ ایک خبر ہوتی ہے جو کسی طرح بھی استفاضہ کی تعریف میں داخل نہیں اسلئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور جبکہ کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے کہ اگر کسی شہر میں امام یا قاضی شوال کا چاند دیکھے تو اس کو محض اپنی رویت سے افطار کا حکم دینا اور عید کی نماز پڑھوانا درست نہیں تو ریڈیو پر خبر دینے والے شخص واحد کی خبر سے امام یا قاضی یا مفتی کو بدرجۂ اولیٰ افطار کا حکم دینا اور عید کی نماز پڑھوانا درست نہ ہوگا۔

اور بھی کتب فقہ میں تصریح کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ اگر دو شخص بطریق محاکات قاضی کے سامنے اس امر کی گواہی دیں کہ فلاں شہر میں انتیسویں کی رویت ہوئی ہے اور ان گواہوں نے خود انتیس کا چاند نہ دیکھا ہو اور نہ انھوں نے اس شہر کے قاضی یا مفتی کا حکم سنا ہو تو ان گواہوں کی شہادت کا اعتبار نہ ہوگا اور قاضی کو ان گواہوں کی گواہی سے تاریخ بدلنے اور روزہ افطار کرنے کا حکم دینا درست نہ ہوگا۔ پس ریڈیو پر بولنے والے کی خبر جو علی العموم بطور محاکات اور خبر رسانی کے لیے ہوتی ہے شہادت کے مرتبہ پر ہوتی ہی نہیں، بدرجۂ اولیٰ مقبول نہ ہوگی اور اس سے انتیس کی رویت کی جو اطلاع دی جائے اس پر کسی شہر کے مفتی یا قاضی کو اپنے شہر میں روزے یا افطار کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ جواب استفتا "اختلاف المطالع" دیکھا جو میری تحقیق کے خلاف ہے۔ فتاوی مولانا عبدالحئی میں بھی آپ کے خلاف ہے اور جو کچھ بحر میں ہے اُس کو یہاں نقل کر رہا ہوں جو حنفیہ کا مفتی بہ مذہب ہے۔ پھر آپ نے اس کے خلاف کیسے فتوی دیا (ولا عبرۃ باختلاف المطالع)

فاذا راٰہ اھل بلدۃ اُخریٰ وجب علیھم ان یصوموا الخ وقیل نعتبر فلا یلزمھم الخ والاول ظاھر الروایۃ وھو الاحوط کذا فی فتح القدیر وھو ظاھر المذھب وعلیہ الفتویٰ الخ واما ما استدل بہ الشارح علی اعتبار المطالع الخ فلا دلیل فیہ لانہ لم یشھد علی شھادۃ غیرہٖ الخ

اس کے متعلق جو کچھ آپ کی تحقیق ہے اس کو ضرور لکھیئے۔

جواب تمامی علما اس امر میں متفق ہیں کہ مختلف اقالیم کے مطالع بھی مختلف ہوتے ہیں، اگر ایک اقلیم میں رات ہے تو دوسری میں دن ہوگا، اگر ایک جگہ طلوع صبح صادق ہوگی تو دوسری اقلیم میں رات موجود ہوگی۔ اگر ایک اقلیم میں آفتاب نصف النہار پر ہو تو دوسری میں طلوع آفتاب کا وقت ہوگا ایک اقلیم میں اگر شروع ظہر کا وقت ہے تو دوسری میں عصر یا مغرب کا وقت ہوگا اسی کو علامہ شامی نے اعلم ان نفس اختلاف المطالع لا نزاع فیھا الخ سے بیان کیا ہے۔ اور اس امر میں بھی علما متفق ہیں کہ قطر بلد مختلف ہونے سے مطلع شمس و قمر مختلف ہو جاتا ہے البتہ فیما بین العلما اختلاف اس امر میں ہے کہ اگر کسی شہر میں اس کے قطر اور مطلع شمس و قمر کے باہر کسی دوسرے شہر کی انتیسویں شعبان کی رویت کی خبر بطریق موجب آجائے تو اس شہر والوں کو (جس کا مطلع بوجہ بُعد اس دوسرے شہر سے مختلف ہے) ثبوت شرعی کے بعد اُس دوسرے شہر کی رویت کے حساب سے صوم کا حکم دیا جائے گا اور اس شہر کی رمضانیت اُس دوسرے شہر کی رویت کے حساب سے ثابت ہوگی یا نہیں۔

اکثر علمائے احناف اسی جانب گئے ہیں کہ اگر کسی شہر میں انتیسویں شعبان کو چاند دیکھا گیا اور اس کی خبر بطریق موجب کسی دوسرے شہر میں پہونچ جائے تو اس دوسرے شہر کے باشندوں کو انتیسویں کی رویت کے حساب سے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا خواہ وہ شہر اس دوسرے شہر کے مطلع کے اندر ہو یا مطلع کے باہر اور یہی قول ظاہر الروایۃ میں ہے اور ان کی سند وہ حدیث ہے جس کو شیخین نے بھی روایت کیا ہے اور طریق استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ رکھنے کا حکم مطلق رویت ہلال کے ثبوت پر ہے پس جس جگہ مطلق رویت ہلال کا ثبوت

Marfat.com

ہو جائے خواہ اس شہر کے باشندے خود چاند دیکھ لیں یا مطلق رویت کی خبر بطریق موجب پہونچ جائے تو وہ مامور ہو جاتے ہیں اُس مطلق رویت کے اعتبار سے روزہ رکھنے پر خواہ رویت ہلال اُن کے مطلع کے اندر ہو یا مطلع سے باہر ہو۔

بعض علمائے احناف اس جانب گئے ہیں کہ اگر کسی شہر میں اس کے مطلع شمس و قمر کے اندر والے دوسرے شہر سے انتیسویں شعبان کو چاند دیکھنے کی خبر بطریق موجب آئے تو اس شہر میں دوسرے شہر کی رویت کے اعتبار سے صوم کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر اس شہر میں کسی ایسے شہر سے رویت ہلال کی خبر بطریق موجب آئے جو اس کے مطلع سے باہر ہو تو اس شہر میں اس دوسرے شہر کی رویت کے اعتبار سے صوم کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے ہوتی ہے جس کو بخاری کے تمام ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے۔ محمد بن ابی حرملہ بیان کرتے ہیں۔ اخبرنی کریب ان ام الفضل بنت الحارث بعثته الی معاویة بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتها واستهل علیّ رمضان وانا بالشام فرأیت الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی آخر الشهر فسألنی عبد الله ابن عباس ثم ذکر الهلال فقال متیٰ رأیتم الهلال فقلت رأیناه لیلة الجمعة فقال انت رأیته فقلت نعم ورآه الناس وصاموا وصام معاویة فقال لکنا رأیناه لیلة السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلثین او نراه فقلت اولا یکتفی برؤیة معاویة وصیامه فقال لا هکذا امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم

اسی بنا پر حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "مگر محققین حنفیہ کے نزدیک ہر وہ دو شہر جن کا مطلع علم ہیئت کے قواعد سے مختلف ہو اُن میں سے ایک شہر میں چاند دکھائی دینا دوسرے شہر والوں کے لیے معتبر نہیں ہے" اسی کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا ہے "بلکہ تمام مذاہب میں صحیح ترمذہب جو عقل و نقل دونوں کے موافق ہے یہی ہے کہ اگر دو شہروں میں مسافت اتنی ہو کہ جس سے مطلع بدل جاتا ہے جس کی مقدار ایک ماہ طے ہونے کی ہے تو ایک شہر کی رویت دوسرے شہر میں نہیں معتبر ہے

اور ایسے دو شہر اگر قریب قریب ہیں جن کی درمیانی مسافت ایک مہینے سے کم میں طے ہو جاتی ہے تو ان میں سے ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ معتبر ہے بشرطیکہ رویت کا ثبوت ایسے طریقہ پر ہو جس سے رویت کا اعتبار کرنا واجب ہوتا ہے"

اور صاحب بحر ولا عبرۃ باختلاف المطالع کے تحت لکھتے ہیں وقیل یعتبر فلا یلزمهم برؤیة غیرهم اذا اختلف المطالع وهو الاشبه کذا فی التبیین اور علامہ شامی الاشبہ کے تحت لکھتے ہیں قال فی البزازیة معناه الاشبه بالمنصوص روایةً والراجح درایةً فیکون علیه الفتوی والدرایة بالدال المهملة تستعمل بمعنی الدلیل کما فی المستصفی۔

ان عبارات سے واضح ہو جاتا ہے کہ صاحب بحر کے نزدیک بھی اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کا مسلک عقل و نقل اور دلیل شرعی کے موافق ہے اور بقول بزازیہ اس پر فتوی بھی ہے۔ یہی میری ذاتی تحقیق ہے کہ اختلاف مطالع حکم صوم و فطر میں معتبر ہے۔

مسئلہ (۱) رمضان المبارک یا عید کے لئے جہاں اسلامی حکومت نہ ہو رویت ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے یا نہیں یا صرف صوموا بقول ثقة وافطروا بقول ثقتین پر ہی عمل ہو گا یا ایسی جگہوں میں جیسا کہ مولانا عبدالحئی مساجد کے ائمہ کو قاضی اسلام کا نائب تصور کرتے ہیں رویت ہلال کے لئے شرعی شہادت ہی کی ضرورت ہے۔

(۲) ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ احادیث سے ابر ہونے یا نہ ہونے کی تعداد شہادت کے لئے مصرح نہیں وارد ہے کہ ابر یا غبار ہو تو اتنے اور نہ ہو تو اتنے گواہ کی ضرورت ہے اس لئے اگر صرف ایک ہی شخص نے چاند دیکھا لیا تو رمضان اور عید دونوں کے لئے کافی ہے اور در مختار اور ہدایہ وغیرہما میں ابر و غبار ہونے نہ ہونے کی حالت میں جو تخصیص ہے وہ احادیث کے خلاف ہے۔ رہی دارقطنی والی حدیث تو وہ ضعیف ہے لہذا قابل عمل نہیں۔

براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات حدیث و قرآن کی روشنی میں عطا فرما کر ممنون کریں

Marfat.com

احسان بنائیں۔

(۱) جہاں حکومت اسلامی نہ ہو وہاں متدین عالم وائمہ مساجد قاضی اسلام کا نائب مناب ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(۲) ہلال رمضان وعید کے لئے ایسی جگہوں میں شرعی شہادت کی ضرورت ہے یا نہیں۔

(۳) بصورت ہلال رمضان وعید کسی ایک شخص کے کہنے سے بھی منائی جاسکتی ہے یا نہیں۔

(۴) جو شخص فقہی کتابوں کے ساتھ لگے رہنے کو بُرا یعنی غیر ضروری سمجھے از روئے شرع اُس کے لئے کیا حکم ہے۔

(۵) بصورت ہلال رمضان وعید کی رویت ثابت نہ ہونے کے اقوال منجمین معتمد ہو سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہاں ایک گروہ حضرت امام حنبلؒ کے مسلک کی آڑ لے کر اصحاب تقویم و توقیت کے اقوال پر عمل درآمد کرنا ولیل لارہے ہیں اُمید ہے کہ احادیث صحیحہ سے اس خصوص پر روشنی ڈال کر ایک اُٹھتے فتنہ کو دبا دیں گے۔

(۶) ٹیلیفون کے ذریعہ جو خبریں دور دراز شہروں سے معلوم کیجاتی ہیں آیا یہ خبریں مستفاض مانی جاسکتی ہیں یا نہیں اور چاند کی تحقیق کے بعد اگر ریڈیو میں عوام کے اعلان کے لئے رویت ہلال کی خبر نشر کردی جائے تو از روئے شرع کوئی حرج تو نہیں ہے۔

جواب۔ (۱) جس جگہ کوئی حاکم شرعی موجود نہ ہو اُس مقام میں اگر دیندار امام مسجد یا عالم شہادت شرعی لے کر روزہ یا افطار کا حکم دیدے تو اس کے حکم پر روزہ رکھنا اور افطار کرنا وہاں کے باشندوں پر لازم ہو جاتا ہے۔

اگر کسی شہر میں حکومت غیر مسلم کی ہو اور اس شہر میں کوئی قاضی اسلام موجود نہ ہو اور اس شہر کے مسلمان کسی دیندار عالم یا امام مسجد کو قاضی بنا دیں تو بعض علما کے نزدیک وہ عالم یا امام مسجد اقامت جمعہ و اعیاد کر سکتا ہے اور فصل خصومات بھی کر سکتا ہے اور شہادت شرعی گزرنے کے بعد صوم یا افطار کا حکم بھی دے سکتا ہے۔

Marfat.com

(۲) ہر شہر میں دار مدار صوم و افطار کا رویت ہلال پر ہے اور اگر اُس شہر میں چاند نہ دکھائی دے اور انتیس ۲۹ کی رویت کی گواہی بھی نہ آئے تو تیس دن مہینے کے پورے کرنا ضروری ہیں۔

پس اگر کسی شہر میں انتیسویں شعبان کو چاند نہیں دکھائی دیا اور نہ رویت ہلال کی شہادت آئی تو تیسویں شعبان کو زوال کے پہلے تک انتظار کر کے افطار کرنا چاہیئے اور اگر انتیسویں رمضان کو چاند نہیں دکھائی دیا اور نہ رویت ہلال کی شہادت آئی تو تیسویں رمضان کا روزہ رکھنا چاہیئے اور تیس روزوں کے بعد عید کرنا چاہیئے۔

(۳) انتیسویں رمضان کو اگر کسی شہر میں ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند نہ دکھائی دے تو اگر دو عادل گواہ اس شہر میں انتیسویں رمضان کو چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو ان کی گواہی پر اس شہر کا دیندار عالم یا امام مسجد افطار کا حکم دے سکتا ہے اور اس کے حکم کے بعد باشندگان شہر کو افطار صوم لازم ہوتا ہے۔

اور اگر انتیسویں شعبان کو کسی شہر میں چاند ابر وغیرہ کی وجہ سے نہ دکھائی دے اور ایک دیندار آدمی اس شہر میں شہادت دے کہ اُس نے اسی رات میں انتیسویں شعبان کو چاند دیکھا تھا اور اس شہر کا دیندار امام مسجد یا عالم اُس کی شہادت مان کر تیسویں شعبان کو روزہ رکھنے کا حکم دیدے تو اُس شہر کے باشندوں پر اُس امام مسجد یا عالم کے حکم پر اس دن روزہ رکھنا ضروری ہے۔

ہر شہر میں صوم و افطار کا دار و مدار رویت ہلال پر ہے اگر ابر وغیرہ کی وجہ سے انتیسویں کو چاند نہ دکھائی دے تو رمضان کے لئے ایک دیندار مسلمان کی گواہی اور خبر رویت ہلال کی کافی ہے اور افطار یعنی عید کے لئے دو دیندار مسلمان مردوں کی گواہی کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور اگر انتیسویں کو مطلع صاف ہو اور چاند نہ دکھائی دے تو اس شہر کے امام مسجد یا عالم کے پاس اتنی گواہیاں آنا چاہیے کہ اس کو ان گواہیوں سے رویت ہلال کا ظن غالب حاصل ہو جائے اسی کو علما نے جم غفیر سے تعبیر کیا ہے پس اگر اُس شہر کے امام یا عالم یا مفتی کو صرف دو گواہوں کی گواہی سے ظن غالب انتیسویں کی رویت کا حاصل ہو گیا تو اُس شہر کا امام یا عالم یا مفتی صوم یا فطر کا حکم دے سکتا ہے۔

ماحصل جواب کا یہ ہے کہ اگر انتیسویں شعبان کو ابر ہو اور کسی شہر میں چاند دکھائی دیا ہو تو ائمہ ثلثہ امام ابوحنیفہ و امام شافعی و امام احمد حنبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایک دیندار کی شہادت یا خبر بطور شہادت سے اس شہر کے امام روزہ کا حکم انتیسویں کی رویت کے حساب سے دے سکتا ہے! امام مالک کے نزدیک صرف ایک شخص کی شہادت کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اگر انتیسویں شعبان کو ابر نہ ہو اور شہر والوں کو چاند نہ دکھائی دے تو اس شہر میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک عادل مرد کی شہادت سے رویت کا حکم دینا اور اس کے حساب سے صوم کا حکم دینا درست ہے اور احناف اور امام مالک رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایک عادل مرد کی گواہی سے صوم کا حکم دینا درست نہیں ہے، بلکہ اس وقت دو گواہوں کی گواہی سے صوم کا حکم دیا جائے گا۔

اور اگر انتیسویں رمضان کو ابر کی وجہ سے کسی شہر میں چاند نہیں دکھائی دیا تو تمام ائمہ کے نزدیک بدون دو شاہد عادل کی شہادت کے فطر کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر انتیسویں رمضان کو مطلع صاف ہو اور شہر میں چاند دکھائی نہ دے تو جب تک اتنے گواہ انتیسویں کی رویت پر گواہی نہ دیں جن کی گواہی سے رویت کا ظن غالب اس شہر کے امام یا عالم یا مفتی کو حاصل ہو جائے تو اس شہر کا مفتی یا امام یا عالم افطار کا حکم نہیں دے سکتا ہے۔

(۴) جو شخص کتب فقہ پر اعتماد نہیں کرتا ہے وہ جاہل ہے اس کو یہ نہیں معلوم ہے کہ فقہا نے ان کتب میں قرآن و حدیث ہی سے مسائل جمع کیے ہیں۔

(۵) بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہور کے آنے اور ختم ہونے کا دارومدار رویت پر ٹھہرایا ہے اور رویت نہ ہونے اور شہادت نہ آنے پر یہ حکم دیا ہے کہ اس مہینے کو تیس دن کا کرکے پورا کرلو۔ آپ نے شہور کے آنے اور ختم ہونے میں کتابت و حساب منجمین پر اعتماد نہیں فرمایا ہے۔ بنا ء علیہ صرف منجمین کے قول پر صوم یا افطار کا حکم نہیں دیا جا سکتا جب تک رویت ہلال نہ ہو جائے یا تیس دن پورے نہ ہو جائیں

(۶) چونکہ محققین کا مسلک یہ ہے کہ اقلیم بدل جانے سے مطلع بھی بدل جاتا ہے اس لئے کسی شہر میں انتیسویں کی رویت ہلال کی خبر اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اس شہر کے عرض البلاد و طول البلد کے اندر چاند دیکھنے کی خبر آئی ہو اس شہر کے مطلع کے باہر کی خبر رویت ہلال کے متعلق ہو تو اس رویت کا اعتبار اس شہر میں نہیں ہوگا۔ اور جو شہر اس سے کم مسافت رکھتا ہے اس کی رویت ہلال کا اعتبار کیا جائے گا۔

پس اگر کسی شہر میں اس کے مطلع کے اندر والے شہروں میں سے کسی شہر سے انتیسویں کو چاند دیکھنے کے ٹیلیفون یا تار یا خطوط اس کثرت سے آئیں کہ اس شہر کے باشندوں کو خبر متواتر کی طرح ان ٹیلیفون تار یا خطوط سے انتیسویں کو رویت ہلال کی خبر مصدق ہو جائے تو اس وقت استفاضہ خبر کی وجہ سے اس شہر میں صوم یا فطر کا حکم دیا جا سکتا ہے اور اگر اتنے ٹیلیفون وغیرہ نہ آئیں کہ ان سے باشندگان شہر کو انتیسویں کی رویت کا یقین خبر متواتر کی طرح حاصل ہو تو اس پر استفاضہ خبر کی تعریف نہیں صادق آئے گی اور دو ایک ٹیلیفون یا تار وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ریڈیو سے جو خبر شائع ہوتی ہے وہ نہ تو شہادت کے حکم میں ہے اور نہ اس پر استفاضہ خبر کی تعریف صادق آتی ہے اس لیے اس کی خبر پر صوم فطر کا حکم دینا درست نہیں ہے البتہ اپنے شہر کے باشندوں کی اطلاع کے لئے اس شہر کا عالم یا مفتی رویت ہلال کی خبر نشر کرائے تو کوئی حرج شرعی نہیں ہے۔ عید الضحیٰ اور دیگر شہور کی رویت کا حکم عید الفطر کی رویت ہلال کی طرح ہے۔

ایک خط اور اس کا جواب

باسمہ سبحانہ

از بندہ ناچیز محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہٗ

مخدومی و محترمی حضرت مفتی صاحب! دامت فیوضکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ اس عریضہ کے ذریعہ جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اس سے پہلے پوری بے تکلفی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ ایک طویل عرصہ سے درس و افتا کے کام سے

بے تعلق ہونے کی وجہ سے خاص کر فقہی مسائل میں میں اپنے علم کو بالکل قابل اعتماد نہیں سمجھتا، اس لئے بسا اوقات خود اپنی ضرورت کے مسائل بھی دوسرے اہل علم سے دریافت کرتا ہوں اور ان کے بتانے پر عمل کرتا ہوں ——— یہ جو عرض کیا ہے بالکل واقعی حقیقت ہے اس کو انکسار پر بھی نہ محمول فرمایا جائے۔

اسی اظہار و اعتراف کے بعد میں چند گذارشیں جناب کے اس بیان سے متعلق جناب ہی کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، جو رویت ہلال سے متعلق چند دن ہوئے "قومی آواز" میں شائع ہوا تھا۔ اگر لائق اعتنا ہوں تو ان پر غور فرمالیا جائے۔

(۱) جناب نے مطلع پر غبار کا ذکر بھی فرمایا ہے اگر اس کی بنیاد خود جناب کا مشاہدہ ہے تو کچھ عرض کرنا نہیں اور اگر کسی دوسرے کی اطلاع کی بنیاد پر یہ تحریر فرمادیا گیا ہے تو عرض کرنا ہے کہ جتنے بھی ایسے حضرات اس عاجز سے ملے جنھوں نے اس چاند دیکھنے کی کوشش کی تھی ان سب کا بیان یہی تھا اور یہی ہے کہ مطلع اس دن بالکل صاف تھا۔ تاہم اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس دن مطلع پر ایسا غبار تھا جو رویت ہلال سے مانع ہو سکتا تھا تو پھر مسئلہ یہیں پر ختم ہو جاتا ہے اور اس صورت میں صرف ایک شاہد کی شہادت بھی ثبوت رمضان کے لئے کافی ہے۔

لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مطلع پر ایسا غبار نہیں تھا اور باصطلاح فقہا مطلع صاف تھا تو پھر تو اس عاجز کا خیال ہے کہ فتویٰ اسی پر ہونا چاہیئے جو عام متون میں ہے اور جو ظاہر الروایۃ ہے۔

آپ حضرات سے زیادہ کون اس کو جان سکتا ہے کہ مسئلہ کی اصل و اساس یہ ہے کہ رمضان کا حکم لگانے کے لئے کم از کم ایسا ثبوت ہو جو علم شرعی یعنی غلبہ ظن پیدا کر دے، پھر ابر و غبار کی شکل میں یہ غلبہ ظن ایک دو کی شہادت سے بھی حاصل ہو سکتا ہے لیکن مطلع صاف ہونے کی صورت میں جب چاند دیکھنے کی کوشش کرنے والے ہزاروں ہوں اور ان کو چاند نظر نہ آئے، اور صرف دو تین آدمی کہیں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا تو غلبہ ظن حاصل نہ ہوگا ——— ظاہر الروایۃ میں جمع کثیر یا جمع عظیم کی جو شرط لگائی گئی ہے اس کی بنیاد کتب فقہ و فتویٰ میں یہی بیان کی گئی ہے اور یہ بنیاد نہایت معقول اور مضبوط ہے۔

(۲) جناب نے حضرت امام اعظم کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے (کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی صرف دو شاہدوں کی شہادت پر رمضان کا ثبوت ہو سکتا ہے) یہ روایت جیسا کہ جناب والا کے علم میں ہے حسن بن زیادہ کی ہے اور ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے اور ظاہر الروایت کے مقابلہ میں بغیر کسی خاص علت یا مجبوری کے ہمارے آپ کے لئے اس پر فتویٰ دینے کی گنجائش اس عاجز کی سمجھ میں تو از روئے اصول افتا آتی نہیں۔

صاحب بحر نے اپنے زمانے کے خاص حالات میں ان ہی حالات کے تقاضے سے اس کو قابل عمل کہا ہے اور علامہ شامیؒ نے ان ہی حالات کی بنا پر اس روایت پر فتویٰ دیا ہے، پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی وقت اور کسی علاقہ کے حالات ایسے ہوں جیسے کہ علامہ ابن نجیم اور علامہ ابن عابدین نے اپنے زمانے کے لکھے ہیں تو ان حالات میں اصحاب فتویٰ کو اس روایت پر فتویٰ دینے کی بھی گنجائش ہے۔

ان دونوں حضرات کی عبارتوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ چونکہ ہمارے زمانے میں لوگ چاند دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں تو اگر دو بھلے آدمی بھی چاند دیکھنا بیان کریں اور شہادت دیں تو حسن والی روایت کی بنا پر اس کو قبول کر لینا چاہیے کیونکہ اس صورت میں ان کا تفرد خلاف قیاس نہیں ہے۔ (لہٰذا اس صورت میں یہ فتویٰ ظاہر الروایت کے مقصد سے متصادم بھی نہ ہوگا)

علامہ ابن نجیم کے ان الفاظ پر غور فرمایا جائے "وینبغی العمل علیہا فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاہلۃ فانتفی قولھم" مع توجھم طالبین لما توجہ ھو الیہ" فکان التفرد غیر ظاہر فی الغلط اور علامہ شامی کے ان الفاظ پر غور فرمایا جائے "انت خبیر بان کثیرا من الاحکام تغیرت لتغیر الازمان ولو اشترط فی زماننا الجمع العظیم لزم ان لا یصوم الناس الا بعد لیلتین او ثلاث لما ھو مشاھد من تکاسل الناس۔ الیٰ ان قال۔ وحینئذ فلیس فی شھادۃ الاثنین تفرد من بین الجمع الغفیر حتی یظھر غلط الشاھد فانتفت علۃ ظاھر الروایۃ فتعین الافتاء بالروایۃ الاخریٰ"

الغرض جیسا کہ جناب ملاحظہ فرما رہے ہیں صاحب بحر اور علامہ شامی دونوں کی عبارات میں

Marfat.com

اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ حسن ابن زیاد کی اس روایت کو (جس کو بقول صاحب بحر مشائخ حنفیہ میں سے کسی نے بھی ترجیح نہیں دی ہے۔ (ولم ادمن رجحها من المشائخ) اپنے زمانے میں صرف اس لئے قابل عمل اور قابل فتوی قرار دے رہے ہیں کہ ان کے زمانے میں لوگ چاند دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔[1]
اس لئے یہ بات کچھ خلاف قیاس نہیں رہی تھی کہ شہر میں صرف ایک دو آدمی چاند دیکھیں اور شہادت دیں۔ بہر حال ان دونوں بزرگوں نے اسی خاص صورت حال میں (ظاہر الروایت کے مقصد سے متصادم نہ ہونے کی وجہ سے) اس روایت کو قابل عمل اور قابل فتوی قرار دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہندوستان کی یہ حالت نہیں ہے۔ جناب والا پر یہ بات ہرگز مخفی نہ ہوگی کہ اس شہر لکھنؤ میں اللہ کے ہزاروں بندوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی اور ہمیشہ کرتے ہیں شہر کی کئی مسجدوں میں سے کونسی وہ مسجد ہوگی جس کے نمازی چھت پر چڑھ کر خاص کر رمضان اور عید کے چاند دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔
پس ایسی حالت میں اگر پورے شہر میں صرف دو آدمی چاند دیکھنا بیان کریں تو اس عاجز کی سمجھ میں نہیں آتا کہ صاحب بحر اور علامہ شامی کی ان عبارات کی بناء پر یہاں کیسے ان کی شہادات پر رمضان کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں تو ظاہر الروایت والی وہ بنیاد جیتی جاگتی موجود ہے جس کی وجہ سے ایک دو آدمیوں کی شہادت مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے اور وہ غلبہ ظن کو مفید نہیں ہو سکتی —— اس لئے یہاں تو فتوی ظاہر الروایت پر ہی ہونا چاہیئے کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں جمع کثیر و جمع عظیم کی شہادت کے بغیر ثبوت ہلال کا حکم نہ لگایا جائے۔

بالفاظ دیگر میں عرض کرتا ہوں کہ صاحب بحر اور علامہ شامی نے بھی حسن ابن زیاد کی اس روایت کو ظاہر الروایت کے مقابلہ میں قابل ترجیح اور قابل فتوی نہیں سمجھا ہے بلکہ ان کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اصل مذہب ظاہر الروایت ہی کو سمجھ رہے ہیں لیکن اپنے زمانے کی ایک خاص حالت کا تقاضا ان کے نزدیک یہ ہے کہ حسن ابن زیاد والی روایت پر فتوی دے دیا جائے، چنانچہ اس بناء پر انھوں نے اپنے زمانہ کے ان حالات میں اس کو قابل عمل اور قابل فتوی قرار دیا ہے —— اس سے یہ بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حضرات ظاہر الروایت کے مقابلہ میں مطلقاً حسن ابن زیاد کی اس روایت کو ترجیح دیتے

[1] ہم ہندوستان والوں کو یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ان بلاد کی یہ خصوصیت سامنے ہو کہ وہاں پہلی رات کا چاند دیکھنا کتنا مشکل کام تھا اور پہاڑیوں پر چڑھے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا تھا تو تعجب نہ ہوگا۔ خود مکۂ معظمہ کا بھی یہی حال ہے جس کی وجہ سے عام اہل شہر کو ایک دو راتیں گزرنے کے بعد ہی چاند نظر آتا ہے ۱۲۔

Marfat.com

ہیں اور اب دوسروں کے لئے گنجائش ہے کہ وہ دوسرے حالات میں بھی ظاہر الروایت کو چھوڑ کر اس روایت پر فتویٰ دیں۔

(۳) نفس مسئلہ عام کتب فقہ میں جس طرح لکھا ہوا ہے وہ بھی اگرچہ بالکل واضح ہے لیکن میرا خیال ہے کہ مبسوط کی عبارت اس بارہ میں کچھ زیادہ واضح ہے اور وہ فقہ حنفی کی اساسی کتابوں میں سے بھی ہے اس لئے جناب کے ملاحظہ کے لئے اس عبارت کو بھی نقل کرتا ہوں۔ فاما اذا لم یکن بالسماء علة فلا یقبل شهادة الواحد والمثنیٰ حتیٰ یکون امراً مشهوراً ظاهراً فی هلال رمضان وهکذا فی هلال الفطر فی روایة هذا الکتاب وفی روایة الحسن عن ابی حنیفة رضی الله عنه قال تقبل شهادة رجلین او رجل و امرأتین بمنزلة حقوق العباد والاصح ماذکر ههنا فان فی حقوق العباد انما تقبل شهادة رجلین اذا لم یکن هناك ظاهر یکذبهما وهنا الظاهر یکذبهما فی هلال رمضان وفی هلال شوال جمیعاً لانهما اسوة سائر الناس فی الموقف المنظور وحدة البصر وموضع القمر فلا تقبل فیه الشهادة الا ان یکون امراً مشهوراً ظاهراً۔ (مبسوط جلد ثالث ص۱۴۰) مبسوط کی اس عبارت کے الفاظ "فلا یقبل شهادة الواحد والمثنیٰ" سے بھی یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جن بعض مصنفین نے کتب فقہ کی بعض عبارات میں بجائے جمع عظیم کے عدد کا لفظ دیکھ کر اس کے دو پر بھی صادق آنے کا خیال ظاہر فرمایا ہے اور اس طرح حسن ابن زیاد والی روایت کو بھی ظاہر الروایت کے ساتھ ملا دینے کی کوشش فرمائی ہے ان سے یہ زلت ہوئی ہے۔ مبسوط کی اس تصریح کے بعد اس خیال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، لہٰذا صحیح طرز عمل یہ ہوگا کہ عدد سے مراد وہ عدد لیا جائے جو جمع عظیم اور جمع کثیر کے مطابق ہے اور یہ بالکل اس طرح ہے جس طرح ہمارے محاورہ میں لکھ دیتے ہیں کہ ایک دو آدمی نہیں بلکہ ایک تعداد ہونی چاہیے ـــــ بہر حال ظاہر الروایت کی تعبیر میں جن کتابوں میں عدد کا لفظ مذکور ہے اس کا صحیح محمل یہی ہے۔

(۴) جناب والا نے اپنے بیان میں یہ بھی فرمایا ہے کہ موجودہ صورت میں اگر بالفرض تیس روزے رکھ کر چاند نظر نہ آئے تو چونکہ ثبوت رمضان کا حکم دو شاہدوں کی شہادت پر کیا گیا ہے اس لئے ۳۱ ویں دن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عید کی جائے گی (یعنی اس دن روزہ رکھنا حرام قرار پائے گا)

Marfat.com

اس عاجز نے جہاں تک غور کیا اور سمجھا ہے کتب فقہ کے اس جزئیہ کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ ۲۹ شعبان کو ابر یا غبار ہو اور امام دو عادل شاہدوں کی شہادت پر ثبوت رویت کا حکم لگا دے، کتب فقہ میں مسئلہ جس سیاق میں ذکر کیا جاتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب والا اس پر دوبارہ غور فرمالیں اگرچہ قوی امید یہی ہے کہ آنے والے جمعہ کو انشاء اللہ ضرور رویت ہو جائیگی لیکن اگر بالفرض مطلع صاف ہوا اور رویت نہ ہوئی تو مجھے خطرہ ہے کہ عید کے بارے میں شہر میں بہت کھونڈے قسم کا اختلاف نہ ہو جائے، اس لئے نیازمند کی مکرر گذارش ہے کہ اس کے بارے میں خاص طور پر غور فرمالیں۔

آخر میں گذارش ہے کہ اس عاجز کو اپنی کم علمی کا بحمد اللہ حق الیقین ہے اس لئے ان معروضات کو ایک ایسے نیازمند طالب علم کی گزارشات ہی سمجھا جائے، جو اللہ تعالیٰ کی عنایت و توفیق سے حضرات علماء کرام و اہل فتوی کا ادب و احترام اپنے لئے واجب سمجھتا ہے۔

والسلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

محترم بندہ دام مجدکم

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ گرامی نامہ نے عزت بخشی مکتوب گرامی پڑھ کر مستفید ہوا میں اپنے کو اب تک طالب العلم ہی سمجھتا ہوں میں نے جس کوٹھے پر سے چاند دیکھا تھا اس سے مجھ کو مطلع پر غبار نظر آیا تھا اور قرب و جوار سے جو حضرات چاند دیکھ رہے تھے وہ بھی یہی بتاتے تھے کہ افق سے متصل چار پانچ گز اونچا غبار تھا بلکہ میرے کوٹھے سے متصل ایک مکان کی چھت پر دو حضرات چاند دیکھ رہے تھے ان میں سے ایک صاحب نے اسی غبار میں چاند دیکھا کبھی وہ ظاہر ہوتا تھا کبھی چھپ جاتا تھا انہوں نے اپنے دوسرے ساتھی کو چاند دکھانے کی بہت کوشش کی مگر ان کو نہیں دکھائی دیا یہ دونوں نوجوان تھے۔ اگر آپ فرمائیں تو ان دونوں حضرات کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں

اس غبار کے اوپر آسمان بالکل صاف تھا عام طور سے چاند نہ دکھائی دینا اور چند اشخاص کو نظر آجانا یہ بظاہر مطلع کے صاف نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس صورت میں دو گواہیاں معتبر ہوں گی۔ مطلع صاف ہونے کی صورت میں ظاہر الروایت پر مسئلہ وہی ہے جو سرخسی نے مبسوط میں لکھ دیا چونکہ ان کو امام صاحب کی اس روایت کی تردید بھی مقصود تھی جس کو حسن بن زیاد نے نقل کیا تھا اس لئے انہوں نے مثنی کی قید بھی لگادی اور ظاہر الروایت کے قول کو بہت واضح طور سے تحریر فرمایا ہے۔

صاحب بحر نے جس ضرورت کی وجہ سے ظاہر الروایت کے قول کو چھوڑ کر امام صاحب کی روایت کو اختیار کیا ہے وہ ضرورت میرے عقل ناقص میں یہاں بھی پائی جاتی ہے عام طور سے مسلمان اسلامی مہینوں کا چاند دیکھنے میں تساہل برتتے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر حضرات کو ان مہینوں کی تاریخ بھی صحیح طور سے نہیں معلوم ہوتی بلکہ بعضے ایسے بھی ملتے ہیں جنکو یہی نہیں معلوم ہوتا کہ اسلامی کون مہینہ ہے۔ ایک آدھ مخصوص مہینوں کا چاند اگر متعدد اشخاص دیکھ لیں تو باقی شہور کی رویت میں ان کا تساہل متحقق ہے۔ چونکہ شعبان کا چاند ۲۹ کا ہوچکا تھا اس لئے مطلع افق سے متصل ہی ہونا چاہیے وہاں یقینی طور پر غبار تھا اس کے اوپر آسمان صاف تھا جو اشخاص پابندی سے ہر مہینے چاند نہیں دیکھتے ہیں ان کو صحیح طور پر مطلع کا ہی علم نہیں ہوتا ہے غالباً ان لوگوں نے غبار کے اوپر کے حصہ کو مطلع سمجھ کر یہ کہدیا ہوگا کہ مطلع صاف تھا۔ اگر اس ذہنیت کو یہ کہ چاند دیکھا جائے کہ حساب سے آج چاند نہیں ہوگا تو چاند دیکھنے والے سرسری نظر سے چاند دیکھنے میں غائر نظر سے چاند نہیں دیکھتے ہیں۔ ۱۳ر کا دن گزر کر چاند کا پورا ہونا اور چودہ کا دن گذر کر شب ۱۵ر کو چاند کا دیر کر کے طلوع ہونا اس کی دلیل ہے کہ ۲۹ر کو جن لوگوں نے چاند دیکھا تھا ان کی رویت غلط نہیں تھی۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ میری عقل ناقص میں امام صاحب کی روایت اور ظاہر الروایت میں تعارض نہیں ہے بلکہ امام صاحب نے جم غفیر کی کم سے کم مقدار کو بیان فرمایا ہو کہ دو اشخاص بمنزلہ جماعت کے ہیں الاثنان وما فوقہما جماعۃ اور ان کی گواہی بمنزلہ شہرت کے ہے جس طرح نکاح کا دو گواہوں

سامنے ہونا بطریق اعلان وشہرت کے ہوتا ہے۔ محمد عبدالقادر عفا اللہ عنہ

مسئلہ۔ صاع انگریزی پیمانہ کے حساب سے کتنے کے برابر ہوتا ہے۔ ایک سال کی نمازوں اور ایک مہینے کے روزوں کا کتنا فدیہ دینا چاہیئے۔

جواب۔ صاع کی مقدار انگریزی حساب سے دو سیر پاؤ بھر ایک چھٹانک دو تولے چھ ماشے ہوتی ہے فلہذا نصف صاع ایک سیر آدھ پاؤ آدھی چھٹانک ایک تولہ تین ماشے ہوا۔ صدقۂ فطر گیہوں سے نصف صاع اور جَو سے ایک صاع دینا واجب ہے۔ ہر نماز اور ہر روزہ کا فدیہ بمقدار صدقۂ فطر ہے۔ لہٰذا ایک نماز اور ایک روزہ کا فطرہ گیہوں سے ایک سیر آدھ پاؤ آدھ چھٹانک ایک تولہ تین ماشے دینا چاہیے اور جَو سے دو سیر پاؤ بھر ایک چھٹانک دو تولہ چھ ماشے دینا چاہیئے۔ اور چونکہ بعض علما کے حساب سے نصف صاع پونے دو سیر کے برابر ہوتا ہے لہٰذا ہر نماز اور ہر روزہ کا فدیہ پونے دو سیر گیہوں اور ساڑھے تین سیر جَو دینا چاہیئے پس اوپر والے حساب سے ایک مہینہ یعنی تیس دن کے روزوں کا فدیہ گیہوں کے اعتبار سے ۳۵ سیر دو چھٹانک دو تولے چھ ماشے ہوا اور جَو کے اعتبار سے اس کا دوگنا یعنی ستر سیر ایک پاؤ ایک چھٹانک ہوا۔ اور پونے دو سیر کے حساب سے ایک من ساڑھے بارہ سیر گیہوں ہوئے اور دو من پچیس سیر جَو ہوئے۔ میرے پیر بھائی صاحبزادہ میاں مولوی سید نور الحسن صاحب اجمیری نے پورسال تجہیز وتکفین حضرت پیر مرشد مولانا قیام الدین محمد عبد الباری ملک العلما بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارک میں تحریر کیا تھا اس میں لکھا ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ گیہوں کے اعتبار سے سوا سیر پختہ دینا چاہیئے اس حساب سے ایک مہینہ یعنی تیس ۳۰ یوم کا فدیہ ساڑھے سینتیس ۳۷½ سیر گیہوں ہوگا لہٰذا ایک مہینہ کے روزوں کا فدیہ ۳۷½ سیر پختہ گیہوں دینا چاہیئے۔

نماز پنجگانہ اور وتر میں سے ہر نماز کا فدیہ سوا سیر گیہوں اور ہر روزہ کا فدیہ بھی سوا سیر گیہوں ہوتا ہے فلہذا ایک دن کی نماز پنجگانہ کا فدیہ ساڑھے سات سیر گیہوں ہوا۔ اور چونکہ قمری مہینے بعض تیس ۳۰ دن کے ہوتے ہیں اور بعض انتیس ۲۹ دن کے لہٰذا احتیاطاً سات مہینے تیس ۳۰ دن کے اور پانچ مہینے انتیس ۲۹ دن کے فرض کر کے سال میں تین سو پچپن ۳۵۵ دن مانے جائیں گے ان ایام کا فدیہ چھیاسٹھ ۶۶ من ساڑھے بائیس سیر

گیہوں ہوگا اور یہی فدیہ سال بھر کی نمازوں کا ادا کرنا چاہیے۔

مسئلہ :- زید نے ۶۹ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اُس کی طرف سے اس کے اعزا اس کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ دینا چاہتے ہیں تو کتنا فدیہ دینا ہوگا۔

جواب :- صورت مسئولہ میں زید کی عمر تعدادی ۶۹ سال سے بارہ سال اقل مقدار سن بلوغ نکال کر ۵۷ سال کے روزے اور نمازوں کا فدیہ دینا چاہیے اور ہر سال کی نماز پنجگانہ اور وتر کا فدیہ چھیاسٹھ من ساڑھے بائیس سیر گیہوں ہوتے ہیں اور ایک مہینے کے روزوں کا فدیہ ۳۰٫۷ ر گیہوں ہوتے ہیں لہٰذا ایک سال کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ ساڑھے سرسٹھ من گیہوں دینا ہوں گے اور ستاون ۵۷ سال کی نمازوں اور روزوں کے فدیہ میں تین ہزار آٹھ سو سینتالیس ۳۸۴۷ من بیس سیر گیہوں دینا چاہیئے۔

مسئلہ :- آنجناب کا ایک دستخطی فتوی نظر سے گذرا جس میں انجکشن (Injection) کو مفسد صوم قرار دیا گیا ہے چونکہ سائل نے مسئلہ کی صحیح صورت آنجناب کے سامنے واضح نہیں کی اس لئے مسئلہ کے تمام گوشے آنجناب کے سامنے نہیں آسکے اور مفتی کا جواب سوال کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے لہٰذا اگر سوال واضح نہ ہو تو اس میں مفتی نہیں بلکہ سائل خود قصوروار ہے۔ اب آپ کے سامنے انجکشن کی پوری حیثیت واضح کی جاتی ہے امید ہے کہ اس مسئلہ میں خصوصیت سے توجہ فرما کر جواب باصواب سے مشرف فرمائیں گے۔

انجکشن کے ذریعہ جو دوا جسم میں پہونچائی جاتی ہے وہ بواسطہ عروق و شرائین پہونچتی ہے ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے پر یہی معلوم ہوا ہے۔ فقہائے کرام نے مفسد صوم وہی چیزیں قرار دی ہیں جو بلا واسطہ تو معدہ یا جوف دماغ تک پہونچیں۔ نیز کان میں پانی ڈالنے، احلیل میں دوا ڈالنے کو فقہا نے غیر مفسد کہا ہے باوجودیکہ جوف یہ بھی ہیں۔ جوف معدہ ہی اصل ہے۔ نیز علمائے دیوبند و بعض علمائے کانپور و علمائے تھانہ بھون نے بھی اسے غیر مفسد قرار دیا ہے۔ ان کے فتاوی طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ اب مسئلہ پوری طرح آپ کے سامنے آگیا ہوگا۔ اپنی گرامی رائے تحریر فرمائیے۔ اگر آنجناب اب بھی مفسد مانتے ہیں تو کن وجوہ کی بنا پر۔

جواب:۔ صاحب فتح القدیر روزہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں ھو امساک عن الجماع وعن ادخال شیئی بطنا او مالہ حکم الباطن لہٰذا پیٹ میں کسی چیز کا داخل کرنا یا کسی چیز کا اس شے میں داخل کرنا جس کے لئے حکم باطن کا ہو روزے کے منافی ہو گا اور مفسد صوم ہو گا۔ اور صاحب بحر واذا احتقن او استعط او اقطر فی اذنہ او داوی جائفۃ او اٰمّۃ بدواء ووصل الی جوفہ او دماغہ افطر کی علت میں یہ حدیث تحریر فرماتے ہیں لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام الفطر مما دخل ولیس مما خرج یعنی چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ روزہ اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جو باطن میں داخل ہو جائے لہٰذا امور مذکورہ بالا یعنی احتقان وغیرہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور علی العموم کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جوف میں ایسی چیز کا پہونچنا جس سے بدن کی اصلاح ہو اور اس سے بدن کو نفع حاصل ہو فطر معنوی ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

پس ان مسائل کے جان لینے سے یہ معلوم ہوا کہ بطن یا جسم کے اندرونی حصہ میں جو حکم میں باطن جسم کے ہو اگر کوئی چیز اس طرح پہونچائی جائے جس سے جسم کو نفع حاصل ہو وہ مفطر صوم ہے لہٰذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بغرض علاج جسم کے اندرونی حصہ میں پہونچائی جائے اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا جس طرح کان میں دوا ڈالنے اور حقنہ لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

نیز انجکشن کی دوا کے اجزا (اگرچہ اقل قلیل ہوں) خون میں مل کر دماغ اور جوف میں بھی پہونچ جاتے ہیں جو عند الفقہا مفسد صوم ہیں۔

انجکشن کا قیاس سر میں تیل لگانے پر کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ تیل لگانے سے کوئی چیز باطن میں داخل نہیں کیجاتی ہے اسی طرح تبرید کے لئے صائم کا پانی میں بیٹھنا کہ اس صورت میں بھی کوئی چیز باطن میں داخل نہیں ہوتی ہے اور اس کا قیاس آنکھ میں سرمہ لگانے پر بھی درست نہیں اس لئے کہ آنکھ روزہ کے اعتبار سے ظاہر جسم ہے۔

واقعی غیر مخارق و مسالک اصلیہ سے جو چیز دوائً یا غذائً باطن جسم میں پہونچ جائے وہ مفتی بہ قول پر مفسد صوم ہوتی ہے جیسا کہ مبسوط سرخسی میں ہے واما الجائفۃ والاٰمۃ اذا داواھا

بدواء یابس لم یفطرہ وان داواھما بدواء رطب فسد صومہ فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ولم یفسد فی قولھما فیما یعتبران الوصول الی الباطن من مسلک ھو خلقۃ فی البدن لان المفسد للصوم ما ینعدم بہ الامساک المامور بہ وانما یومر بالامساک لاجل الصوم من مسلک ھو خلقۃ دون الجراحۃ العارضۃ وابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یقول المفسد للصوم وصول المفطر الی باطنہ فالعبرۃ للواصل لا للمسلک وقد تحقق الوصول ھنا وفی ظاھر الروایۃ فرق بین الدواء الرطب والیابس واکثر مشائخنا رضی اللہ عنھم علی ان العبرۃ بالوصول حتی اذا علم ان الدواء الیابس وصل الی جوفہ فسد صومہ وان علم ان الرطب لم یصل الی جوفہ لا یفسد صومہ عندہ الا انہ ذکر الیابس والرطب بناء علی العادۃ فالیابس انما یستعمل فی الجراحۃ لاستمساک راسھا بہ فلا یتعدی الی الباطن والرطب یصل الی الباطن عادۃ فلھذا فرق بینھما والدلیل علی ان العبرۃ لما قلنا ان الیابس یترطب رطوبۃ الجراحۃ۔

یعنی اگر غیر مخارق اور مسالک اصلیہ سے دوا باطن جسم میں داخل ہو جائے تو صاحبین کے نزدیک مفسد صوم نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مفسد صوم ہے اس لیے کہ امام صاحب کے نزدیک مفطر کا باطن جسم میں پہونچ جانا مفسد صوم ہے خواہ مسلک خلقی سے پہونچے جیسے حلق، کان، اور دبر وغیرہا سے یا مسلک غیر خلقی سے پہونچے جیسے جائفہ اور آمنہ کے ذریعہ سے اور صاحبین کے نزدیک مفسد صوم وہ چیز ہے جو باطن میں مسلک خلقی کے ذریعہ سے پہونچے اور اکثر مشائخ نے امام صاحب کے قول کو اختیار کیا ہے اور وصول الی باطن الجسم کو مفسد صوم قرار دیا ہے اور ظاہر الروایۃ کے جائفہ اور آمنہ کے مسئلہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب دوا باطن میں پہونچ جائے تو مفسد صوم ہے پس صورت مسئولہ میں چونکہ انجکشن کے ذریعہ سے دوا باطن جسم میں پہونچ جاتی ہے اس لئے وہ بھی مفسد صوم ہوگا۔

Marfat.com

کتاب الزکوٰۃ

مسئلہ :۔ مال تجارت میں سال گذرنے پر اصل اور نفع دونوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی یا صرف اصل کی۔ اگر وسط سال میں اصل مال باقی نہ رہے البتہ نفع اپنے سال پر بقدر نصاب ہو تو اسکی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے اور سال کا ختم کب سے شمار کیا جائے۔

جواب :۔ اگر مال تجارت شروع سال میں بقدر نصاب ہو اور وسط سال میں اسی مال تجارت میں زیادتی ہو تو یہ زیادتی اصل مال میں ملالی جائے گی اور سال تمام ہونے پر اصل اور زیادتی دونوں کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

اگر شروع سال میں اصل مال بقدر نصاب تھا اور دوران سال میں اسی مال تجارت میں زیادتی ہوئی لیکن اصل مال کا کوئی جزو آخر سال تک نہیں رہا بلکہ وسط ہی میں اصل مال بالکل ختم ہوگیا تو سال کا اعتبار اُس وقت سے نہیں ہوگا جس وقت کہ اصل مال بقدر نصاب تھا بلکہ جس وقت کہ دوران سال میں زیادتی مال کی بقدر نصاب ہوئی تھی اس وقت سے سال شروع ہوگا۔

اور اگر شروع سال میں مال تجارت بقدر نصاب نہیں تھا اور وسط سال میں ایسی زیادتی اس مال میں حاصل ہو کہ دونوں مل کر بقدر نصاب ہو جائیں تو سال گزرنے کا اعتبار اس وقت سے کیا جائے گا جیسا کہ عالمگیری میں ہے

اگر اصل مال تجارت پر زیادتی اُس مال تجارت کے غیر جنس سے ہوئی ہے مثلاً وہ شخص اونٹوں کی تجارت کرتا تھا اور وسط سال میں اس نے اس کے نفع کا روپیہ لگا کر گائے یا بکری کی تجارت شروع کر دی تو گائے اور بکری اصل مال یعنی اونٹوں کے ساتھ نہیں ملائے جائے گی پس اگر شروع سال میں اونٹوں کی قیمت بقدر نصاب تھی اور آخر سال میں بقدر نصاب نہیں ہے لیکن اگر ان گائے اور بکریوں کی قیمت بھی آخر سال میں اونٹوں کی قیمت کے ساتھ ملالی جائے تو دونوں

Marfat.com

کی قیمت بقدر نصاب پہونچ جائے تو تمامی سال پر اونٹوں کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں دینا ہوگی لیکن اس سال سے اونٹ، اور گائے یا بکری کی قیمت کا شمار اصل مال میں ہوگا اور زکوٰۃ کے وجوب کی ابتداء اسی سال سے ہوگی اور ختم سال پر اگر اونٹوں اور گائے وغیرہ کی قیمت بقدر نصاب پہونچے گی تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

مسئلہ:۔ جو اناج، پھل، اور ترکاریاں زمین سے پیدا ہوتی ہیں انکی زکوٰۃ کس طرح ادا کیجائے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ بھوسہ چارہ اور گھانس کی بھی زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں۔ ہم لوگوں سے حکومت کی طرف سے زمین کا لگان لیا جاتا ہے کیا اس لگان کے بعد بھی ہم کو پیداوار کی زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں۔

جواب:۔ مسلمان کاشتکار کی جو زمین جاری پانی یا آسمان کے پانی سے سینچی جائے اُسکی پیداوار کا عُشر یعنی دسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا اُس کاشتکار کے لئے ضروری ہے اور جو زمین چرسہ یا رہٹہ یا ڈولوں سے سینچی جائے یا نہر کے خریدے ہوئے پانی سے سینچی جائے اُس کی پیداوار کا نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) نکالنا کاشتکار کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اور صاحبین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ زمین کی کس پیداوار پر عُشر یا نصف عُشر نکالا جائے اور کس پر نہ نکالا جائے تو امام صاحب کے نزدیک زمین سے جو غلہ، ترکاریاں، سبزی اور پھل پیدا ہو اُس کا عشر یا نصف عُشر نکالنا پڑے گا خواہ یہ پیداوار تھوڑی ہو یا زائد اور درختوں، درخت کی شاخوں، گھانس اور بھوسہ وغیرہ کی ایسی چیزوں پر عشر اور نصف عشر کا نکالنا لازم نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک صرف اُسی پیداوار پر عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا جس کے پھل سال بھر تک موجود اور قائم رہیں اور پیداوار کی مقدار پانچ وسق (یعنی سترہ من تینتیس سیر دو چھٹانک) ہو۔ اس مقدار سے کم پیداوار پر صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک ترکاریوں، پھلوں اور سبزیوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ پس اگر اس کاشتکار سے زمین کا کوئی لگان حکومت انگریزی وصول کرتی ہے تو اسکی پیداوار پر عشر واجب نہیں اس لئے کہ عشر اور خراج مجتمع نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ

علامہ شامی یجب العشر فی عسل وان قل ارض غیر الخراج کے تحت لکھتے ہیں اشار ان المانع من وجوبہ کون الارض خراجیۃ لانہ لا یجتمع العشر والخراج اور اسی کتاب میں اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکاۃ الاموال الظاہرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابہا ان صرف فی محلہ والا فعلیہم فیما بینہم وبین اللہ اعادۃ غیر الخراج کے تحت ہے، ویظہر لی ان اہل الحرب لو غلبوا علی بلدۃ من بلادنا کذلک لتعلیلہم اصل المسئلۃ۔

گیہوں، چنا، باجرہ اور جوار کے بھوسہ پر عشر نہیں ہے جبکہ گیہوں اور چنا وغیرہا کا عشر نکالا جاتا ہے وانما لم یجب فی التبن لانہ غیر مقصود بزراعۃ الحب غیر انہ لو فصلہ قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لانہ سار ھو المقصود۔ (عنایۃ)

اگر یہ بھوسہ فروخت کیا جائے تو بھی اُس کا عشر نکالنا واجب نہیں۔ چارہ اور گھاس کا بھی عشر نکالنا واجب نہیں۔

اگر چارہ جانوروں کے کھلانے یا فروخت کرنے کے لئے بویا جائے تو اُس کا عشر نکالنا واجب ہے میوہ جات پر صاحبین کے نزدیک عشر واجب نہیں اور امام صاحب کے نزدیک عشر واجب ہے میوہ جات کے باغ اگر فروخت کردیے جائیں تو صاحبین کے نزدیک موجر و مستاجر میں سے کسی پر میوہ جات کا عشر نکالنا واجب نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک میوہ جات کا عشر نکالنا ہی واجب نہیں اور امام صاحب کے نزدیک چونکہ میوہ جات کا عشر نکالنا واجب ہے اس لئے اس کا عشر نکالنا واجب ہوگا اور چونکہ امام صاحب کا یہ مسلک ہے کہ موجر و مستاجر میں سے عشر موجر (مالک آراضی و مالک باغ) پر واجب ہوتا ہے اس لئے باغ کے مالک کو اجرت مقررہ کا عشر تصدق کرنا چاہیئے۔

سبزی اور ترکاری کا عشر نکالنا امام صاحب کے نزدیک واجب ہے خواہ اپنے صرف میں لائی جائے یا فروخت کی جائے اور صاحبین کے نزدیک واجب نہیں۔

مسئلہ:۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ زر قرض کی زکوٰۃ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک پر کس طرح

Marfat.com

ادا کی جائے امید کہ آپ اسکو آسان طریقہ سے سمجھا دینگے۔ زر قرض کی زکوٰۃ قرض خواہ کو ادا کرنا چاہیے یا قرض دار کو اور کس طرح ادا کی جائے؟

جواب۔ اگر قرض دینے والے نے نصاب زکوٰۃ سے کم روپیہ دیا تھا تو سال تمام ہونے پر اس کی زکوٰۃ قرض خواہ پر واجب ہے نہ قرض دار پر۔ اور اگر قرض دینے والے (قرضخواہ) نے نصاب یا نصاب سے زائد روپیہ کسی کو قرض دیا تھا اور اس روپیہ کو قرضدار نے سال تمام ہونے تک واپس نہیں کیا تو اس کی زکوٰۃ بھی قرضدار کو نہیں دینا ہوگی بلکہ اس کی زکوٰۃ قرض خواہ ہی کو دینا ہوگی لیکن سال تمام ہوتے ہی قرض خواہ کو زکوٰۃ فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہوگی بلکہ جب وہ روپیہ قرضدار سے قرضخواہ کو وصول ہو جائے تو اس وقت قرض خواہ کو زکوٰۃ دینا ہوگی پس اگر سال تمام ہونے کے بعد قرضدار نے کل روپیہ ادا کر دیا تو قرض خواہ کو کل روپیہ کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور اگر ایک سال گذرنے کے بعد قرضدار نے تھوڑا روپیہ قرضخواہ کو ادا کر دیا پھر تھوڑا روپیہ ادا کیا یعنی دوسرا سال ختم ہونے کے پہلے قرضدار نے باقساط روپیہ ادا کیا تو صاحبین کے نزدیک جب بھی قرضدار تھوڑا روپیہ ادا کرے اس وصول شدہ روپیہ کی زکوٰۃ بقدر اس کے حصہ کے قرضخواہ کو دینا واجب ہے خواہ وہ وصول شدہ روپیہ خمس نصاب سے کم ہو یا خمس نصاب ہو یا خمس نصاب سے زیادہ ہو مثلاً زید نے عمرو کو سو روپیہ قرض دیے اور عمرو نے ایک سال گزرنے کے بعد دوسرا سال ختم ہونے کے پہلے باقساط ادا کیا اور پہلی مرتبہ دس ؏ روپیہ دیے اور پھر عنہ ۲۰ پھر للعہ پھر منہ تو صاحبین کے مسلک پر قرض خواہ کو جب دس روپیہ وصول ہوئے تو دس روپیہ کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا اور جب جب عنہ یا للعہ یا منہ روپے وصول ہوئے ہیں ان کا چالیسواں حصہ وصول رقم کے وقت زکوٰۃ میں دینا ہوگا اور امام صاحب کے مسلک پر قرضخواہ کو جب تک خمس نصاب وصول نہ ہو جائے اسکو زکوٰۃ نہیں دینا ہوگی اور خمس نصاب سے کم وصول ہو تو جب تک دوسری قسط کا روپیہ وصول ہو کر خمس نصاب کو نہ پہونچ جائے قرضخواہ کو زکوٰۃ نہیں ادا کرنا ہوگی۔ اسی طرح تمام اقساط میں جب جب بھی خمس نصاب کے

Marfat.com

بقدر روپیہ وصول ہوتا جائے اُس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا اور خمس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ پس مثال مذکورۂ بالا میں امام صاحب کے مسلک کو سمجھنے کے پہلے چند باتیں بتا دینا ضروری ہیں۔ ایک۱ یہ کہ فی زمانہ جو روپیہ رائج ہے وہ چاندی کا نہیں ہے اس لئے روپیہ پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ جب اتنا روپیہ ہو کہ اُس سے چاندی ایک نصاب یا اس سے زائد نصاب کی خریدی جاسکے تو اس روپیہ کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

دوسرے۲ یہ کہ چاندی کا نصاب چھتیس تولے ۵½ ماشہ چاندی ہے پس جس کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ اُس سے چھتیس تولے ۵½ ماشہ چاندی خریدی جاسکے تو اس روپیہ پر زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اِس وقت ایک تولہ چاندی عہ ۱۱/۱۲ کی ہوتی ہے اور ۳۶ تولہ ۵½ ماشہ چاندی لعہ ۵ ۶۹/۸ کی ہوتی ہے پس فی الحال لعہ ۵ ۶۹/۸ روپیہ جس کے پاس ہوں گے وہ صاحب نصاب کہلائے گا۔

تیسرے۳ یہ کہ لعہ ۵ ۶۹/۸ کا خمس عہ ۱۳/۱۴ ۴ ۴/۵ پائی ہوتا ہے پس جب تک قرضخواہ کو ایک قسط یا ایک سے زائد قسط میں ۱۳ ۵/۱۴ ۴ ۴/۵ پائی وصول نہ ہو جائیں اسکو زکوٰۃ نہیں دینا ہوگی۔

چوتھے۴ یہ کہ قرضخواہ کو جو روپیہ باقساط ملا ہے اُس کے ہر ہر خمس کے وصول ہونے پر زکوٰۃ دینا ہوگی۔

پانچویں۵ یہ کہ اگر آخر میں کچھ روپیہ اخماس کے نکالنے کے بعد خمس سے کم باقی رہے گا اُس کی زکوٰۃ قرض خواہ سے معاف ہو جائے گی۔

پس مثال مذکور میں قرضخواہ کو پہلی قسط میں دس ہی روپیہ ملتے ہیں جو خمس نصاب سے کم ہیں تو دس روپیہ کے وصول ہونے پر قرضخواہ کو کچھ زکوٰۃ نہ دینا ہوگی دوسری قسط میں اُسکو بیس روپیہ ملے تو یہ قسط اور پہلی قسط ملا کر قرض خواہ کو تیس روپیہ وصول ہوئے اس میں دو خمس معہ ۲۷/۱۲ ۹ ۳/۵ پائی کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور عہ ۲ ۲/۵ پائی کی زکوٰۃ اس وقت نہیں دینا ہوگی۔

تیسری قسط میں جب چالیس روپیہ وصول ہوں گے اس میں عہ ۲ ۲/۵ پائی ملا لیے جائیں گے اور دیکھا جائے گا کہ للعہ ۲ ۲/۵ پائی میں کے خمس ہوئے معلوم ہوا کہ تین خمس للعہ ۲ ۲/۵ پائی ہوئے اور آٹھ آنے باقی رہے لہذا للعہ ۲ ۲/۵ کی زکوٰۃ تیسری قسط میں دینا ہوگی اور چوتھی قسط میں تیس

Marfat.com

روپیہ قرضخواہ کو وصول ہوئے اور آٹھ آنے باقی کے کل میزان ۳۰ہوئی جس میں دو خمس ۲۷/۱۲
۹ ۳/۵ پائی کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور ۱۲ ۲ ۲/۵ پائی کی زکوٰۃ معاف ہو جائے گی۔ اس لیے کہ امام صاحب
کے نزدیک نصاب زکوٰۃ سے جو زیادتی بقدر خمس نصاب ہو اُسکی زکوٰۃ دینا ہوتی ہے اور اس سے
کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اگر قرضدار نے دو تین سال گزرنے پر کل روپیہ ادا کر دیا تو صاحبین کے نزدیک
سال اول کی زکوٰۃ کل روپیہ پر دینا ہوگی اور سال دوم کی زکوٰۃ دینے میں کل روپیہ سے اتنا روپیہ
وضع کر لیا جائے گا جو سال اول کی زکوٰۃ کا تھا مابقی روپیہ کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور سال سوم میں اس
مابقی روپیہ سے سال دوم کی زکوٰۃ کا روپیہ وضع کر کے مابقی کی زکوٰۃ دینا ہوگی مثلاً زید نے عمرو کو سو
روپیہ قرض دیے اور عمرو نے تین سال کے بعد سو روپیہ واپس کیا تو زید سال اول کی زکوٰۃ پورے سو روپیہ
کی ادا کرے یعنی اس کا چالیسواں حصہ یعنی ۲/۸ زکوٰۃ کا دیدے اور سال دوم کی زکوٰۃ میں سو روپیہ
سے ۲/۸ وضع کرلے اور ۹۷ کا چالیسواں حصہ ۲/۳ زکوٰۃ میں دے اور سال سوم میں ۹۷ میں سے
۲/۳ وضع کرلے اور ۹۵ کی زکوٰۃ ۲ ۱/۲ پائی دیدے اور امام صاحب کے نزدیک جب قرضدار
دو تین سال کے بعد کل رقم قرضہ قرضخواہ کو ادا کرے تو اس کی زکوٰۃ نکالنے کا یہ طریقہ ہے کہ سال اول
میں کل زر قرض کے خمس نصاب بنا لئے جائیں اگر کل زر قرض خمسوں پر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو ہر خمس
کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدیا جائے اور اگر کل زر قرض اخماس پر پورا پورا تقسیم نہ ہو بلکہ خمس نکالنے
کے بعد کچھ روپیہ باقی رہے جو خمس سے کم ہو تو جتنے اخماس نکلیں انہیں سے ہر ہر خمس کا چالیسواں حصہ
زکوٰۃ میں دیدیا جائے اور جو روپیہ خمس سے کم باقی رہے اس کی زکوٰۃ معاف ہو جائے گی۔ دوسرے
سال کی زکوٰۃ نکالتے وقت کل زر قرض سے اتنی رقم وضع کر دی جائے جو زکوٰۃ میں دی تھی مابقی زر
قرض کے اخماس نصاب بنا لیے جائیں اور مابقی زر قرض اگر خمس نصاب پر برابر تقسیم ہو جائے تو ہر خمس
کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدیا جائے اور اگر مابقی زر قرض خمسوں کے نکالنے کے بعد باقی بچے اور خمس سے
کم ہو تو ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے اور اگر مابقی زر قرض خمسوں کے نکالنے کے بعد باقی
بچے اور خمس سے کم ہو تو ہر ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے اور مابقی رقم جو خمس سے کم ہے

وہ معاف ہوگی اور اسکی زکوٰۃ نہیں دینا ہوگی اور تیسرے سال کی زکوٰۃ بھی دوسرے سال کی طرح ادا کی جائے خمس میں سے ہر ہر خمس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدیا جائے اور خمس نصاب نکالنے کے بعد جو رقم نصاب سے کم ہو اُسکی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ معاف ہے مثلاً زید نے عمرو کو سو روپیہ قرض دیا اور عمرو نے تین سال کے بعد کل زرقرض زید کو واپس کیا تو زید قرض خواہ پہلے سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کل زرقرض یعنی سو روپیہ کو خمس نصاب عہ ۱۴ ۴ ۴/۵ پائی سے تقسیم کرے تو سات خمس لعہ ۹ ۳/۵ پائی ہوئے اور عہ ۱۱ ۲ ۲/۵ باقی رہے لہذا سال اول کی زکوٰۃ سات خمسوں لعہ ۹ ۳/۵ پائی کا چالیسواں حصہ عہ ۸ ۱/۲۵ پائی زید دے اور عہ ۱۱ ۲ ۲/۵ پائی چونکہ خمس نصاب سے کم ہے اس لئے اُس کی زکوٰۃ نہیں دینا ہوگی اور سال دوم کی زکوٰۃ میں کل زرقرض سے جو روپیہ زکوٰۃ میں دیا تھا یعنی عہ ۸ ۱/۲۵ پائی وضع کرلئے جائیں گے تو لعہ ۹ ۳ ۲۴/۲۵ باقی رہیں گے اس مابقی زرقرض کو خمس نصاب سے تقسیم کیا تو چھ اخماس لعہ ۳ ۴ ۴/۵ پائی نکلے اور عہ ۱۴ ۳ پائی باقی رہے جو خمس نصاب سے کم ہیں لہذا چھ خمسوں کو زکوٰۃ عہ ۱ ۴ ۴/۵ پائی دینا ہوگی اور جو رقم خمس نصاب سے کم باقی رہے وہ معاف ہوگی اور سال سوم کی زکوٰۃ سال دوم کی طرح ادا کردی جائے چونکہ امام صاحب کے مسلک پر کل زرقرض کے اخماس بنانا اور انکی زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ نکالنا زحمت سے خالی نہیں ہے اس لئے قرض خواہ کو اپنا زرقرض وصول ہونے پر صاحبین کے قول پر زکوٰۃ دیدینا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ ایک شخص اپنا روپیہ مختلف مدات خرچ کے لئے علیحدہ علیحدہ اپنے صندوقچہ کے خانوں میں جمع کرتا ہے اُس میں ایک مد زکوٰۃ بھی ہے سال گزرنے پر مدات خرچ میں جو روپیہ جمع کیا تھا اس میں سے تھوڑا تھوڑا روپیہ اس کے صندوقچہ کے خانوں میں رہ جاتا ہے کیا اس روپیہ پر بھی زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں جبکہ اُس نے اس روپیہ کو خرچ کے لئے نکال کر علیحدہ کر دیا تھا۔

جواب:۔ اگر کسی شخص نے اپنا روپیہ چند مدات کے لئے علیحدہ علیحدہ کر کے اپنے صندوقچہ میں رکھدیا تو اگر اس روپیہ پر سال گزر جائے اور وہ روپیہ بقدر نصاب ہو تو اس کی زکوٰۃ دینی پڑے گی۔

Marfat.com

مسئلہ:۔ ایک شخص کے پاس صرف سو روپیہ ہیں تو اُس کی زکوٰۃ کس طرح دی جائے اور کتنے روپے زکوٰۃ میں دینا ہوں گے اور اگر ایک تولہ سونا یا ایک تولہ چاندی ہو تو اسکی زکوٰۃ کیا دینا ہوگی، کتنے سونے اور چاندی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے' ایک شخص کی سو روپیہ تنخواہ ہے اُس سے وہ اپنی، اپنے والدین اور دادا کی خدمت بھی کرتا ہے اور کچھ روپیہ جمع بھی کرتا ہے تو اسکو کس طرح زکوٰۃ دینا چاہیئے۔ کیا زکوٰۃ رمضان ہی کے مہینے میں نکالنا شریعت میں ضروری ہے

جواب:۔ جس شخص کے پاس صرف سو روپیہ ہوں اور وہ قرضدار نہ ہو اور اس کے سو روپیہ پر ایک سال گزر گیا ہو تو اُسکو ڈھائی روپیہ اس سال کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

اور اگر کسی شخص کے پاس صرف ایک تولہ سونا یا صرف ایک تولہ چاندی ہے تو اس کے اوپر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اس لئے کہ اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ سونے میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے پانچ تولہ ڈھائی ماشے سونے کا مالک ہونا شرط ہے اس سے کم سونے پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور چاندی پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے چھتیس تولہ ساڑھے پانچ ماشے چاندی کا مالک ہونا شرط ہے اس سے کم چاندی پر زکوٰۃ واجب نہیں اور چھتیس تولہ ساڑھے پانچ ماشے چاندی ساڑھے گیارہ ماشی روپیہ رائج الوقت کے حساب سے ۳۸ روپیہ کچھ ماشے چاندی کے برابر ہوتی ہے لہذا ۳۹ روپیوں کا مالک ہونا زکوٰۃ کو واجب کرے گا پس جو شخص اوپر لکھی ہوئی چاندی اور سونے کا اور روپیوں کا مالک ہوگا اُسکو سال قمری گزرنے پر زکوٰۃ دینا پڑے گی یعنی اُن کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

اور اگر کسی شخص کے پاس سو روپیہ اور ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہو اور ان تینوں قسم کے مالوں پر سال گزر جائے تو اس کو سو روپیہ کی زکوٰۃ ڈھائی روپیہ، اور ایک تولہ سونے کی زکوٰۃ ۲ ۲/۵ رتی سونا اور ایک تولہ چاندی کی زکوٰۃ ۲ ۲/۵ رتی چاندی دینا ہوگی۔

جس شخص کی تنخواہ سو روپیہ ہے اور وہ اس تنخواہ سے اپنے، اپنے والدین اور دادا پر کچھ روپیہ صرف کرتا ہے اور ان اخراجات کے بعد کچھ رقم جمع کرتا ہے تو جو روپیہ اُس کا جمع ہوگا اُس پر

زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ جمع شدہ روپیہ کی میزان ۳۹ روپے یا اس سے زائد ہو اور اس روپیہ پر ایک سال گزر گیا ہو، تنخواہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ زکوٰۃ کے دینے میں اختیار ہے کہ جتنے روپیوں کی زکوٰۃ دینا ہے اسکو سال گزرنے پر دے یا اس کے مجموعہ سے بطور قسط ماہ بماہ کچھ کچھ روپیہ دیتا رہے یہاں تک کہ سال گزرنے پر کل زکوٰۃ کا روپیہ ادا ہو جائے۔

چونکہ رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے اس لئے عموماً زکوٰۃ نکالنے والے اشخاص اس مہینے میں زکوٰۃ دیا کرتے ہیں ورنہ شریعت میں یہ مہینہ زکوٰۃ دینے کے لئے لازم نہیں کیا گیا ہے۔

مسئلہ: الف نقد سونا چاندی ہو (ب) وہ پیداوار جو مالک آراضی کو آبپاشی سے حاصل ہوئی ہو (ج) وہ پیداوار جو مالک آراضی کو بغیر آبپاشی حاصل ہوئی ہو (د) زیورات نقرئی وطلائی ہوں (ہ) تجارتی جانور اور تجارتی اسباب ہو تو ان سب کی زکوٰۃ کے لئے مسلمانوں کا تبراضی مسلمین بیت المال قائم کرنا اور اسکی نگرانی حکومت وقت کے سپرد کرنا درست ہے یا نہیں۔

جواب: وہ اموال جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے دو قسموں پر ہیں ایک اموال ظاہری دوسرے اموال باطنی۔ اموال ظاہری وہ مواشی ہیں جو چرائی پر جاتے ہیں جنکو سوائم کہتے ہیں اور وہ اموال تجارت ہیں جن کو تاجر اپنے ہمراہ ایک شہر سے دوسرے شہر بغرض تجارت لے جاتا ہے اور اس کا عشر یا ٹیکس بادشاہ اسلام کے اُن عُمّال کو دیتا ہے جو اسی کام کے لئے بادشاہ اسلام نے مقرر کیے ہوں اور وہ زمینداریاں ہیں جن کا عُشر یا خراج امیر اسلام کے عمال کو دینا ہوتا ہے اور اموال باطن وہ روپیہ پیسہ سونا چاندی یا اُن کے ظروف و زیورات ہیں جو صاحبِ مال کے گھر میں ہوں اور وہ اموالِ تجارت ہیں جو تاجروں کی دکانوں یا گوداموں میں موجود ہوں۔ ان میں سے اموال ظاہری کی زکوٰۃ لینے کا حق امام مسلمین اور اس کے عمال کو حاصل ہے اس لئے کہ امام مسلمین کو اُن اموال پر ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اموال اُن کی حفاظت ونگرانی میں ہوتے ہیں۔ اور اموال باطنی کی زکوٰۃ لینے کا حق امام اور اس کے عمال کو نہیں ہے اس لیے کہ اس کی حفاظت ونگرا

Marfat.com

ان کے ذمہ نہیں ہے۔ لیکن جب ممالک اسلامیہ میں خوارج کا غلبہ ہوا اور ان کا تغلب اور تصرف بیت المال کے رقوم پر ہونے لگا تو بعد کے علما نے یہ فتویٰ دیا کہ اموال ظاہر کے مالکوں کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ خود اپنے اموال ظاہر کی زکوٰۃ مصارف زکوٰۃ میں صرف کریں۔

پس اس مسودہ قانون میں جو اموال ذکر کئے گئے ہیں ان میں الف میں نقد سونا چاندی کا ذکر ہے ب میں وہ پیداوار ہے جو مالک آراضی کو آب پاشی سے حاصل ہوئی ہے ج میں وہ پیداوار ہے جو مالک آراضی کو بغیر آب پاشی کے حاصل ہوئی ہو د میں زیورات نقرئی وطلائی کا ذکر ہے ہ میں تجارتی جانوروں اور تجارتی اسباب کا ذکر ہے ان میں سے الف و د و ہ اموال باطنہ ہیں جنکی زکوٰۃ صاحب مال کو خود ادا کرنا چاہیے امام مسلمین کو ان کی زکوٰۃ لینے کا حق نہیں ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے اور ب و ج اموال ظاہرہ ہیں جن کی زکوٰۃ لینے کا اگرچہ امام مسلمین کے موجود ہونے کی صورت میں اسکو اور اس کے عمال کو ہے لیکن متاخرین نے جب امرائے مسلمین کو دیکھا کہ وہ بیت المال کے مال کو بھی اپنے تصرف میں لاتے تھے اور اس کے مال کو ان کے مصارف میں نہیں صرف کرتے تھے تو تحریر فرما دیا کہ اموال ظاہر کے مالکوں کو بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ اُن کے مصارف میں خود ہی صرف کریں، امرائے مسلمین اور ان کے عمال کو نہ دیں جیسا کہ ظہیریہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے تو ان اموال کی زکوٰۃ بھی مالکوں کو خود ہی ان کے مصارف میں صرف کرنا چاہیے۔

پس چونکہ ہندوستان دار الاستیلاء ہے جس میں کسی کو اموال مسلمین پر ولایت نہیں حاصل ہے تو کسی کو اموال مسلمین کی زکوٰۃ لینے کا بھی حق نہ ہوگا خواہ وہ حکومت ہو یا مسلمانوں کی بنائی ہوئی جماعت ہو۔ اور تصریحات علما سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اموال مسلمین کی زکوٰۃ خود صاحب اموال مصرف زکوٰۃ میں صرف کرسکتا ہے اس کے لئے کسی امام مسلمین کی ضرورت نہیں ہے تو حکومت کو تبراضی مسلمین ایک افسر اعلیٰ یا حاکم اور امام اس لیے مقرر کرنا کہ وہ زکوٰۃ تحصیل کرے اور اسکو اس کے مصارف پر صرف کرے جائز نہیں ہے نیز جماعت مسلمین کو بھی جائز نہیں ہے کہ وہ تراضی مسلمین سے کسی امام یا حاکم کو تحصیل زکوٰۃ کے لئے مقرر کرے اور حکومت سے خواہش کرے کہ اس کا مقرر کیا ہوا امام امام بنا دیا جائے

Marfat.com

اس لئے کہ تراضی مسلمین سے امام مقرر کرنے کا جواز صرف انھیں امور میں ٹھہرایا گیا ہے جو امور بغیر امام کے انجام نہ پاسکتے ہوں مثلاً اقامت جمعہ و اعیاد و فصل خصومات وغیرہا اور اصول کا مسلہ مسلہ یہ ہے کہ جو چیز بضرورت جائز کی گئی ہو اس حد تک رہتی ہے اُس سے متجاوز نہیں ہوتی پس جبکہ بغیر تحصیل امام مسلمین زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تو تحصیل زکوٰۃ کے لئے امام کا مقرر کرنا اُس حد سے متجاوز ہوگا جو جائز نہ ہوگا۔

اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہندوستان میں کسی کو اموال مسلمین پر ولایت حاصل نہیں ہے اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے مسلمانوں کا یا حکومت کا تراضی مسلمین کسی کو امام یا حاکم بنانا بھی جائز نہیں ہے تو مسلمانوں کی جماعتیں یا حکومت جو بیت المال قائم کریں گی وہ شرعی بیت المال نہ ہوگا اس لئے کہ بیت المال امام مسلمین کے زیر ولایت و حفاظت ہوا کرتا ہے اور جب کوئی والی ہی نہیں تو بیت المال کیسا علاوہ بریں جب علمائے متاخرین نے حکومت اسلامی کے بیت المال کو تغلب و تصرف امراء و سلاطین سے پاک نہیں پایا تو اس زمانے میں یہ سمجھنا کہ بیت المال تغلب و تصرف سے پاک ہوگا بڑی جرأت کی بات ہے خاص کر جبکہ کسی وقتی قانون کی بناء پر موجودہ حکومت کو رعایا کے جمع کئے ہوئے اموال کا ظلماً و جبراً ضبط کر لینے کا اختیار حاصل ہے پس ایسی صورت میں خود سے مسلمانوں کے اموال کو قبضہ غیر مسلمین میں دے دینا نہ صرف شرع بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے چاہے یہ قبضہ کسی طرح پر ہو۔

مسئلہ (۱) اس کی کیا وجہ ہے کہ علما مروجہ تولے اور ماشے کے اعتبار سے سونے اور چاندی کا نصاب زکوٰۃ مختلف بتاتے ہیں خاص کر علمائے دہلی وغیرہ نے چاندی کا نصاب باون تولے چھ ماشے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے لکھا ہے اور علمائے فرنگی محل اور دیگر علما چاندی کا نصاب چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے اور سونے کا نصاب پانچ تولے ڈھائی ماشے لکھتے ہیں ان علما کے حساب میں اتنا فرق کس وجہ سے ہوتا ہے اور واقعی چاندی اور سونے کا نصاب کو اہل تحقیق کے نزدیک کیا ہے۔

(۲) چاندی کے مروجہ روپیوں میں کتنے روپیہ بقدر نصاب ہوں گے۔ اور سو روپیوں کی زکوٰۃ کیا

ابوحنیفہؒ کے مسلک پر کتنی دینا ہوگی اور صاحبینؒ کے مسلک پر کتنی۔ نیز سو روپیوں کی زکوٰۃ علمانے ڈھائی روپیہ لکھی ہے۔ وزن کے اعتبار سے ڈھائی روپیہ سو روپیوں کا چالیسواں حصہ نہیں ہوتا ہے۔

(۳) نوٹ کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے۔

(۴) اگر کوئی شخص ہزار پانچ سو روپیہ کارخیر کے لئے علٰحدہ کرلے تو اس کی زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں۔

(۵) صاع مروجہ سیر کے اعتبار سے کتنے کا ہوتا ہے۔

جواب (۱) یہ امر مسلم ہے کہ چاندی کا نصاب زکوٰۃ دو سو درہم اور سونے کا نصاب زکوٰۃ بیس مثقال ہے لیکن علمانے مثقال کے وزن میں اختلاف کیا ہے۔ علمائے سمرقند کے حساب سے چھیانوے جَو کا ایک مثقال ہوتا ہے لہٰذا بیس مثقال پانچ تولے کے سونے کے برابر ہونگے۔ اور نصاب زکوٰۃ سونے کا پانچ تولے ہوگا علمائے ہراۃ کے نزدیک ایک مثقال بیس قیراط کے برابر اور ایک قیراط پانچ جَو کے برابر ہے لہٰذا بیس مثقال پانچ تولے ڈھائی ماشے کے برابر ہوں گے اور یہی نصاب زکوٰۃ سونے کا ہے۔

اور علامہ معین الدین شرح کنز میں تحریر کرتے ہیں "ونصاب الذهب بوزن بلادنا سبع تولجات ونصف تولجة" اس روایت پر سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہوگا۔ بعد کے علمانے ان ہی حضرات کے اقوال پر فتوے دیے ہیں۔ بعض نے سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے لکھا ہے کسی نے پانچ تولے اور کسی نے پانچ تولے ڈھائی ماشے، اسی طرح دراہم میں بعض علمانے یہ فتوی دیا ہے کہ جس شہر میں جس قسم کے دراہم رائج ہوں اُن کے دو سو درہم نصاب زکوٰۃ ہیں اور بعض نے اس میں یوں ترمیم کی ہے کہ مروجہ دو سو دراہم اُسی وقت نصاب زکوٰۃ ہوں گے جب ان کی مقدار وزن کے اعتبار سے ان دو سو درہموں سے کم نہ ہو جو دراہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے کم وزن رکھتے تھے (اور سب سے کم وزن رکھنے والے وہ دراہم تھے کہ اُن کے دس درہم برابر ہوں پانچ مثقال کے ان دراہم کو وزن خمسہ کہتے تھے)

پس اس ترمیم کی صورت میں وزن خمسہ رکھنے والے دو سو دراہم نصاب زکوٰۃ ہوں گے۔

Marfat.com

تو دو عہد ہمایوں یعنی زمانۂ سرکار رسالت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اور زمانۂ حضرت ابوبکر صدیق رضی اور حضرت عمر فاروق رضی کے ابتدائی زمانہ میں تین قسم کے دراہم رائج تھے ایک وزن عشرہ کہلاتے تھے یعنی دس درہم مساوی ہوتے تھے دس مثقال یا دس دینار کے اور ایک مثقال میں قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جو کا لہذا ایک مثقال برابر سو جو یعنی پچیس رتی (تین ماشے ایک رتی) کے، اس اعتبار سے دو سو درہم برابر ہوں گے باون تولے ایک ماشے کے اور یہی چاندی کا نصاب زکوٰۃ ہوگا۔

دوسری قسم کے دراہم وزن خمسہ کہلاتے تھے یعنی دس دراہم برابر ہوتے تھے پانچ مثقال کے پس ۲۰۰ دو سو درہم برابر سو مثقال کے اور ایک مثقال پچیس رتی (تین ماشے ایک رتی) کا لہذا دو سو درہم برابر ہوں گے ۲۶ چھبیس تولے چار رتی کے اور اس اعتبار سے چاندی کا نصاب زکوٰۃ ۲۶ چھبیس تولے چار رتی ہوگا۔

تیسری قسم کے دراہم وزن ستہ کہلاتے تھے یعنی دس درہم برابر ہوتے تھے چھ مثقال کے پس دو سو درہم برابر ہوں گے ایک سو بیس مثقال کے لہذا دو سو ۲۰۰ درہم برابر ہوں گے اکتیس تولے تین ماشے ہوگا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی کے زمانے میں لین دین میں جھگڑا ہونے لگا تو آپ نے محضر صحابہ میں ان تینوں قسم کے دراہم کی کمی اور زیادتی کو ایک کر کے وزن سبعہ کا درہم بنایا اور ان تینوں قسموں کے دراہم کو ٹکسال باہر کر کے وزن سبعہ والے دراہم کو رائج کیا اور اس وقت سے لین دین اسی وزن سبعہ والے درہم سے شروع ہو گیا۔ ان دراہم کا وزن یہ تھا کہ دس دراہم برابر سات مثقال کے لہذا دو سو درہم برابر ہوں گے ایک سو چالیس مثقال یعنی چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے کے اور چاندی کا نصاب زکوٰۃ اس حساب سے ۳۶ چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے ہوگا۔

مولانا معین الدین نے کنز کے حاشیہ میں ایک قیراط کا وزن ۱ ۱/۵ جبہ لکھا ہے اور ایک درہم کا وزن ۲۵ ۱/۵ جبہ لکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ تولہ فی زمانہ ۹۶ جبہ کا ہے جو عرف عام ماشے کا ہوتا ہے اور ایک ماشہ آٹھ جبہ کا۔ اس حساب سے دو سو درہم ۵۰۴۰ جبہ کے برابر ہوں گے جن کا وزن تولہ کے حساب سے ۵۲ باون تولہ چھ ماشہ ہوتا ہے لہذا اس حساب سے چاندی کا نصاب زکوٰۃ ساڑھے باون تولے ہوگا۔

Marfat.com

بعد کے علما نے انھی اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے چاندی کا نصاب بھی مختلف لکھا ہے لیکن محققین کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے اور ایک قیراط پانچ جو کا اور چار جو کی رتی اور آٹھ رتی کا ماشہ اور بارہ ماشے کا تولہ، لہٰذا بیس مثقال سونا برابر ہوگا پانچ تولے ڈھائی ماشے سونے کے، اور سونے کی زکوٰۃ کا نصاب اہلِ تحقیق مثل صاحب ہدایہ اور صاحب بحر اور علامہ شامی اور صاحب شرح وقایہ کے مسلک پر پانچ تولے ڈھائی ماشے ہوگا۔ اسی طرح ان محققین نے تصریح کردی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جبکہ تمام درہموں کو ٹکسال باہر کرکے وزن سبعہ کے درہم رائج کیے اور اس زمانے سے لے کر اس وقت تک علماء دراہم میں اسی وزن کا اعتبار کرتے ہیں تو نصاب زکوٰۃ مقرر کرتے وقت دراہم میں وزن سبعہ کا اعتبار کرنا چاہیے۔

فلہٰذا دو سو درہم برابر ہوں گے ۳۶ تولہ ۵ ½ ماشے چاندی کے اور اسی قدر چاندی اہل تحقیق کے مسلک پر نصاب زکوٰۃ ہوگی۔ پس محققین علما کے تصریحات اور روایات متون کو چھوڑ کر دوسرے علماء کے اقوال پر فتویٰ دینا غیر مناسب ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ملا مبینؒ فرنگی محلی اور ان کے صاحبزادے حضرت ملا معینؒ اور حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عبدالحئیؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں سونے کا نصاب زکوٰۃ پانچ تولے ڈھائی ماشے سونا اور چاندی کا نصاب زکوٰۃ چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی لکھا ہے اور اس نصاب پر جب سال گزر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں فقراء و مساکین کو دینا واجب ہوگا۔ پانچ تولے ڈھائی ماشے سونے کا چالیسواں حصہ ڈیڑھ ماشہ اور نصف رتی سونا ہوتا ہے اور چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی کا چالیسواں حصہ دس ماشے ساڑھے سات رتی چاندی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب پانچ تولے ۲ ½ ماشے سونے پر ایک سال گزر جائے تو ڈیڑھ ماشہ اور نصف رتی سونا فقراء و مساکین کو دینا واجب ہے اور جب ۳۶ تولے ۵ ½ ماشے چاندی پر ایک سال گزر جائے تو دس ماشے ساڑھے سات رتی چاندی فقراء و مساکین کو دینا واجب ہے۔

Marfat.com

(۲) جس طرح درہم مختلف وزن کے ہوتے تھے اسی طرح ہندوستان میں چاندی کا روپیہ بھی مختلف وزنوں کا رائج تھا۔ شاہی زمانے میں گیارہ ماشے کا روپیہ تھا انگریزی حکومت نے ساڑھے گیارہ ماشے کا روپیہ رائج کیا۔ ابتدائے حکومت انگریزی میں دونوں سکے رائج تھے اس لئے علمانے روپیوں کے نصاب میں بھی اختلاف کیا ہے۔ جن علماکے زمانے میں گیارہ ماشے کا روپیہ چلتا تھا انھوں نے اس کے وزن کے اعتبار سے روپیوں کا نصاب زکوٰۃ ۳۹ لعـہ روپیہ آٹھ ماشے چار رتی چاندی تحریر فرمایا ہے اور جن علماکے زمانے میں ساڑھے گیارہ ماشے والے روپیہ کا رواج ہوا انھوں نے روپیوں کا نصاب ۳۸ لعـہ روپیہ نصف ماشہ چاندی مقرر کیا اور کسور کو بمنزلہ ایک روپیہ کے مان کر اول الذکر علمانے ۴۰ لعـہ روپیہ اور ثانی الذکر علمانے ۳۹ لعـہ روپیہ نصاب زکوٰۃ تحریر کیا ہے ان علمانے روپیوں کا نصاب مقرر کرتے وقت انکی تعداد کا لحاظ نہیں کیا بلکہ اُن کے وزن کا اعتبار کیا اور وزن کرتے وقت وزن سبعہ والے دراہم کے وزن کا اعتبار کیا ہے۔

حضرت ملا مبینؒ ابن حضرت ملا مبینؒ فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں: "پس درہم شرعی ہفتاد وجو شد وہفتاد جو بمقدار ہفتدہ ونیم رتی اے دو ماشہ ویک ونیم رتی است پس دوصد درہم کہ نصاب فضہ است بحساب مذکور سی وشش تولہ وپنج ونیم ماشہ شد کہ در آں پنج درہم کہ دہ ماشہ وہفت ونیم رتی بعد گذشتن بر وے کامل یک سال بدہد ودرہم مروج درین بلدہ کہ آں را روپیہ می گویند بوزن یازدہ ماشہ است پس وزن دوصد درہم بحساب روپیہ ہائے مروجہ چہل روپیہ تقریباً یعنی سی ونہ روپیہ ودوازدہ آنہ ودو رتی می شود" اور حضرت مولانا عبدالحیؒ عمدۃ الرعایہ میں مائتا درھم کے تحت تحریر فرماتے ہیں "مقدار آں سی وشش تولہ وپنج ونیم ماشہ است وبحساب مبالغ روپیہ ہائے چہرہ دار سکۂ انگریزی تخمیناً واحتیاطاً سی ونہ روپیہ" پس چاندی کا روپیہ جو اس زمانے میں رائج ہے اس کا وزن ساڑھے گیارہ ماشے ہے لہذا روپیوں کے اعتبار سے نصاب زکوٰۃ تقریباً اور احتیاطاً ۳۹ لعـہ روپیہ ہے جب اتنے روپیوں پر ایک سال گزر جائے تو کم سے کم پونے سولہ آنے اور احتیاطاً ایک روپیہ فقرا کو دینا واجب

چاندی اور سونے میں فقہا وزن کا اعتبار کرتے ہیں اور سو روپیوں کا چالیسواں حصہ

Marfat.com

اعتبار سے بھی ڈھائی روپیہ ہوتا ہے اس لئے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ سو روپیہ میں ڈھائی روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں گے ۔ چونکہ امام صاحب کے نزدیک کسی نصاب پر جب تک زیادتی خمس تک نہ ہو اُس وقت تک زیادتی پر زکوٰۃ نہیں اور صاحبین کے نزدیک نصاب پر جو زیادتی بھی ہو خواہ خمس تک نہ زیادتی پہونچے یا نہ پہونچے زیادتی کی بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے ۔

بنا بریں علیہ جبکہ روپیوں کا نصاب ۳۹ لعہ ہے اور اس کا خمس ۱۲؍ ۹ ۳/۵ پائی ہے تو سو ۱۰۰ مجموعہ ہوا دو نصابوں (۷۹) اور ۲/۵ نصاب (۹؍ ۷ ۱/۵ پائی) اور خمس نصاب سے کم (۲؍ ۴ ۴/۵ پائی) کا لہٰذا امام صاحب کے مسلک پر اس کی زکوٰۃ اس طرح ادا کی جائے گی کہ دو نصابوں اور دو خمس نصاب کا چالیسواں حصہ نکال کر فقرا کو دیا جائے جو تقریباً دو روپیہ چھ آنے چھ پائی ہوتا ہے اور خمس نصاب سے کم کی زکوٰۃ معاف ہوگی اور صاحبین کے مسلک پر سو کا چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں گے ۔

جو روپیہ فی زمانہ رائج ہے وہ ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے لہٰذا سو کا وزن ایک ہزار ایک سو پچاس ۱۱۵۰ ماشے ہوا جس کا چالیسواں حصہ اٹھائیس ماشے چھ رتی جو برابر ہے ڈھائی روپیہ کے، آپ نے جو وزن لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے اس لیے حساب صحیح نہیں آتا ۔ ہزار دو ہزار روپیہ کی زکوٰۃ بھی ڈھائی روپیہ سیکڑہ کے حساب سے ادا کی جائے

(۳) نوٹ روپیہ کا قائم مقام ہے لہٰذا اُس کی زکوٰۃ روپیہ کے نصاب سے واجب ہوگی اور روپیہ کا نصاب وزن کے اعتبار سے مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ۔

(۴) اگر کوئی شخص ہزار یا پانچ سو روپیہ الگ کر دے اور یہ نیت کرے کہ اسکو فی سبیل اللہ خرچ کروں گا اور اسپر سال گزر جائے تو اس روپیہ کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے ۔

(۵) صاع کی پیمائش میں بھی علما کا اختلاف ہے محققین احناف کے مسلک پر ایک صاع برابر ہے دو سیر ایک پاؤ ایک تولے ایک چھٹانک دو تولے چھ ماشے کے اور نصف صاع برابر ہے ایک سیر آدھ پاؤ آدھ چھٹانک ایک تولے تین ماشے کے لہٰذا صدقۂ فطر محققین کے مسلک پر گیہوں وغیرہ میں ایک سیر

Marfat.com

آدھ پاؤ آدھ چھٹانک ایک تولہ تین ماشے واجب الادا ہوتا ہے اور جَو وغیرہ میں دو سیر ایک پاؤ ایک چھٹانک دو تولے چھ ماشے واجب الادا ہوتا ہے لیکن احتیاطاً گیہوں وغیرہ کا صدقۂ فطر پونے دو سیر اور جَو وغیرہ کا ساڑھے تین سیر لکھتے ہیں۔

کِتَابُ الحج

مسئلہ:۔ حج اکبر کسے کہتے ہیں۔

جواب۔ مشہور یہ ہے کہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا اس دن جب حج ہو تو حج اکبر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن حج ادا کیا تھا پس اس روایت مشہورہ پر جس سال حج جمعہ کے دن ہو یعنی یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس سال حج اکبر ہوگا۔ لیکن حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر حضرات مثلاً مجاہد، عکرمہ، طاؤس رضی اللہ عنہم کے نزدیک یوم حج اکبر یوم عرفہ ہے یعنی وقوف عرفات جس دن ہو اس کو حج اکبر کہیں گے اُس دن جمعہ ہو یا نہ ہو۔

اور حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن ابی اوفیٰ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ یوم نحر یوم حج اکبر ہے یعنی دسویں ذی الحجہ کو حج اکبر کہتے ہیں۔

اور مجاہد اور سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ حج اکبر ایام منیٰ ہیں یعنی گیارھویں بارھویں اور تیرھویں ذی الحجہ کو حج اکبر کہتے ہیں۔

اور مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ قران کا نام حج اکبر ہے اور افراد کا نام حج اصغر ہے اور زہری اور شعبی اور عطاء سے روایت ہے کہ حج کا نام اکبر ہے اور عمرہ کو حج اصغر کہتے ہیں۔

مسئلہ۔ عورت کا بغیر محرم کے سفر حج کرنا کیسا ہے؟

جواب۔ عورت کو بلا شوہر یا کسی محرم کے سفر حج کرنا درست نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک عورت کو فریضۂ حج ادا کرنا ثقات عورت کی ہمراہی میں اس طور پر جائز ہو کہ

Marfat.com

ان ثقات عورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اُن کا محرم موجود ہو۔

پس ہمارے بعض اکابر نے فریضۂ حج میں عورت کے لئے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

مسئلہ ۔ ایک عورت جو لکھنؤ کی رہنے والی ہے اس پر مالی اعتبار سے حج تو فرض ہوا مگر اس کو کوئی محرم نہ مل سکا جس کے ہمراہ سفر کر سکتی، اب کبر سنی کی وجہ سے سفر کرنے کے قابل نہیں رہی آیا حج بدل کرانا اس پر واجب و ضروری ہے یا نہیں۔

مسماۃ مذکورہ اگر حج بدل کرائے تو حجاز یا مکہ معظمہ کے کسی باشندہ کو معاوضہ دیکر حج کرا سکتی ہے یا جب تک لکھنؤ سے کسی کو حج بدل کے لئے نہ بھیجے حج بدل پورا نہ ہوگا۔

جواب ۔ اس امر میں احناف کا اختلاف ہے کہ عورت کے حج کے لئے محرم کے ساتھ حج کو جانے کی شرط وجوب حج کی شرط ہے یا وجوب ادا کی شرط ہے پس جو علما اسکو وجوب حج کی شرط مانتے ہیں اُن کے نزدیک ایسی عورت پر جو مالی حیثیت سے سفر حج کر سکتی ہو لیکن اسکو حج کرانے کے لئے اُس کا محرم نہیں ملا حج فرض نہیں ہوا اور اس عورت کو مرنے کے بعد حج بدل کرانے کی وصیت کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے اور جو علما اسکو ادائے حج کے وجوب کی شرط مانتے ہیں ان کے نزدیک ایسی عورت پر حج فرض ہوگیا اور وہ اسکو ادا نہ کر سکی اس لئے اس کے لئے لازم ہے کہ حج بدل کرانے کی وصیت کر جائے ورنہ گنہگار ہوگی۔

پھر صورت مسئولہ میں اگر یہ عورت استطاعت حج کرنے کی رکھتی تھی اور محرم نہ ہونے کی وجہ سے حج نہیں کر سکی تو پہلے قول پر اس پر حج فرض نہیں ہوا اور اب جبکہ سفر حج کی استطاعت بھی کبر سنی کی وجہ سے نہیں رکھتی ہے تو اسکو حج بدل کرانا بھی فرض نہیں ہے اور دوسرے قول پر اس عورت کو حج بدل کرانا ضروری ہے۔ اور چونکہ ان دونوں اقوال کی تصحیح میں بھی علما کے اقوال مختلف ہیں اکثر و بیشتر علمائے احناف قول اول کی تصحیح کرتے ہیں اور امام شافعی اور دیگر بعض علمائے احناف دوسرے قول کی تصحیح کرتے ہیں اس لئے اس عورت کو جبکہ وہ سفر سے معذور ہو چکی ہے مناسب یہ ہے کہ اپنی طرف سے اپنی زندگی میں اپنے ہی شہر سے حج بدل کرا دے اور اگر اپنی زندگی میں اپنی طرف سے

Marfat.com

حج کرنے کے لئے کسی کو نہ بھیجے تو وہ وصیت کر جائے کہ اس کے مرنے کے بعد اُس کے ورثا اس کی طرف سے حج بدل کرا دیں۔

مساۃ مذکورا اگر اپنی طرف سے حج کرانا چاہتی ہیں تو ان کو لکھنؤ سے کسی شخص کو حج بدل کے لئے بھیجنا چاہیے تاکہ ان مساۃ کو جو تکلیف ایثار روپیہ اپنے نائب کو دینے میں پہونچے وہ ان کی اس جسمانی تکلیف کے قائم مقام ہوسکے جو ان کو سفر حج میں اٹھانا پڑتی اس لیے کہ معذ ور دین عن الحج کا اپنی طرف سے کسی کو نائب بھیجنا اسی معنی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اور مکہ معظمہ کے کسی باشندے سے اپنی طرف سے حج کرانے میں انکو کوئی مالی مشقت نہیں پہونچے گی اس لئے ان کی طرف سے نیابت نہیں متحقق ہو گی پس اُس مکی کے حج کرنے سے ان کے ذمہ کا حج ساقط نہ ہوگا البتہ ان کو روپیہ دینے کا ثواب پہونچے گا۔

کتاب الوقف

مسئلہ:۔ اس انقلابی زمانے میں بہت سی مسجدوں کا سامان غارت ہو گیا اور جو بچا یعنی جانمازیں گھڑیاں اور پردے وغیرہ سوان کو بعد تصفیہ بندی مساجد ایک جگہ محفوظ کر دیا گیا اب وہ سامان چوہوں اور دیمک کی خوراک بنا ہوا ہے اور برباد و خراب ہو رہا ہے ایسی صورت میں بحالت مجبوری کیا وہ سامان کسی دوسری ضرورتمند آباد مسجد کے استعمال میں لانے اور اس کی فروختگی ہو کر کسی آباد مسجد کی مرمت یا پیش امام اور محافظان آباد وغیر آباد مساجد کی تنخواہوں میں اسکی قیمت صرف ہونے پر کوئی حضر شرعی تو نہیں ہے۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں بحکم قاضی و حاکم اُن ویران مساجد کی جانمازیں، گھڑیاں اور پردے دوسری آباد مسجدوں میں منتقل کیے جاسکتے ہیں اور حاکم کی اجازت سے فروخت بھی کیے جاسکتے ہیں اور ان کی قیمت دوسری آباد مسجدوں میں صرف کی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

مسئلہ:۔ مسجد کے متعلق کچھ دوکانیں اور مکانات وغیرہ وقف ہیں اُن کی آمدنی مسجد کے ضروریات پورا کرنے کے بعد فاضل بچتی ہے وہ جمع ہوتی رہتی ہے اس فاضل آمدنی سے مدرسہ اسلامیہ کی اعانت ہوسکتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ مسجد کی آمدنیِ فاضل سے مدرسہ اسلامیہ کی اعانت کرنا یا غریب اور نادار طلبا کے وظائف مقرر کرنا درست نہیں۔

مسئلہ:۔ ہمارے یہاں کی مسجد اور اس کے متعلقات بہت بوسیدہ ہو گئے تھے اور گر جانے والے تھے اس مسجد کے لئے جو جائداد موقوف تھی اس میں اتنا روپیہ نہیں کہ اُس سے مسجد اور اس کے متعلقات کی تعمیر کرائی جاسکے متولی وقف نے روپیہ قرض لے کر مسجد اور اس کے متعلقات کی تعمیر کرادی۔ آیا متولی وقف اس روپیہ کو جائداد سے وصول کر سکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ اگر مسجد اور متعلقات مسجد کی تعمیر ضروری تھی کہ اگر تعمیر نہ کرائی جاتی تو مسجد یا متعلقات مسجد کے گر جانے کا اندیشہ تھا تو متولی کو قاضی اور حاکم شرع کی اجازت سے قرض لینا (جبکہ کوئی رقم تحویل متولی میں بغرض تعمیر نہ ہو) اور اس روپیہ سے تعمیر کرانا درست ہے اور وقف کی تعمیر میں جو روپیہ صرف کیا ہے اس کا وقف سے واپس لینا درست ہے۔

اور اگر متولی نے بدون اجازت حاصل کیے حاکم مجاز سے تعمیر وقف کیلئے روپیہ قرض لے لیا تو اُس روپیہ کو جائداد موقوفہ سے مجرا لینا درست نہیں۔

اسی طرح اگر غیر شخص نے متولی وقف کی اجازت حاصل کر کے تعمیر وقف کے لئے روپیہ قرض لیا ہے تو جتنا روپیہ تعمیر وقف میں صرف کیا ہے اُس کے مجرا لینے کا حق جائداد موقوفہ یا متولی سے اُس شخص کو حاصل ہے۔ اور اگر متولی کی اجازت کے بغیر شخص غیر نے روپیہ قرض لے کر جائداد موقوفہ کی تعمیر کرائی تو جتنا روپیہ اُس نے تعمیر میں صرف کیا ہے اُس کے مجرا لینے کا حق نہیں ہے جیسا کہ شامی میں تاتارخانیہ سے منقول ہے۔

مسئلہ۔ اگر ایک مسجد جو بالکل ویران ہو چکی ہے اور اس میں نہ تو کوئی مسلم نماز پڑھتا ہے اور نہ اسکا

Marfat.com

امکان ہے بلکہ برخلاف اس کے نہ تو اس کی صفائی ہوتی ہے اور نہ حرمت برقرار رکھی جاتی ہے مویشی بول و براز کر کے خراب کرتے ہیں کیا ایسی مسجد کا ملبہ لے کر دوسری مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے۔ ملبہ جو خود حوادث زمانہ سے گر گیا ہو یا وہ ملبہ جو مسجد میں لگا ہوا ہے گرا لہیں۔

جواب۔ صورت مسؤلہ میں ایسے مساجد جو ویران ہو گئے ہیں اور ان کے آباد ہونے کا امکان بھی نہیں تو اس کے عملہ کا خواہ ادفتادہ یا غیر ادفتادہ دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ عملہ دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے اور مسجد ویران کی زمین کو چار دیواری کھینچ کر اس طرح بند کر دیا جائے کہ اس کے اندر آمد و رفت بند ہو جائے۔

مسئلہ:۔ عام طور پر جو متولی وقف میں خیانت وغیرہ کرتا ہے اُس کی معزولی ڈسٹرکٹ جج کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہے۔ کیا حکومت سے مرکزی سنی وقف بورڈ اسکی خواہش کر سکتا ہو کہ ایسی صورتوں میں متولی کا معزول کرنا بھی اسکے سپرد کر دیا جائے یا نہیں۔

جواب۔ دستور شرع کے مطابق کسی وقف کے متولی کو معزول کرنے کا حق قاضی اسلام کو ہے اور قاضی کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔

بناءً علیہ جبکہ ڈسٹرکٹ جج عموماً مسلمان نہیں ہوتا تو غیر مسلم ڈسٹرکٹ جج کو شرعاً متولی وقف کے معزول کرنے کا حق نہیں اور نہ اُسکے معزول کرنے سے وہ متولی شرعاً معزول ہوگا۔

لہذا حکومت سے یہ خواہش کرنا شرعاً درست ہے کہ اس قسم کے اختیارات بھی مرکزی سنی وقف بورڈ کو تفویض کرنے جائیں تاکہ اس قسم کے فیصلے بھی شریعت کے قانون کے اعتبار سے قابل نفاذ ہو جائیں۔

مسئلہ۔ جدید مسجد بننے کے بعد کچھ اینٹیں فاضل بچی ہیں، اُن کو گاؤں کے لوگ اپنے صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں جبکہ مسجد گاؤں والوں نے بنائی ہے۔

جواب۔ اگر اینٹیں مسجد کے روپیہ سے خریدی گئی تھیں یا کسی شخص نے اینٹیں خرید کر متولی مسجد کے حوالے کر دی تھیں کہ یہ اینٹیں مسجد میں لگائی جائیں تو مسجد کی تعمیر کے بعد جو اینٹیں بچی ہیں اور مسجد

Marfat.com

کام میں نہیں آسکی ہیں تو ان کو متدین مسلمان کے ذریعہ اچھے داموں فروخت کر کے اس کی قیمت کو تعمیر مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جائے۔ اور اگر اُس موضع کے باشندوں نے اپنے ذاتی روپیہ سے اینٹیں خرید کر مسجد بنوانا شروع کی تھی اور ان لوگوں نے اینٹیں متولی مسجد کو تعمیر مسجد کے لئے نہیں دی تھیں تو تعمیر کے بعد جو اینٹیں فاضل بچی ہیں ان کو اس موضع کے باشندگان جنھوں نے اپنے روپیہ سے اینٹوں کو خریدا تھا اپنے ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں۔

مسئلہ - ہمارے یہاں کے مہتمم مسجد نے ایک پتھر پر پرانے متولیوں اور مہتمموں کے نام اور تاریخ مسجد کے روپیہ سے کندہ کرائی ہے اور اسکو مسجد میں نصب کرایا ہے۔ جس سے نمازیوں میں ایک گونہ بے چینی پیدا ہو گئی ہے تو مہتمم مسجد کو مسجد کے روپیہ سے ایسا پتھر کندہ کرانا اور اسے مسجد میں نصب کرنا جائز ہے یا نہیں۔

مسجد کا روپیہ جو مہتمم نے اس پتھر کے کندہ اور نصب کرانے میں صرف کیا ہے وہ مہتمم سے دلایا جائے گا یا نہیں۔

جواب - بصورت مسئولہ میں مہتمم مسجد کا مسجد کے روپیہ سے یہ پتھر (جس پر مہتمیں کے نام اور تاریخ کندہ ہے) خریدنا اور مسجد کے روپیہ سے اس پر تاریخ کندہ کرانا اور اس کا نصب کرانا درست نہیں ہے۔ اور جتنا روپیہ مسجد کا مہتمم نے اس میں صرف کیا ہے اس کا وہ ضامن ہے۔ ممبران انتظامیہ کمیٹی مہتمم مذکور سے وہ روپیہ وصول کریں۔

اور جب کہ اس پتھر کے نصب کرنے کی وجہ سے مسلمان اور مسجد میں نمازیں پڑھنے والوں میں بے چینی پیدا ہے تو اسکو مسجد سے نکال دینا چاہیے۔ نیز اس قسم کا کوئی پتھر مسجد کی آمدنی سے مسجد میں نہیں نصب کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ :- مسجد کے بنانے کے بعد جو لکڑی بچ رہی ہے اسکو مسجد بنانے والا اپنے کام میں لا سکتا ہے یا نہیں۔

جواب - اگر متولی کو لکڑی اس لئے دی گئی کہ وہ فلاں مسجد میں لگائے تو متولی کو یہ حق نہیں ہے کہ

فاضل اور بچی ہوئی لکڑی کو بیچ کر اس مسجد کے دوسرے ضروریات مثلاً چٹائی وغیرہ میں صرف کرے اور اگر بانی مسجد نے مسجد بنانے کے لئے سامان اپنے پاس سے خریدا اور کچھ سامان مسجد تیار ہونے کے بعد بچ رہا تو بانی مسجد اُس سامان کو اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔

مسئلہ۔ ہمارے یہاں ایک بوسیدہ مسجد ہے اسکو شہید کر کے نئی مسجد بنائی جارہی ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ پُرانی مسجد کا سامان جو مسجد کی تعمیر میں نہیں لگایا جاسکتا ہے فروخت کر کے اسکی قیمت جدید تعمیر میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں۔

جواب۔ اگر مسجد قدیم اپنی شکستگی اور بوسیدگی کی وجہ سے منہدم کی جائے تو اس کا ملبہ اور لکڑی وغیرہ حتی الامکان اُسی مسجد کی تعمیر جدید میں صرف کرنا چاہیے اور جو سامان تعمیر جدید کے بعد بچ رہے اسکو محفوظ کر دینا چاہیے اور ضرورت کے وقت اسی مسجد میں لگا دیا جائے اور اگر وہ سامان ایسا ہو کہ کسی طرح تعمیر جدید میں نہیں لگایا جاسکتا ہو اور اسکے محفوظ کر دینے میں اُس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو حاکم شرع یا متدین مسلمان جس کو حق استبدال دیں اسکی اجازت سے اس سامان کے عوض دوسرا سامان لے لیا جائے اور اگر اس کے عوض دوسرا سامان نہ مل سکے تو اس حاکم یا مقرر کردہ حاکم کی اجازت سے وہ سامان زائد سے زائد قیمت پر فروخت کیا جاسکتا ہے اور وہ قیمت تعمیر جدید میں صرف کی جائے اور جس شخص نے وہ سامان خریدا ہے وہ اسکو اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔

مسئلہ:۔ زید نے ایک زمین پرانے قبرستان کی خریدی ہے اس میں قبروں کے نشان موجود ہیں۔ کیا زید ان نشانوں کو مٹا کر اُس زمین پر اپنا مکان بنا سکتا ہے۔

جواب۔ مسلمان کی قبر کے نشان کو مٹانا اُس مسلمان کی بے حرمتی ہے اور مسلمان میت کی بے حرمتی اور استخفاف شرعاً مکروہ ہے۔

پس نشان قبور مسلمین کا مٹانا مکروہ ہے قبروں کے نشانات مٹانے والے کو اس فعل سے روکا جائے نیز قبور مسلمین کے اوپر مکان بنانا بھی مکروہ ہے۔

Marfat.com

مسئلہ:۔ ہمارے موضع میں جامع مسجد اور عیدگاہ کے لئے کچھ آراضی وقف ہے۔ کاشتکاروں نے کئی سال سے لگان نہیں ادا کیا متولی کی امکانی کوشش کے باوجود وہ لگان دینے پر تیار نہیں ہوئے بدرجۂ مجبوری متولی نے عدالت میں دعویٰ کر دیا۔

عدالت سے صرف تین سال کا لگان دلوایا گیا اور باقی لگان کاشتکاروں کو معاف کر دیا۔ کیا عدالت کا یہ فیصلہ قابل نفاذ ہوگا یا نہیں۔

جواب۔ احناف کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ قاضی القضاۃ (حاکم اسلام) اگر کوئی فیصلہ ایسا کرے جس پر کوئی دلیل شرعی نہ ہو تو اُس کا یہ فیصلہ نافذ نہیں ہوتا ہے اور واقف کے شرائط کے خلاف حکم دینا بھی حکم بلادلیل ہے لہٰذا اگر قاضی القضاۃ کوئی حکم مخالف شرط واقف دے گا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

پس صورت مسئولہ میں جبکہ حاکم اسلام کا وہ فیصلہ جو شرط واقف کے خلاف ہو اور وہ وقف کے لئے نفع مند بھی نہ ہو نافذ نہیں ہوتا ہے تو حکومت غیر اسلامی کا یہ فیصلہ (کہ سنین ماضیہ کا لگان کاشتکاروں کو معاف کر دیا جائے) بدرجۂ اولیٰ قابل نفاذ نہ ہوگا اور اس فیصلہ سے وقف کا ضرر بھی ہوتا ہے پس اگر حکومت اس طرح کا فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ ہرگز نافذ نہ ہوگا بلکہ مسلمانوں کو اس قسم کے فیصلوں کی منسوخ کرانے میں ہر امکانی کوشش کرنا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ متولی اپنی زندگی میں کسی دوسرے کو متولی بنا کر عہدۂ تولیت سپرد کر سکتا ہے یا نہیں اور متولی کا بنایا ہوا متولی متولی ہوگا یا نہیں۔

جواب۔ اگر موجودہ متولی کو متولی بنانے کی اجازت واقف یا حاکم و قاضی کی طرف سے نہیں ہے تو اُس متولی کو اپنی زندگی میں کسی دوسرے شخص کو متولی بنانا درست نہیں اور اگر دوسرے کو متولی مستقلاً بنائے تو وہ متولی نہ ہوگا۔

پس متولی نے جس شخص کو تولیت کے لئے نامزد کیا ہے وہ متولی نہ ہوگا بلکہ موجودہ متولی ہی کو کام انجام دینا چاہیے۔ البتہ متولی کو اس کا حق حاصل ہے کہ کسی کو اپنا وکیل بنائے جو وقف کا کام متولی کی قائم مقامی میں انجام دیتا رہے اور اس کی کچھ تنخواہ مقرر کر دے۔

Marfat.com

اور اگر موجودہ متولی معزول ہونا چاہتا ہے تو بغیر اطلاع قاضی معزول نہ ہوگا قاضی کو جب اس کے معزول ہونے کی اطلاع ہو جائے تو قاضی کو اس کی جگہ پر متولی مقرر کر دینا چاہیے۔

لیکن قاضی کو متولی بنانے میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ واقف کے قرابت دار کو تولیت سے محروم نہ کرے بلکہ جب تک واقف کے قرابت داروں میں تولیت کے لائق آدمی ملے اسی کو متولی بنائے۔

اور اگر موجودہ متولی کو حاکم وقاضی نے خیانت وغیرہ کی وجہ سے معزول کر دیا تو اس کی جگہ پر قاضی کو متولی بنانا چاہیے اور اگر عامہ مسلمین کسی کو متولی بنا دیں تو اس کی تولیت صحیح ہے۔ لیکن بعض علما کی رائے ہے کہ عامہ مسلمین کو قاضی کی اجازت سے متولی بنانا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ کسی وقف کے متولی کو اگر حاکم وقت معزول کر دے تو وہ معزول ہوگا یا نہیں۔

جواب۔ واقف کے مقرر کردہ متولی کو واقف کے علاوہ کسی کو معزول کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ اگر مقرر کردہ متولی وقف میں خیانت کرے اور قاضی کے یہاں خیانت ثابت ہو جائے تو قاضی اسکو معزول کر سکتا ہے۔ اور متولی کا نامزدہ متولی بلا وجہ عزل معزول نہیں کیا جائے گا اگر متولی کو تفویض تولیت کا اختیار دیا گیا تھا۔

مسئلہ:۔ کیا حاکم وقت جائداد موقوفہ کیلئے متولی وقف کے ساتھ کسی نگراں کو اپنی طرف سے مقرر کر سکتا ہے یا نہیں۔ جو متولی کہ انتظام وقف ٹھیک طور سے نہ کرتا ہو اسکو حاکم وقت معزول کر سکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ متولی وقف کے ساتھ مصلحت ایک نگراں کا رکھنے کا حق قاضی وحاکم شرع کو ہے جس کو مشرف کہتے ہیں اگرچہ واقف نے شرط لگا دی ہو کہ متولی وقف کا کوئی شریک کار نہو گا لیکن متولی یا مشرف کو اس کا حق بالکل نہیں حاصل ہے کہ وقف کی آمدنی کو واقف کے منشا کے خلاف کسی مد میں صرف کرے۔

(۲) جو متولی انتظام وقف سے عاجز ہو یا اُس کا فسق ظاہر ہو جائے یا کیمیا بناتا ہو تو وہ معزول کر دیا جائے گا۔ ان عیوب مذکورہ کی وجہ سے متولی کو واقف کے بعد معزول کرنے کا حق قاضی

کو ہے اور جن مقامات میں قاضی موجود نہ ہو تو عامۂ مسلمین کو متولی کے معزول کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ قاضی کو ولایت عامہ انھیں لوگوں سے پہونچتی ہے۔

مسئلہ:۔ ایک شخص نے مسجد اور مدرسہ تعمیر کرایا تھا اور اس نے اپنی کچھ جائداد مسجد کے لئے اور کچھ مدرسہ کے واسطے وقف کر دی تھی۔ مسجد کی موقوفہ جائداد کی آمدنی خرچ سے فاضل رہتی ہو۔ اس مسجد کی رقم کو مدرسہ پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب۔ اگر دونوں وقفوں کا واقف ایک ہو اور جہت وقف بھی متحد ہو تو ضرورت کے وقت ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف کرنا قاضی کو جائز ہے مثلاً زید نے ایک مکان اس لئے وقف کیا کہ اس کی آمدنی سے فلاں مسجد کی مرمت وغیرہ کرائی جائے اور دوسرا مکان زید نے اسی مسجد کے امام یا مؤذن کی سکونت کے لئے وقف کیا۔ ان دونوں مکانوں میں سے جس مکان کو زید نے سکونت امام وغیرہ کے لئے وقف کیا تھا قلت آمدنی کی وجہ سے خراب ہو گیا اور اس کے بنوانے کی ضرورت ہے اور اس مکان کی کوئی آمدنی ایسی نہیں ہے کہ اُس سے مرمت وغیرہ کرائی جاسکے البتہ دوسرے مکان کی آمدنی مصارف وقف پر صرف کرنے کے بعد فاضل موجود ہے تو قاضی اور حاکم شرع کو اختیار ہے کہ دوسرے مکان موقوفہ کی فاضل آمدنی سے اس مکان موقوفہ کی مرمت وغیرہ کرادے اگر واقف ایک نہ ہو یا جہت وقف متحد نہ ہو تو ضرورت کے وقت ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ شرط الواقف کنص الشارع کا کیا مطلب ہے۔ اور اگر کوئی شرط شریعت کے خلاف ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں۔

جواب۔ شرط الواقف کنص الشارع کا یہ مطلب ہے کہ شرط واقف اپنے مفہوم کے اعتبار اور معنی پر دلالت کرنے کے لحاظ سے مثل نص شرعی کے ہے۔ اور شرط واقف نص شرعی کی طرح واجب العمل ہے پس اگر واقف کی عبارت من قبیل مفسر ہو محتمل تخصیص و تاویل نہ ہو تو مثل نص شرعی کے اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر واقف کے الفاظ وقف من قبیل ظاہر ہوں گے تو ان پر بھی

مثل نص کے عمل کیا جائے گا اور اگر عبارت واقف کسی ایسے معنی کو محتمل ہوگی جس پر قرینہ اسکی عبارت میں موجود ہو تو واقف کی عبارت وقف اسی معنی پر محمول ہوگی اور اگر الفاظ وقف من قبیل مشترک ہوں تو جب تک کسی معنی کو ترجیح نہ حاصل ہو جائے اس وقت تک الفاظ مشترکہ پر عمل نہ کیا جائے گا۔ البتہ جس معنے کو ترجیح حاصل ہوگی اسپر عمل ہوگا اور اگر الفاظ وقف من قبیل مجمل ہوں تو اگر واقف زندہ ہے تو اس سے اس مجمل کے بیان کی درخواست کی جائے گی جو تفسیر اس مجمل کی واقف کرے گا اسپر عمل کیا جائے گا اور اگر واقف مرگیا ہے تو سکوت اختیار کیا جائے گا ھکذا فی الردالمحتار۔ اسی طرح شرط واقف مثل نص شرعی کے واجب ہے لیکن اگر وہ شرط خلاف شرع ہو تو واجب العمل نہیں ہے۔ ردالمحتار میں فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے فان شرائط الواقف معتبرۃ اذا لم تخالف الشرع۔ اسی طرح جس شرط سے وقف کو نقصان پہونچتا ہو اس کے خلاف کرنا بھی حاکم شرع کو جائز ہے چنانچہ کتب فقہ میں سات یا آٹھ یا گیارہ صورتیں باختلاف روایت ایسی لکھی ہیں کہ ان میں قاضی اور حاکم شرع کو شرائط وقف کے خلاف عمل کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ قبرستان میں جوتا پہن کر جانا کیسا ہے۔

جواب:۔ قبرستان میں جوتا پہن کر جانا جمہور علما کے نزدیک جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ جوتا اتار ڈالے تاکہ تواضع و خشوع ظاہر ہو۔

مسئلہ:۔ (۱) پرانے قبرستان (جس میں اب قبریں نہیں بنائی جاتی ہیں) کی اراضی پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک موضع میں ایک پرانی مسجد ہے جس کے گرد مسلمان آبادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ بالکل ویران ہوگئی ہے اور اس کی حالت بھی بہت خراب ہوگئی ہے اس کی بھی امید نہیں ہے کہ مسجد درست کرا کر پھر آباد ہو سکے گی، اور اگر وہ یوں ہی پڑی رہی تو اس کی اراضی پر غیر مسلم قبضہ کرلیں گے۔ کیا اس کی اراضی پر مسلمانوں کا قبرستان بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔

جواب:۔ مقابر مسلمین جب پرانے ہو جائیں اور نشان قبور مٹ جائیں اور اس قبرستان میں

اموات مسلمین دفن نہ کیے جاتے ہوں تو ان پر مسجد بنا لینا جائز ہے۔

(۲) جو مسجد گر گئی ہو اور اُس کے ارد گرد مسلمانوں کے گھر بھی نہ ہوں تو وہ مسجد منہدم بانی مسجد کی اولاد کی ملکیت ہو جائے گی اور وہ لوگ اسپر تصرف کر سکتے ہیں نیز اگر مسلمان اُسکو مقبرہ بنانا چاہیں تو بانی مسجد کی اولاد کی اجازت سے بنا سکتے ہیں۔

مسئلہ :۔ ہمارے یہاں کی عید گاہ چھوٹی ہے اُس کے متصل ایک پُرانا قبرستان ہے۔ کیا اُس قبرستان کی آراضی کو عید گاہ کے لئے لے سکتے ہیں اور اسپر عید گاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب ۔ قبرستان جاریہ کی زمین چونکہ دفن اموات مسلمین کے لئے وقف ہوتی ہے اس لئے اس قبرستان جاریہ کی جزو آراضی کو عید گاہ کے وسیع کرنے کے لئے خریدنا اور اسپر عید گاہ بنانا درست نہیں ہے اور اگر اس قبرستان میں تدفین بالکل موقوف ہوگئی ہو تو اس کی جزو آراضی مالک آراضی سے خریدی جا سکتی ہے لیکن مسلمان میت کے نشان قبر کو مٹانا جائز نہیں۔ اس لئے اس جزو آراضی کو اگر عید گاہ کی توسیع کے لئے خریدا ہے تو نشان قبور مسلمین کو مٹا کر توسیع کرنا درست نہیں ہے البتہ ان قبور کے متصل خالی زمین پر اس طرح ڈانٹ بنا دی جائے کہ قبر ڈانٹ کے نیچے آجائے یعنی ڈانٹ بمنزلہ سقف ہو اور اس ڈانٹ کے اوپر عید گاہ کا جدید فرش بنوا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں وہ ڈانٹ بمنزلہ حائل کے ہو جائے گی۔

مسئلہ :۔ (۱) ایسا متولی وقف جس کو واقف نے تفویض عام کے طریقہ پر متولی کیا ہو یعنی وہ معاملہ وقف میں واقف کے قائم مقام ہے کہ جس کو چاہے متولی بنائے اور عہدۂ تولیت کی وصیت جس کے حق میں چاہے کرے اس کا دوسرے کو متولی بنانا جائز ہے یا نہیں اور اسکی وصیت نافذ ہوگی یا نہیں۔

(۲) کسی وقف کے لئے متولی نامزد ہے اور اُس کے خاندان میں قدیم سے تولیت نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہے طریق الیصاد کا دستور ہے (یعنی دقت وفات ہر ایک متولی دوسرے کو اپنا قائم مقام کر دیتا ہے) کیا یہ صورت شرعاً جائز و معتبر ہے۔

جواب ۔ فی الواقع واقف نے جس متولی کو شرطاً عام کیا تھا تولیت سپرد کی تھی یعنی واقف نے

متولی کو اس بات کا اختیار بھی دیدیا تھا کہ وہ عہدۂ تولیت کی وصیت جس کے حق میں چاہے کرے یا جس کو چاہے متولی مقرر کر دے تو ایسے متولی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے کے حق میں متولی ہونے کی وصیت کرے یا اپنی زندگی میں کسی کو متولی بنا دے۔

(۲) اس طرح قائم مقامی اگر واقف کی تصریحات یا دوادین قضاۃ ماضیہ کے خلاف نہ ہو تو اُس تعامل و رواج کا اعتبار کیا جائے گا۔

مسئلہ :۔ قبرستان کی سبز گھاس کاٹنا کیسا ہے اور قبرستان کو جانوروں کی چرائی کے لئے لینا درست ہے یا نہیں۔

بعض عوام کہتے ہیں کہ بزرگوں کے قبرستان میں بکری وغیرہ کا چرانا شرک ہے ان کا یہ قول صحیح ہے یا غلط۔ کیا قبرستان میں جھاڑو دی جا سکتی ہے۔

جواب :۔ قبرستان کی تر گھانس اوکھاڑنا مکروہ ہے اور خشک کا اوکھاڑنا مکروہ نہیں ہے۔ اور علما نے علت کراہت یہ تحریر فرمائی ہے کہ جب تک وہ گھانس تر رہے گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہیگی جس سے میت پر نزول رحمت ہوتا رہے گا جیسا کہ شامی میں ہے۔ اگر گھانس کٹوانے کی ضرورت ہو تو اسکو کاٹ لینا چاہیے۔ جانوروں کو قبرستان میں چرائی کے لئے نہ بھیجنا چاہیے۔ جب قبرستان میں جانوروں کو چرانے کی ممانعت ہے تو جانوروں کو چرانے کے لئے نہ لے جانا چاہیے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کسی بزرگ کی قبر پر بکریوں کا چرانا شرک ہے بلکہ یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ بکریاں چرانے سے قبر کی اہانت ہوگی، قبر پامال ہوگی قبر روندی جائے گی اور یہ سب اُمور ممنوع ہیں۔ صفائی کے لئے جھاڑو دینا ہر جگہ اور ہر مقام پر جائز ہے لہذا قبرستان کی صفائی کے لئے بھی جھاڑو دینا جائز ہے۔

Marfat.com

86

فتاویٰ فرنگی محل

موسوم بہ

فتاویٰ قادریہ

الحاج مفتی محمد عبدالقادر (مفتی فرنگی محل) کے

فتووں کا انتخاب

مرتب

مفتی) محمد رضا انصاری

Marfat.com